وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا

اور سب مل کر اللہ کی رسّی کو مضبوطی سے تھام لو اور تفرقہ میں نہ پڑو

حبل اللّٰہ

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ
اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ ----- (البقرہ: ۱۶۵)

اور لوگوں میں ایسے بھی ہیں جو اللہ کے مُقابلے میں (دُوسروں کو اُسکا) ہمسر بناتے ہیں (اور) اُن سے اس طرح محبّت کرتے ہیں جس طرح اللہ سے کرنی چاہیئے۔ اور جو مومن ہیں وہ تو سب سے بڑھ کر اللہ سے محبّت کرتے ہیں۔

الہامی ادب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

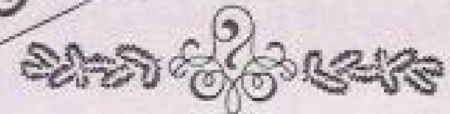
وَسَارِعُوۡۤا اِلٰی مَغۡفِرَۃٍ مِّنۡ رَّبِّکُمۡ وَجَنَّۃٍ عَرۡضُہَا السَّمٰوٰتُ وَالۡاَرۡضُ ۙ اُعِدَّتۡ لِلۡمُتَّقِیۡنَ ﴿ۙ﴾ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ فِی السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالۡکٰظِمِیۡنَ الۡغَیۡظَ وَالۡعَافِیۡنَ عَنِ النَّاسِ ؕ وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿ۚ﴾

(سورہ آل عمران : ۱۳۳، ۱۳۴)

"اور تیزی دکھاؤ اپنے پروردگار کی مغفرت اور اُس جنّت کی طرف، جس کی چوڑائی آسمانوں اور زمین جیسی ہے (اور) جو متّقیوں کیلئے تیار کی گئی ہے۔ (وہ لوگ) جو فراخی اور تنگی ہر حال میں (اللہ کی راہ میں) خرچ کرتے ہیں، غصّے کو پی جانے اور لوگوں کو معاف کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ (ایسے) احسان کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے۔"

حبل اللہ

مجلّہ نمبر ۲۱ ــــــ اکتوبر سنہ ۲۰۰۱ء



تحریکی ساتھیوں سے اپیل

تحریک کو جاری رکھنے اور حبل اللہ کی اشاعت کو ممکن بنانے کے لئے حسبِ توفیق مالی تعاون ضرور فرمائیے

یہ مجلّہ بلا قیمت تقسیم کیا جاتا ہے

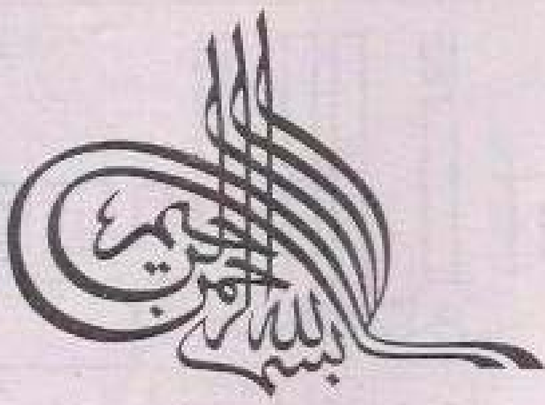
مقام اشاعت

مرکزی دفتر۔ مسجدِ توحید
آر۔ جی ریلوے کوارٹرز، پوسٹ بکس نمبر ۷۰۲۸
کیماڑی۔ کراچی

اس شمارے میں

ترتیب





آج پھر اللہ کی زمین ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ کے مصداق فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن گئی ہے۔ ہر طرف خونریزی، لوٹ مار اور دہشت گردی کا بازار گرم ہے۔ دنیا میں کہیں بھی جان و مال محفوظ ہے اور نہ عزت و آبرو۔ انسان گویا درندہ بن گیا ہے، اپنے ہی جیسے انسانوں کے خون کا پیاسا۔ اس نام نہاد تہذیب و تمدن اور سائنس و ٹیکنالوجی کے لحاظ سے بام عروج پر پہنچے ہوئے دور میں انسانی معاشرے کی بستیاں اجڑ رہی ہیں۔ خاک و خون اور آگ و دھوئیں سے اس کی فضائیں بری طرح آلودہ ہیں۔ امن و سکون کا کہیں نام و نشان باقی نہیں رہا۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ ایک طرف فکر آخرت سے بے نیاز معاشرے میں تہذیب و تمدن اور ترقی کے نام پر فحاشی و عریانی، حرام خوری، ظلم و جور اور ہر قسم کی فکری آزادی اور بے راہ روی عام ہے تو دوسری طرف مذہب کے نام پر بت پرستی، قبر پرستی اور توہم پرستی کی صورت میں شرک کی گرم بازاری ہے۔ غیر اللہ سے التجا و استمداد اور پرستی پکاروں اور ان کی نذر و نیاز کی شکل میں انبیاء کی اور اللہ کے نیک بندوں (حقیقی و نام نہاد) کی پوجا پاٹ کا سلسلہ جاری ہے۔ لوگ اسی کو دینداری سمجھتے ہوئے اللہ اور اس کے رسول کی محبت کے بلند بانگ دعووں اور نعروں میں مست و مگن ہیں۔ چنانچہ یہ آستانے نہ صرف کفر و شرک کے مراکز بنے ہوئے ہیں بلکہ ہر قسم کی فحاشی اور لوٹ مار کے اڈے ہیں، جہاں مال کے ساتھ ساتھ لوگوں کا ایمان بھی لٹ رہا ہے، یہاں تک کہ آبروئیں بھی ان کے جعلی تقدس کی بھینٹ چڑھ رہی ہیں۔ اور ستم بالائے ستم یہ کہ محراب و منبر سے ان کی سرپرستی ہو رہی ہے اور اقتدار والے بھی ان کے محافظ و نگراں بنے ہوئے ہیں بلکہ حصہ بقدر جثہ کے تحت ان سے کما کما رہے ہیں؛ چنانچہ اس مفاداتی کشمکش کی تازہ مثال ملک کے ایک معروف آستانے میں واقع مبینہ "بہشتی دروازے" کے وقت پر نہ کھلنے کی وجہ سے بھگدڑ کا شکار ہونے والے بہت سے پروانوں کی ہلاکت ہے۔

کیسا عجیب منظر ہے۔ الوگوں کی نظر میں یہ گویا روحانی ترقی ہے اور وہ مادی ترقی! جب انسان اپنے خالق و مالک اور رب ذوالجلال کے قہر و غضب کو بھڑکانے میں اس طرح بے باک ہو جائے تو پھر کیا اس نفس پرستی اور شیطان کی دست بستہ غلامی کی پاداش میں اس کے لئے یہی کچھ سزاوار نہیں؟ اللہ کی کتاب تو یہی بتاتی ہے ....

بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُم بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا .... (الروم) یہ لوگوں کے اپنے ہاتھوں کی کمائی کے سبب ہے تاکہ ان کے بعض کرتوتوں کا ان کو مزا چکھایا جائے۔ العیاذ باللہ!

تاریخ گواہ ہے کہ ہر دور میں انسانوں کی اکثریت نے اس حیات بخش اور انقلاب آفریں اصلاحی پیغام کی قدر نہ کی جو اس کے حقیقی مصلح اور سچے خیر خواہ یعنی انبیاء علیہم السلام لے کر آتے رہے۔ یہاں تک کہ اللہ کے آخری رسول محمد ﷺ کے ذریعے دین اسلام کو مکمل اور غالب کر دیا گیا۔ بلاشبہ بنی نوع انسان کے لئے یہ اللہ رب العالمین کا عظیم انعام تھا کہ اس کی ہدایت کے لئے کتاب اللہ اور سنت رسول کی صورت میں ایسا جامع اکمل عطا فرمایا گیا اور پھر اس کو قیامت تک کے لئے محفوظ بھی کر دیا گیا۔ جن خوش نصیبوں نے اس دعوت کو قبول کیا، ان کی رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیات کے ذریعے تربیت فرمائی۔ ان کے اخلاق و کردار کی بہترین انداز سے تعمیر ہوئی اور آزمائشی مراحل سے گذار کر ان کو پختہ کار بنا دیا گیا۔ پھر حق و باطل کی کشمکش کے آخری مرحلے یعنی قتال فی سبیل اللہ کے بعد ان کو فتح و کامرانی سے نوازا گیا۔ اس طرح شرک سے مجتنب ہو کر ایمان کی شرط پوری کرنے والوں کے ساتھ وعدۂ استخلاف پورا ہوا۔ اللہ کا دین غالب ہو گیا اور اللہ کی زمین پر امن و سکون اور عدل و انصاف کا دور دورہ ہوا۔

اسلام کی تاریخ کا یہ پہلو بھی بڑا اہم اور قابل غور و فکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس عظیم مشن کی تکمیل کے لئے روم اور ایران جیسے معروف تہذیبی مراکز اور ترقی یافتہ معاشروں کے بجائے عرب کے ریگزار میں بسنے والے تہذیب و تمدن سے عاری اور ناخواندہ چرواہوں کو ہی کیوں منتخب فرمایا۔ بظاہر تو یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ اس دور کی مہذب دنیا کے عالم فاضل اور نفیس و شائستہ لوگ اللہ کے دین کو بہتر طور پر سمجھنے

کے زیادہ اہل ہوں گے، لیکن کائنات کے دانا اور علیم و خبیر رب نے اس منصب کے لئے اپنے انتخاب کا مستحق رائج الوقت علوم و فنون سے بے بہرہ، وقت کے تہذیبی تقاضوں سے ناآشنا اور ترقی کی نعمتوں سے محروم، کھجور و پانی پر گذارہ کرنے والے سادہ مزاج کے حامل اور بدویانہ ماحول میں پروان چڑھنے والے دیہاتیوں ہی کو گردانا۔ رب کائنات کے حکیمانہ فیصلے کے مطابق یہی لوگ اس کے عطا کردہ دین فطرت سے اپنے آپ کو زیادہ آسانی سے ہم آہنگ کرسکتے تھے۔ چنانچہ یہ دعوت حق اسی سنگلاخ زمین سے اٹھی اور دنیا نے دیکھا کہ بہت ہی کم وقت کے اندر انہوں نے اللہ کے پیغام کو پوری طرح اپنے اندر جذب کرلیا۔ اس دعوت کا ساتھ دینے والے ان ناتراشیدہ ہیروں کو، جنہیں دنیا نے کنکر پتھر سمجھ رکھا تھا، آزمائش کی بھٹی میں تپانے اور تعلیمات الٰہی کے مطابق تراشنے کے بعد اُن جوہری اوصاف کا حامل بنادیا گیا کہ انہوں نے اقوام عالم کی امامت کا منصب سنبھال کر انسانی تاریخ کا ایک ایسا روشن باب رقم کیا جس کی چمک دمک سے عالم انسانی جگمگا اٹھا۔

رسول اللہ ﷺ کی تربیت میں کیسے کھرے اور ہمت والے افراد تیار ہوئے، اس کا اندازہ اس بات سے کیا جاسکتا ہے کہ مکی دور کے رونگٹے کھڑے کردینے والی ایذائیں اور ستم رانیاں ان کے پائے استقامت میں ذرا بھی تزلزل پیدا نہ کرسکیں۔ ہجرت کے بعد انصار و مہاجرین کے درمیان بھائی چارہ قائم کرکے انہیں ایک گروہ کی حیثیت سے تیار کیا گیا اور ایمان میں کمزوری دکھانے والوں (منافقین) کو یہ کہہ کر جھنجوڑا گیا کہ:

☆ ''یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ، یہ ایک دوسرے کے دوست ہیں (تمہارے نہیں)، اور جو ان کو دوست بنائے گا وہ انہی میں سے سمجھا جائے گا'' (المائدہ:۵۱)

ان پر واضح کردیا گیا کہ تم میں سے جو بھی اللہ کے دین کے تقاضے کو کما حقہٗ پورا نہ کرنا چاہے اور اس طرح دین سے پھر جائے تو اللہ کو اس کی پرواہ نہیں، وہ ان کی جگہ ایسی قوم کو لے آئے گا جن کے اندر یہ اوصاف ہوں گے:

☆ ''اللہ اُن سے محبت کرے گا اور وہ اللہ سے محبت کریں گے،
☆ مومنوں کے ساتھ نرم ہوں گے اور کفار کے مقابلے میں سخت،
☆ اللہ کی راہ میں جہاد کریں گے اور لومۃ لائم کی پرواہ نہ کریں گے۔''
(المائدہ:۵۴)

بدقسمتی سے موجودہ ''عالم اسلام'' عقائد و نظریات میں بگاڑ کی وجہ سے اپنی اصل سے ہٹ چکا ہے۔ ایمان کے دعویداروں میں مطلوبہ صفات کا فقدان ہے۔ اس لئے ان کی عظیم اکثریت جہاں عملی طور پر ذہنی مرعوبیت اور بے راہ روی کا شکار ہے، ان کے اعمال شرک و بدعات سے پراگندہ ہیں، وہاں ان کا باہمی اتفاق و اتحاد بھی پارہ پارہ ہے۔ اور یہ واعتصموا بحبل اللہ جمیعا ولا تفرقوا ...... کے واضح حکم ربانی کے برخلاف مختلف فرقوں اور مسالک میں بٹے ہوئے ہیں۔ چنانچہ جنہیں شرک سے پاک ایمان کی شرط کے ساتھ سرفرازی اور غلبے کی ضمانت دی گئی تھی، آج وہ اسی ایمان میں خرابی (شرک کی آمیزش) اور تفرقہ پردازی کی وجہ سے پستی و مغلوبیت اور انتہائی زبوں حالی کا شکار ہیں۔ جن کو اس دین کا امین بنایا گیا تھا جو سارے عالم کے لئے امن و سلامتی کا پیغام ہے، آج انہی کو عالمی سطح پر اپنے خلاف دہشت گردی کے الزام کا سامنا ہے۔ جن کی جمعیت باہمی اتفاق و اتحاد اور اخوت و محبت کے جذبات سے لبریز ہوا کرتی تھی، آج وہ تحسبھم جمیعا وقلوبھم شتی کی عملی تصویر بنے ہوئے ہیں۔ اسی وجہ سے آج غیر اقوام ان کو تر نوالہ سمجھ کر، ان پر یلغار کے لئے ایک دوسرے کو دعوت دے رہی ہیں۔ اور یہ ایسے شدید حالات میں بھی اللہ سے رجوع کرکے اپنے ایمان کی اصلاح کرنے کے بجائے محض ذاتی مفادات کے تحفظ کے لئے بے اصول تدابیر کرتے نظر آرہے ہیں۔ ان کے پیشوا بظاہر اتفاق و اتحاد کی اپیلیں کرتے پھرتے ہیں، مگر سوال یہ ہے کہ اتفاق و اتحاد کس بات پر؟ کاش کہ ان کو یہ آسان سی بات سمجھ میں آجائے کہ ان کے مابین اتفاق و اتحاد صرف اور صرف ایمان پر ہی ہوسکتا ہے۔ اور ایمان اللہ کے نزدیک وہی قابل قبول اور معتبر ہے جو شرک کے رد اور طاغوت کے کفر پر مبنی ہو۔ چنانچہ اصلاح احوال کے لئے آج جس بات کی سب سے زیادہ ضرورت ہے وہ اسی ایمان کی دعوت ہے، جو سارے انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے۔ عقائد و نظریات کی صفائی وہ بنیادی کام ہے جس پر ساری انسانیت کی اصلاح کا دارومدار ہے۔ تمام انبیاء علیہم السلام کی دعوت، کفر بالطاغوت اور مشرکانہ عقائد کے رد کے بعد اللہ وحدہ لاشریک کی بندگی اختیار کرنے کے بنیادی نکتے کے گرد گھومتی ہے۔ قافلۂ انسانیت میں جن لوگوں نے اس دعوت کو قبول کرکے اس کو اللہ کی مخلوق تک پہنچانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے نہ صرف ان کی حفاظت فرمائی بلکہ انہیں اپنی تائید و نصرت سے نواز کر سرفرازی عطا کی۔ لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ آج کی ''اسلامی دنیا'' اس دعوت کے تعلق سے بے پرواہ ہوکر طاغوت پرستی اور طاغوتی قوتوں کی حاشیہ برداری میں لگی ہوئی ہے۔ اس کے مذہبی پیشوا تفرقہ بازی اور مسلک پرستی کے پشتیبان بنے دین کے ذریعے کاروبار میں مشغول ہیں جبکہ اس کے ''دانشور'' عقیدہ و ایمان کے خون پر چپ سادھے طاغوتی نظریات کے مؤید و ترجمان بن کر مادی مفادات سمیٹنے میں لگے ہوئے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام کے نام سے منسوب یہ انبوہ کثیر، بھرپور افرادی قوت اور بہترین وسائل رکھنے اور دنیا کے اہم ترین خطہ ہائے زمین پر مقیم ہونے کے باوجود ہر اعتبار سے باطل قوتوں کا دست نگر ہوکر عبرت کا نشان بنا ہوا ہے۔ مگر اس ناکامی پر احساس زیاں کی ہلکی سی کسک یا لہر بھی کہیں سے ابھرتی نظر نہیں آتی (الا ماشاء اللہ)۔

اللہ تعالیٰ اس احساس کے ساتھ اپنی بارگاہ میں رجوع کرنے اور اصلاح احوال کی طرف پیش قدمی کرنے کی توفیق اور ہمت سے نوازے! آمین

۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۲ھ

يُخَادِعُون

تحریر: مُنوّر سُلطان

اتبعوا ما انزل الیکم من ربکم ولا تتبعوا من دونہ اولیاء (الاعراف ۳)

"(لوگو) جو کچھ تم پر تمہارے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے اس کی اتباع کرو اور اس کے سوا اولیاء کی پیروی نہ کرو۔"

اللہ تبارک وتعالیٰ نے قرآن وسنت کے ذریعے رہتی دنیا تک کے انسانوں کی ہدایت کا ایک جامع اور بے نظیر انتظام فرمادیا ہے اور درج بالا آیت اور اس جیسی دیگر متعدد آیات میں اس نازل شدہ وحی کی اتباع کا بصراحت حکم دیا ہے۔ اور اس آیت میں تو حصر فرمادیا کہ اس منزل من اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی ہرگز پیروی نہ کی جائے۔ مالک کی طرف سے نازل شدہ آیات میں سراسر ہدایت ہے، رحمت ہے، خوشخبری ہے (النحل ۸۹، ۔۔۔) یہی سلامتی اور نجات کی راہ ہے (المائدہ ۱۶) جس کی اتباع گمراہ نہ ہونے کی ضمانت ہے:

فمن اتبع ھدای فلا یضل ولا یشقیٰ (طٰہٰ ۱۲۳)

"جو میری ہدایت کی پیروی کرے گا وہ نہ گمراہ ہوگا اور نہ اس پر کوئی تنگی ہوگی۔"

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے اس بات کو ان الفاظ میں بیان فرمایا:

ترکت فیکم امرین لن تضلوا ما تمسکتم بھما کتاب اللہ وسنۃ رسولہ (موطا امام مالک)

"میں نے تم میں دو چیزیں چھوڑی ہیں، جب تک ان سے چمٹے رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہوگے۔ (وہ ہیں) اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔"

لیکن بڑے دکھ کے ساتھ یہ کہنا پڑتا ہے کہ جو طرز عمل گزشتہ امتوں کا ہوتا تھا کہ

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما الفینا علیہ اٰباءنا (البقرۃ ۱۷۰)

واذا قیل لھم اتبعوا ما انزل اللہ قالوا بل نتبع ما وجدنا علیہ اٰباءنا (لقمان ۲۱)

"جب ان سے کہا جاتا تھا کہ اس کی اتباع کرو جو اللہ نے نازل کیا ہے تو کہتے کہ (نہیں) بلکہ ہم تو ان کی اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا۔"

انا وجدنا اٰباءنا علیٰ امۃ وانا علیٰ اٰثارھم مقتدون (الزخرف ۲۳)

"ہم نے اپنے باپ دادا کو ایک طریقے پر پایا ہے اور ہم (قدم بقدم) انہی کے نشانات کی پیروی کررہے ہیں۔"

موجودہ امت بھی ان سے کسی طرح پیچھے نہیں۔ اپنے باپ دادا کی روش پر چلنے میں جس طرح وہ خود کو گمراہ نہ سمجھتے تھے اسی طرح یہ بھی اپنے آپ کو ہدایت ونجات یافتہ سمجھتے ہیں۔ اور اس طرح سے مخبر صادق ﷺ کی یہ پیشین گوئی حرف بحرف درست ثابت ہوتی ہے کہ:

لتتبعن سنن من کان قبلکم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتیٰ لو دخلوا جحر ضب تبعتموھم

(بخاری کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لتتبعن ۔۔۔)

"تم لوگ ضرور اپنے سے پہلے والوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ پیروی کروگے حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی جاؤ گے۔"

گزشتہ امتوں کی کون سی صفت ہے جو اس آخری امت میں نہیں پائی جاتی۔ قوم شعیب کی تجارت میں دھوکہ دہی، کم تولنا، ملاوٹ، ذخیرہ اندوزی؛ قوم لوط کا غیر فطری سدومی فعل؛ قوم عود کا عبث محلات اور یادگاریں تعمیر کرنا، زمین میں فساد پھیلانا، راہزنی کرنا؛ قوم صالح کا عالیشان مکانات بنانا، کھیتی اور تجارت میں غرق ہوکر آخرت سے غافل رہنا؛ قوم نوح کا اپنے اولیاء کو پوجنا، ان کی قبروں پر مزارات بنانا اور وہاں مراسم عبودیت بجالانا، دنیاوی لحاظ سے کمزوروں کو حقیر سمجھنا؛ قوم ابراہیم کی اصنام اور مظاہر پرستی کی طرح مقدس مقامات کی پوجا پاٹ، کفریہ شرکیہ افعال، ضلالات وبدعات؛ یہودیوں کا دین کو پیشہ بنانا، اللہ کی آیات کو بیچنا، اللہ کی آیات میں تحریف کرنا، رشوت خوری، پیسے لے کر احکام دین بدل دینا، حق کو چھپانا، دین میں فرقے بنانا؛ نصاریٰ کی رہبانیت، خانقاہیں، درگاہیں، عبادت گاہوں میں بدکاری، اپنے مشائخ کو رب بنا دینا، ان کے جائز کیے ہوئے کو جائز اور ناجائز کیے ہوئے کو ناجائز تسلیم کرنا، دین میں غلو کرنا، حق میں باطل کی آمیزش، وغیرہ وغیرہ تمام خرابیاں بدرجہ اتم پائی جاتی ہیں۔ اور ستم یہ کہ ہر فرقہ، مسلک، تنظیم وجماعت، حزب وگروہ، اور ہر مکتبہ فکر خود کو ہی نجات وفلاح یافتہ گردانتا ہے۔ ان کے زعم میں یہی وہ لوگ ہیں جن کے لئے نبی ﷺ نے لا یزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق (۱) فرمایا اور جن کی صفت ما انا علیہ واصحابی (۲) فرمائی۔ احقاق حق اور ابطال باطل کے لئے اس امت کے مختلف مسالک اور مکاتب فکر کے

(۱) میری امت میں ایک گروہ حق پر غالب رہے گا [illegible]

(۲) [illegible]

عقائد میں کفر وشرک کی آمیزش کی نشاندہی کی جاتی رہی ہے تاکہ

لِيَهْلِكَ مَنْ هَلَكَ عَنْ بَيِّنَةٍ وَيَحْيَىٰ مَنْ حَيَّ عَنْ بَيِّنَةٍ

(الانفال: ۴۲)

''جو مرے وہ حق جان کر مرے اور جو جیئے وہ حق جان کر جیئے۔''

اس مضمون میں آپ کے سامنے دو ایسے فرقوں کی حقیقت بیان کی جارہی ہے جو اپنے دعویٔ نجات وفلاح میں دوسروں کی نسبت شدید تر ہیں۔ کچھ فرقے اور مسلک تو نبی ﷺ اور خانوادۂ علی رضی اللہ عنہ کی جھوٹی محبت کے دعویدار ہیں تو کچھ اپنے اکابرین کی اتباع و پیروی کے۔ لیکن ان میں سے جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ اور اہلحدیثوں کا دعویٰ قرآن وحدیث کی پیروی کا ہے۔ آیئے قرآن وحدیث ہی کی روشنی میں ان کی تحریروں کی بنیاد پر ان کے دعووں کی سچائی کا جائزہ لیتے ہیں۔

جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ

اس تنظیم سے وابستہ افراد پنجاب میں ''اشاعتی'' اور ''مماتی'' اور صوبہ سرحد میں ''پنج پیری'' کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ انہی دو صوبوں میں ان کے پیروکار زیادہ پائے جاتے ہیں۔ اس تنظیم نے اپنا ایک تحریری دستور بنا رکھا ہے جس کی دفعات وشقات میں اس تنظیم کے اغراض ومقاصد، طریقہ کار وغیرہ وضاحت کے ساتھ بیان کردیئے گئے ہیں۔ دستور کی ابتداء میں سورۃ یوسف کی آیت ۴۰، النسآء: ۵۹، الاحزاب: ۴۰ اور البقرۃ: ۱۳۷ کو نمایاں طور پر لکھا گیا ہے جس سے یہ تاثر ملتا ہے کہ ان آیات کے مطابق یہ لوگ صرف اللہ کے حکم کو ہی حرف آخر سمجھتے ہیں، اسی کی بندگی کرتے ہیں، متنازعہ امور میں صرف قرآن وحدیث سے رجوع کرتے ہیں، محمد ﷺ کو آخری نبی سمجھتے ہیں اور صحابہؓ کے ایمان کو نمونہ ومثال مانتے ہیں۔ لیکن پہلی ہی دفعہ میں جماعت کا مسلک بیان کرتے ہوئے دوسری شق میں اصل حقیقت بیان کردیتے ہیں کہ مولوی حسین علی الوانی جو دیوبندی عالم رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے، کے مسلک سے تمسک ان کی جماعت کی شرط لازم ہے۔ اس طرح انہوں نے اپنے کئے ہوئے دعوے کی خود ہی تردید فرمادی۔ اگرچہ انہوں نے علمائے دیوبند کے متفقہ عقیدے ''قبر میں حیات النبی'' سے بظاہر اختلاف کیا ہے جس کی وجہ سے آج کے علماء دیوبند انہیں گمراہ قرار دیتے ہیں ✻ تاہم وہ خود کو دیوبندی مسلک کا پیرو ہی مانتے ہیں، دیوبندی مسلک کو ''حق'' گردانتے ہیں اور اسی کی ترویج و اشاعت کرتے ہیں۔ ان کی تحریریں وتقریریں اس پر شاہد ہیں۔ گجرات (جو اس تنظیم کا ہیڈ کوارٹر ہے) سے شائع ہونے والا ماہنامہ ''نغمۂ توحید'' اور سرگودھا سے چھپنے والا ماہنامہ ''گلستان'' اور ماہنامہ ''عارفین'' اس تنظیم کے داعی ومبلغ جرائد ہیں۔ نومبر ۱۹۹۴ء کے نغمۂ توحید میں رسالے کے مدیر اعلیٰ اور جمعیت کے اس وقت کے ناظم اعلیٰ ضیاء اللہ شاہ بخاری کی ایک تقریر شائع ہوئی جو انہوں نے پنج پیر صوبہ سرحد میں کی۔ اس تقریر میں انہوں نے فرمایا:

''تو جوانو! دیوبندیت کا قافلہ قافلۂ حق تھا۔'' (ص۔ ۳۲)

''لوگو سنو، آج اگر اشاعت التوحید والسنۃ نہ ہوتی تو دیوبندیت نام کی کوئی حقیقت نہ ہوتی لبادے چاہے جتنے ہوتے .... رنگ چاہے جتنے ہوتے .... حق نہ ہوتا .... جہاد نہ ہوتا .... اسلام نہ ہوتا .... مجھے کہنے دو .... مانو یا نو جیسے کل تک میں اللہ کے دین کی آبرو تھی، میرے محمد کی تحریک .... آج اس ملک میں دیوبندیت اور حق کی آبرو ہے اشاعت التوحید والسنۃ کا قافلہ۔'' (ص۔ ۳۳)

یہی شاہ صاحب اس سے پہلے جون ۱۹۹۴ء کے نغمۂ توحید میں جمعیت کے اس دیوبندی تعلق کو ان الفاظ میں بصراحت واضح کرچکے ہیں:

''رہ گئے بانیان دیوبند رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین، ان کی عقیدت تو ہم اپنے لئے باعث عزت وفخر سمجھتے ہیں۔ ان کی توہین کا تصور بھی ہم نہیں کرسکتے۔ اپنے زمانے کے قطب الارشاد حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ الف الف رحمۃ تو ہمارے لئے علاقائی مینارۂ نور ہیں۔ ہمارا مشن اور ہماری تفسیر قرآنی ان کے واسطے سے سید الانبیاء ﷺ تک پہنچتی ہے۔ اکابرین دیوبندی اشاعۃ التوحید والسنۃ کے علاقائی اکابر ہیں۔'' (ص۔ ۶)

جون ۱۹۹۷ء کے نغمۂ توحید میں اسی جماعت کے ایک دوسرے عہدیدار کی تقریر کے یہ الفاظ بھی ملاحظہ ہوں:

''......... جو مقام اسلام کی خادم دارالعلوم دیوبند کی واحد نمائندہ جماعت اشاعت التوحید والسنۃ کو حاصل ہے بفضل ایزدی وہ کسی اور تنظیم کو نصیب نہیں ہوا۔'' (ص۔ ۵۳)

بخاری صاحب نے دیوبندیوں کی ایک ذیلی تنظیم تبلیغی جماعت کے لئے لکھا:

''سن لو! آج تو جوان اکٹھے ہیں، دل کی بات کہنا چاہتا ہوں، کان کھول کر سنو .... تبلیغی جماعت کے چلوں میں ثواب ہے ....'' (نغمۂ توحید نومبر ۱۹۹۴ء، ص۔ ۳۲)

قرآن وحدیث کی خدمت کی دعویدار جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ جس فرقہ ومسلک سے تعلق پر نازاں وشاداں اور جس کی تعریف میں غلو کی حد تک رطب اللسان ہے، وہ وہی گروہ ہے جس کے قرآن وحدیث کے خلاف عقاید کی نشاندہی ہمارے لٹریچر میں کردی گئی ہے (ملاحظہ ہو: وفات النبیؐ، عذاب برزخ، اسلام یا مسلک پرستی)۔

✻ دارالعلوم کراچی کے چار مفتیوں کے دستخط سے جاری ہونے والے فتوے مورخہ ۲۹ ذیقعدہ ۱۴۱۳ھ میں اشاعت التوحید والسنۃ کے ''شیخ القرآن'' غلام اللہ کی تفسیر جواہر القرآن کی اشاعت اور مطالعہ کو ناجائز قرار دیتے ہوئے اسی قسم کے خیالات کا اظہار کیا گیا ہے۔ اشاعت التوحید کے محمد حسین نیلوی صاحب نے ''عقد العقیان فی عنق جواهر القرآن'' کے عنوان سے اس فتوے کا بڑی تختی سے جواب دیا جو جنوری ۱۹۹۳ء کے نغمۂ توحید میں شائع ہوا اور جواب اسی عنوان سے علیحدہ کتابی صورت میں دستیاب ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ اشاعتی بھی اپنے اسلاف دیوبندیوں کی طرح نبی ﷺ کو قبر میں زندہ ہی مانتے ہیں، جبھی تو لکھتے ہیں کہ

''اب بھی رسول اللہ ﷺ حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہؓ کے حجرہ مبارکہ میں تشریف فرما ہیں۔ اب بھی کسی کے لئے یہ گنجائش نہیں کہ حجرے سے باہر کھڑے ہو کر آوازیں دیئے لگے ....'' (نغمۂ توحید فروری مارچ ۱۹۹۶ء، صفحہ ۱۰)

''......... اس وقت مزاج اقدس پر ضعف اس قدر ہوگیا تھا کہ خود قدم مبارک سے چل کر حجرہ عائشہؓ تک تشریف نہیں لے جاسکے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ دونوں نے آپؐ کے بازو تھامے اور بڑی مشکل سے حجرہ صدیقہؓ میں رونق افروز ہوئے۔ اللہ کو یہی منظور تھا کہ قیامت تک یہیں ہی جلوہ افروز ہوں۔'' (نغمۂ توحید، اگست ۱۹۹۶ء، صفحہ ۴۸)

ان کے بالتفصیل اعادے کی ضرورت نہیں۔ تاہم ان عقائد کا ایک اجمالی خاکہ پیش کر دینا مناسب ہوگا تاکہ قارئین کے ذہن میں بات تازہ ہو جائے۔ اشاعتیوں کی ممدوح دیوبندی جماعت وہی گروہ ہے، جو نبی ﷺ کی قبر کو عرش و کرسی اور کعبۃ اللہ سے بھی افضل قرار دیتا ہے (۱)؛ دعاؤں میں مردہ ہستیوں سے توسل کرتا ہے (۲)؛ اللہ کے رسول ﷺ کو قبر میں زندہ، دیکھنے، سننے، سنانے، اعمال سے باخبر ہونے والا مانتا ہے (۳)؛ قبروں سے فیض پہنچنے کا اس کا عقیدہ ہے (۴)؛ نیک اعمال کر کے اس کا ثواب مردہ ہستیوں کو بخشنے کو یہ مانتے ہیں (۵)؛ غیر اللہ سے مدد مانگنا ان کے نزدیک جائز ہے جبکہ انہیں غیر مستقل سمجھے (۶)؛ عبدیت کی نسبت اللہ کے سوا بندوں سے کرنا ان کے نزدیک روا ہے (۷)؛ حرام سود کو حیلے سے یہ لوگ حلال کر لیتے ہیں (۸)؛ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اپنی آنکھوں سے دنیا ہی میں بحالت بیداری دیکھنے کے ان کے دعوے ہیں (۹)؛ قبر کو پکا کرنے اور اس پر گنبد وغیرہ بنانے کو جائز ٹھہراتے ہیں بلکہ قبر پرستی کا جواز فراہم کرنے والا گنبد خضراء ان کے نزدیک اللہ کی رحمت کا منبع ہے (۱۰)؛ قرآن و حدیث کے خلاف علیین و سجین ان کے نزدیک نیک و بد روحوں کے رہنے کی جگہیں ہیں (۱۱)؛ اللہ کے رسول ﷺ کی محبت میں غلو کرتے ہوئے نبی ﷺ کے خون اور پیشاب پاخانے کو یہ پاک سمجھتے ہیں (۱۲)؛ نبی ﷺ کی جوتی کو وسیلہ بناتے ہیں (۱۳)، ان کے نزدیک آدم علیہ السلام کی توبہ بھی نبی ﷺ کے وسیلے سے ہی قبول ہوئی (۱۴)؛ اس گروہ کے اکابرین ندا کے صیغے کے ساتھ کھڑے ہو کر نبی ﷺ پر صلوۃ وسلام پڑھنا جائز سمجھتے تھے (۱۵)؛ تعویذ لکھنا لکھانا، اس میں اثر ماننا ان کا متواتر و متوارث فعل ہے (۱۶)؛ کائنات کی تخلیق کی وجہ ان کے نزدیک نبی ﷺ کی ذات ہے (۱۷)؛ ان کے نزدیک نبی ﷺ کو اولین و آخرین سب کا علم تھا (۱۸)؛ اللہ کے رسول ﷺ کو نور یہ کہتے ہیں (۱۹)؛ تکمیل دین کے باوجود کسی مہدی کے آنے کے منتظر ہیں (۲۰)؛ دین کو تجارت انہوں نے بنایا ہوا ہے، تصوف کے بغیر دین کو نامکمل سمجھتے ہیں۔ غرض یہ گروہ بہت سی ایسی باتوں کا قائل و فاعل ہے، جو قرآن و حدیث کے خلاف ہیں۔ حیرت ہے کہ اشاعت التوحید والے قرآن و حدیث سے تمسک کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن خود کو ان لوگوں کا پیرو کہنے میں فخر محسوس کرتے ہیں جو قرآن و حدیث کے خلاف عقائد و اعمال کے حامل تھے۔

اور جس جماعت کے جلسوں میں ثواب کا یہ لوگ بہانگ دہل اعلان کر رہے ہیں، اس جماعت کے تبلیغی نصاب میں ایسی ایسی چیزیں شامل ہیں جو جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کے دستوری و مبلغ عقائد و اعمال کے خلاف ہیں مثلاً اولیاء اللہ کا نہ مرنا بلکہ ایک جگہ سے دوسری جگہ انتقال کر جانا (۲۱)؛ مرنے کے بعد بھی حواس قائم رہنا (۲۲)؛ بلکہ ان میں یک گونہ اضافہ ہو جانا (۲۳)؛ مرنے کے بعد بھی ملاقاتیں کرتے رہنا، رابطہ رکھنا، دعوتیں کرنا (۲۴)؛ غیب کی خبریں دینا (۲۵)؛ اولیاء کا غیب پر مطلع ہو جانا (۲۶)؛ نبی ﷺ کا غیب پر مطلع ہو جانا، بادل میں بیٹھ کر حاضر ہو جانا اور حامیہ متوفیہ کے جسم پر ہاتھ پھیر کر اس کی مشکل کشائی کرنا (۲۷)؛ کائنات کی تخلیق کا سبب نبی ﷺ کی ذات کو قرار دینا (۲۸)؛ قرآن کے ایک ظاہری اور ایک باطنی معنی ہونا (۲۹)؛ اولیاء کے پاس جنت کا حورین ہو کر تیس سال تک آتے رہنا اور ان کا ایک دفعہ بھی اس پر نظر نہ ڈالنا (۳۰)؛ نبی ﷺ کا اپنی قبر میں شاعر کا کلام سننا، سمجھنا اور اس کی درخواست پر ہاتھ باہر نکال کر اس سے مصافحہ کرنا (۳۱)؛ اپنی قبر میں سے سلام سن کر آدمی کو پہچان لینا اور پھر جواب بھی دینا (۳۲)؛ بھوکوں اور ضرورتمندوں کی فریاد سن کر اپنی قبر میں سے ہی ان کی دستگیری فرمانا اور اپنی سید اولاد میں سے کسی کو ان کی خدمت پر مامور کر دینا (۳۳)؛ فجر مکہ میں، ظہر مدینہ میں، عصر بیت المقدس میں، مغرب طور سینا پر اور عشاء سد سکندری پر پڑھنا (۳۴)؛ وغیرہ وغیرہ۔

بدعات سے اجتناب جمعیت کے دستور کی پہلی دفعہ میں شامل ہے۔ جمعیت کا نقیب رسالہ نعرۂ توحید اپنی تشہیر ان الفاظ میں کرتا ہے:

> ماہنامہ نعرۂ توحید گجرات کاروبار نہیں بلکہ ایک دعوت ہے
>
> ☆ توحید و سنت کی اشاعت کے لئے
>
> ☆ شرک و بدعات کے خاتمے کے لئے
>
> ☆ پیران "سیاہ کار" کو بے نقاب کرنے کے لئے
>
> ☆ اسلاف امت کے سنہری کارناموں کو منظر عام پر لانے کے لئے

(نعرۂ توحید جون ۱۹۹۲ء ص۔۵۶)

اس اشتہار کے پچھلے صفحے پر "بدعات صوفیاء کرام کی نظر میں" کی سرخی کے تحت آٹھ صوفیوں کے تیرہ اقوال بدعات کے رد میں تحریر کیے ہیں جن میں بدعتی کو سلام نہ کرنا،

---

(۱) المہند علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، ص۔۲۱۹ (۲) ایضاً صفحہ ۲۲۰ (۳) فضائل حج از زکریا کاندھلوی [illegible] اختلاف امت اور صراط مستقیم حصہ دوم ص۔۱۸۹/ تذکرۃ الخلیل ص۔۲۰۰ تفسیر عثمانی، حاشیہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۳۳ (۴) المہند علمائے دیوبند ص۔۲۲۷ (۵) تفسیر عثمانی، حاشیہ سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶ (۶) تفسیر عثمانی، حاشیہ سورۃ الفاتحہ آیت ۲ (۷) امداد المشتاق از اشرف علی تھانوی ص۔۹۳ (۸) آپ کے مسائل اور ان کا حل از یوسف لدھیانوی، روزنامہ جنگ، یکم مئی ۱۹۹۲ء وغیرہ (۹) فضائل اعمال [illegible] (۱۰) جامعہ خیر المدارس ملتان [illegible] ۱۹۹۱ء ص۔۳۰ (۱۱) معارف القرآن از مفتی شفیع عثمانی تفسیر سورۃ تطفیف، آیات ۲۱ [illegible] (۱۲) [illegible] (۱۳) [illegible] اشرف علی تھانوی [illegible] (۱۴) فضائل ذکر ص۔۱۱۱ (۱۵) [illegible] کلیات امدادیہ [illegible] ص۔۸۲ (۱۶) اعمال قرآنی از اشرف علی تھانوی [illegible] (۱۷) فضائل ذکر ص۔۱۱۱ (۱۸) المہند علمائے دیوبند ص۔۲۳۹ (۱۹) نشر الطیب از اشرف علی تھانوی، ص۔۵، ۶ (۲۰) آپ کے مسائل اور ان کا حل روزنامہ جنگ کراچی ۲۴ اپریل ۱۹۹۲ء، نیز تذکرۃ الرشید [illegible] ص۔۳۵۱ (۲۱) فضائل صدقات ص۔۲۲۰ تا ۲۲۹ (۲۲) ایضاً (۲۳) ایضاً (۲۴) ایضاً ص۔۲۲۱ (۲۵) ایضاً ص۔۱۱۹ (۲۶) ایضاً (۲۷) فضائل درود ص۔۱۱۲، ۱۱۷ (۲۸) فضائل ذکر ص۔۱۱۱ (۲۹) فضائل قرآن ص۔۱۸ (۳۰) فضائل صدقات ص۔۶۵۷، ۶۵۸ (۳۱) فضائل حج ص۔۱۶۶، ۱۶۷ (۳۲) فضائل حج ص۔۱۶۷ (۳۳) فضائل حج، ص۔۱۷۲، ۱۷۳ (۳۴) فضائل حج ص۔۲۷۹

اس کا جنازہ نہ پڑھنا، اس کو دشمن، جھوٹا، ذلیل سمجھنا، اس سے دوستی رکھنے پر اعمال کا ضائع ہونا اور ہمیشہ اللہ کے غضب کا شکار رہنا وغیرہ شامل ہیں۔ ✿ لیکن حیرت ہے کہ جمعیت ان ہی لوگوں کو اپنا اکابر سمجھتی ہے اور ان سے تعلق پر ناز کرتی ہے جن کے اعمال بدعات سے بھی آلودہ ہیں۔ اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں:

کسی صحیح روایت سے یہ ثابت نہیں کہ نبی ﷺ اور صحابہ کرام فرض صلوۃ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی یا انفرادی دعا کرتے ہوں۔ لیکن دیوبندی مسلک اور ان سے تعلق پر نازاں اشاعت التوحید والسنہ والوں کی مساجد میں ہر فرض صلوۃ کے بعد امام اور مقتدی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرتے ہیں۔ خیر القرون میں علمائے دین کے لئے کبھی بھی لفظ "مولانا" استعمال نہیں ہوا۔ آج کے عرب ممالک میں بھی یہی رواج ہے۔ لیکن تمام دیوبندی اور ان کے تعلق دار اشاعتی اس لفظ کا لازمی استعمال کرتے ہیں بلکہ اس کے بغیر علماء کو خطاب کرنا سوء ادب سمجھتے ہیں۔ مولوی طیب پنج پیری تو قرآن وحدیث کے کسی حوالے کے بغیر یہاں تک فرماتے ہیں کہ

"ہم ہر اس شخص کو مولانا کہنے اور سمجھنے لگتے ہیں جس کے چہرے پر داڑھی اور سر پر پگڑی ہو حالانکہ وہ "مولانا" نہیں ہوتا۔ مولانا وہ ہوتا ہے جس نے اپنی تصانیف قلم بند کی ہوں، جس نے باقاعدہ درس دیا ہو، جس کے شاگرد ہوں..........."

(نخلہ توحید، اکتوبر ۱۹۹۶ء ص۔۲۱)

صحیح احادیث میں عورت مرد دونوں کے لئے نبی ﷺ کا ایک ہی حکم ہے کہ

صَلُّوْا كَمَا رَأَيْتُمُوْنِيْ أُصَلِّيْ

"صلوۃ اس طرح ادا کرو جس طرح مجھے ادا کرتے دیکھتے ہو۔" (۳۵)

یعنی عورت مرد دونوں ایک ہی طریقے سے صلوۃ ادا کریں۔ لیکن ضعیف روایات کی بنیاد پر یہ مسلک پرست عورت کی صلوۃ کا طریقہ مردوں سے مختلف بیان کرتے ہیں۔ خیر القرون میں مُردوں کو ثواب ایصال کرنے کے لئے قرآن خوانی کا رواج نہ تھا۔ لیکن دیوبندی مساجد میں کسی کے مرنے پر قرآن خوانی کر کے میت کو ثواب ایصال کیا جاتا ہے۔ (۳۶) خیر القرون و مابعد میں قبروں پر کتبے نہیں لگائے جاتے تھے۔ دیوبندیوں میں اس کا رواج عام ہے۔ ان کے علماء و مفتیوں کی قبریں تک ان کتبوں سے خالی نہیں۔ کیا یہ سارے کام بدعات کے زمرے میں نہیں آتے؟ ان کی اپنی پیش کردہ حدیث کے مطابق نبی ﷺ نے تو بدعتی کی تعظیم سے منع فرمایا (۳۷)، بدعی عمل کو مردود (۳۸)، گمراہی (۳۹) اور جہنم کی آگ کا سبب قرار دیا (۴۰) اور آخرت میں نبی علیہ السلام ان کو خود سے دور کر دینے کا حکم دیں گے۔ (۴۱) ایسے بدعتی لوگوں کے ساتھ تعلق اور اس پر فخر کرنا کون سی کتاب وسنت کی تعلیم ہے؟ یہ کون سی "اشاعت السنۃ" ہے؟ یہ بدعات کا خاتمہ ہے یا ان کا احیاء و ترویج؟

✿ جمعیت کے حقوق سربراہ عنایت اللہ بخاری صاحب نے تو بدعتی کو دائرہ اسلام سے خارج قرار دیا ہے۔ (مجموعہ بدعات مطبوعہ المکتبۃ الحسینیۃ، سرگودھا ص۔۹) (۳۵) بخاری: کتاب الاذان، باب الاذان للمسافر (۳۶) بہشتی زیور، وغیرہ (۳۷) بیہقی بحوالہ مشکوٰۃ، باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ (۳۸) متفق علیہ، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الاعتصام (۳۹) مسلم، بحوالہ مشکوٰۃ، کتاب الاعتصام (۴۰) نسائی: کتاب صلوۃ العیدین، باب کیف الخطبۃ (۴۱) بخاری: کتاب الفتن کی پہلی تین احادیث

جب یہ لوگ اپنی زبان سے کہتے ہیں کہ ہم دیوبندی مسلک کے پیرو ہیں (ان کی مساجد تک پر لکھا ہوتا ہے "مسلک دیوبند") تو پھر انہیں "اشاعۃ التوحید والسنۃ" کا لیبل لگانے کی کیا ضرورت تھی؟ ان کے اور دیوبندیوں کے عقائد میں بھی یکسانیت پائی جاتی ہے (فرق صرف نام کا ہے: یہ لوگ توحید وسنت کا نام دے کر دھوکہ دیتے ہیں جبکہ وہ لوگ دیوبندی جیسی علاقائی نسبت استعمال کرتے ہیں) مثلاً

☆ دیوبندیوں کی طرح یہ بھی نبی ﷺ کو قبر میں زندہ مانتے ہیں (۱)

☆ دیوبندیوں کی طرح ان کا بھی عقیدہ ہے کہ انبیاء کے جسم کو مٹی نہیں کھاتی۔ اپنے اکابرین کے عقائد کی حمایت میں لکھتے ہیں کہ

"........مٹی پر حرام کر دیا گیا ہے اجساد انبیاء کو کھانا، ایسے ہی آگ پر حرام کر دیا گیا ہے اجساد انبیاء کو جلانا، ایسے ہی مچھلیوں پر حرام کر دیا گیا ہے اجساد انبیاء کو کھانا........" (۲)

☆ جو بات "عقائد علمائے دیوبند" میں بیان کی گئی ہے، یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ "آپ کے جسد اطہر سے لگی ہوئی مٹی باتفاق علماء عرش بریں سے افضل ہے۔" (۳)

☆ المہند میں دیوبندی علماء لکھتے ہیں کہ ہمارے نزدیک دعاؤں میں بزرگوں کا توسل جائز ہے، ان کی زندگی میں بھی اور مرنے کے بعد بھی ص۔۳۰۔ اسی طرح یہ اشاعتی بھی کہتے ہیں کہ

"........بحرمت فلاں دعا مانگنے میں کوئی کلام نہیں۔ یہ سب کے نزدیک جائز ہے۔" ✿

(تفسیر جواہر القرآن از غلام اللہ خان، تفسیر سورہ بنی اسرائیل آیت ۵۷، ص ۱۲۰)

یہی خانصاحب اپنی دوسری کتاب "جواہر التوحید" میں عبدالقادر جیلانی کے قول "ان وقعت فی شدۃ فنادنی فانها تکشف عنک (اگر کسی تنگی میں گھر جائے تو مجھے پکارو، وہ تنگی دور ہو جائے گی)" کے بارے میں فرماتے ہیں کہ بعض راویوں نے اپنے فہم کے مطابق روایت بالمعنی کر کے "فنادنی" کہہ دیا ورنہ درست "فنادبی" ہے یعنی میری حرمت سے اللہ کو پکارو۔ (۴) اس طرح خانصاحب نے عبدالقادر جیلانی کے وسیلے سے دعا کرنے کو جائز قرار دیا۔

صریح کلمہ کفر کو جائز و مباح ٹھہرانے کا اسی طرح کا تاویلی حیلہ خانصاحب کے پیر الوانی صاحب نے بھی کیا جب انہوں نے اپنی املائی تفسیر میں فرمایا:

"و حل مشکلی از حق تعالی طلب نمودن بتوجه بزرگان بجا است و عین رضا است الی ان قال بدان ای برادر گفتن یارسول اللہ یا علی تعشق و توسل خارج از محبت است الی ان قال نواب صدیق حسن خان گفته

ع شیخ سنت مددی قاضی شوکان مددی

بمعنی دعا باشد چنانچه در هندی گویند بالا مدد حوث پیر جیلانی۔ (بلغۃ الحیران ۳۵۳)

(۱) نخلہ توحید، اگست ۱۹۹۶ء، سال ۳۸ (فروری و مارچ ۱۹۹۵ء، صفحہ ۱۰) (۲) عقائد علمائے دیوبند اور مسئلہ حیات الانبیاء مطبوعہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ، کراچی زون، صفحہ ۹ (۳) جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ کا تعارف اور اس کی دعوت، مطبوعہ جمعیت اشاعۃ التوحید والسنۃ، کراچی اویژن، صفحہ ۶ ✿ جاننے یہ "سب" کون لوگ ہیں۔ جس فقہ کی پیروی کا یہ دعویٰ کرتے ہیں اس کے امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد تینوں نے اس طرح وسیلہ پکڑنے کو ناجائز اور حرام بتایا ہے جیسا کہ ہدایہ، فتح القدیر اور قدوری وغیرہ میں ہے۔ تفصیل ہمارے کتابچے "وسیلے کا شرک" میں دیکھئے۔ (۴) جواہر التوحید مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ راولپنڈی ص۔۳۵

"کسی مشکل کا حل اللہ تعالیٰ سے بزرگوں کے توسل سے طلب کرنا بجا اور عین رضا ہے (پھر آگے فرمایا) اے بھائی تو جان لے کہ یا رسول اللہ بطور محبت اور توسل کے کہنا اختلافی بحث سے خارج ہے (کیونکہ وہ جائز ہے)۔ پھر آگے فرمایا کہ اسی توسل اور محبت کے طور پر ہے جو نواب صدیق حسن خان نے فرمایا کہ

اے سنت کے شیخ مدد کر اور اے قاضی شوکانی مدد کر

جو شخص (علیہ) سے فرمایا ہے۔ جیسا کہ پنجابی میں لوگ کہتے ہیں

شاہ مدد اے سید جیلانی "(۱)

☆ جس طرح دیوبندیوں کا عقیدہ ہے کہ سجین بد روحوں کا اور علیین نیک روحوں کا مسکن ہے، اسی طرح یہ بھی کہتے ہیں کہ

"علیین اور سجین دو ایسے مقام ہیں جو قبروں کے پاس نہیں ہیں بلکہ ان سے بہت دور ہیں ..." (۲)

☆ جس طرح دیوبندی اپنے خوابوں میں نبی ﷺ اور دوسرے فوت شدہ بزرگوں کی زیارت کرتے رہتے ہیں تو اس معاملے میں بھی اشاعتی ان سے پیچھے نہیں۔ جمعیت کے بانی حسین علی صاحب نے نبی ﷺ اور تمام انبیاء علیہم السلام کو دیکھا (۳)۔ جمعیت کے سربراہ طاہر پنج پیری صاحب نے ابراہیم و موسیٰ علیہما السلام اور نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا (۴)۔ غلام اللہ خان صاحب نے اپنی کتاب جواہر التوحید میں لکھا کہ خلیفہ منصور نے ملک الموت کو خواب میں دیکھا اور اس سے اپنی بقیہ عمر دریافت کی۔ (ص ۳۲)

☆ دیوبندیوں کی طرح ان اشاعتیوں نے بھی دین کو ذریعہ معاش بنا رکھا ہے۔ امامت، اذان، تعلیم قرآن، نکاح خوانی، وغیرہ دینی امور پر اجرت و معاوضہ بلا خوف و خطر وصول کرتے ہیں۔ بلکہ اس کو دین کی خدمت بھی سمجھتے ہیں گویا:

ع رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت نہ گئی

اشاعتیوں کے مفتی نیلوی صاحب کا تو یہ وطیرہ بن گیا ہے کہ جہاں ان کے مسلکی عقیدہ و عمل کے خلاف کوئی تحریر سامنے آئی وہیں ان کا قلم فوراً حرکت میں آ گیا۔ چنانچہ کچھ عرصہ قبل قرآن و حدیث کے دلائل سے مزین ایک کتابچہ "دین داری یا دکانداری" کے عنوان سے لکھا گیا تھا جس میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے فرمان کی روشنی میں دین کو کھانے کمانے کا ذریعہ بنانے کی ممانعت بیان کی گئی تھی۔ موصوف نے مولویانہ انداز میں اس کتاب کا رد لکھ کر اپنے ہم پیشہ لوگوں کو دلاسہ دیا ہے کہ فکر کرنے کی ضرورت نہیں، دین کی کمائی کھانا ہرگز ممنوع نہیں بلکہ کارِ ثواب ہے! فکلوا منہا حیث شئتم رغدا

☆ دیوبندیوں کا یہ عقیدہ ہے کہ امت کے اعمال صبح شام نبی ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ اسی طرح عرض اعمال کا ان کا بھی عقیدہ ہے۔ غلام اللہ خان صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے متعلق علم الغیب کے عقیدے کو رد کرتے ہوئے فتویٰ نقل کیا کہ

"جب انبیاء علیہم الصلوٰۃ کو علم غیب نہیں تو یا رسول اللہ کہنا بھی ناجائز ہوگا۔ اگر یہ عقیدہ کر کے کہے کہ وہ دور سے سنتے ہیں بسبب علم غیب کے تو وہ خود کفر ہے۔ اور جو یہ عقیدہ نہیں تو کفر نہیں مگر کلمہ مشابہ کفر ہے۔ البتہ اگر اس کلمے کو درود شریف کے ضمن میں کہے اور یہ عقیدہ کرے کہ ملائک اس درود شریف کو آپ کے پیش عرض کرتے ہیں تو درست ہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ ملائکہ درود بندہ مومن کا آپ کی خدمت میں عرض کرتے ہیں اور ایک صنف ملائک اسی خدمت پر ہیں۔" (۵)

لیکن حیرت ہے کہ عقائد و اعمال کی اس یکسانیت کے باوجود اشاعتی لوگ آج کے دیوبندیوں کو گمراہ لیکن سابقین کو ہدایت یافتہ سمجھتے ہیں جیسا کہ ضیاء اللہ صاحب نے اپنی تقریر میں واضح فرمایا:

"نوجوانو! دیوبندیت کا قافلہ قافلہ حق تھا لیکن آج کے دیوبندی دیوبندیت کی پیشانی پر بدنما داغ بن چکے ہیں ...... آج کل کے دیوبندی دیوبندیت کے لئے گالی بن چکے ہیں ...... آج کل کے دیوبندی دیوبندیت کی عزت مٹانے پر تلے ہوئے ہیں ...... آج کل کے دیوبندی اس قابل نہیں کہ انہیں دیوبندی کہا جائے ...... نوجوانو! کان کھول کر سنو! اشاعت التوحید والسنۃ کا قافلہ اس ملک میں دیوبندی آبرو کو سنبھال کر چل رہا ہے ...... میں خدا کو گواہ بنا کر کہتا ہوں ...... اگر اس ملک میں اشاعت التوحید والسنۃ کے یہ بزرگ مجاہد نہ ہوتے ...... دین کا صاف اور سچا کام نہ کرتے تو آج دیوبندیت کے پلے کچھ نہ رہتا، کچھ نہ رہتا، کچھ نہ رہتا۔" (۶)

اور مولوی طاہر پنج پیری صاحب نے آج کے دیوبندیوں پر تنقید کرتے ہوئے فرمایا:

"اکابرین دیوبند رحمہم اللہ نے جن چیزوں کو بدعات فرمایا مثلاً تیجے، دسواں، اسقاط، عرس اور مولود، تخصیص ایام، وغیرہ دیکھی تمام نہاد دیوبندی ان بدعات کی سرپرستی کرتے ہیں اور ان کی نشر و اشاعت میں مصروف ہیں۔" (۷)

---

(۱) بحوالہ تسکین الصدور از سرفراز صفدر مطبوعہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ ص ۳۰۲ (۲) تفسیر جواہر القرآن سورۃ الروم آیت ۵۳ صفحہ ۹۰۲ (۳) بلغۃ الحیران۔ تفصیل آگے آ رہی ہے (۴) یہ واقعہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے۔ ان کے مرید مولوی بادشاہ خان فرماتے ہیں:

"حضرت مرشدی و مرشد العلماء جب مبتدعین کی لڑائیوں اور بدعتوں اور افتراؤں سے تنگ ہو گئے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور انہوں نے فرمایا کہ "تقریر کرو" تو آنجناب نے ایک صاف میدان (جس میں ہزاروں لوگ موجود تھے) کو اختیار کیا اور پھر ... تقریر شروع کی تو چار آدمی کھڑے ہو کر آنجناب کو روکنے لگے کہ تقریر نہ کرو۔ ... حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا: عاد قوم ... و ثمود ... ۔ اور تقریر کرنے کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نہایت خوش ہوئے اور فرمانے لگے کہ یہی ہمارا کام ہے اگر تم ... جاری رکھو۔ (انتھی مختصر) (تسکین الخواطر فی کرامات مرشدی مولانا محمد طاہر از خان بادشاہ، مطبوعہ ادارہ التوحید والسنۃ ... گوجرانوالہ صفحہ ۳۶، ۳۷)

حضرات! آج میں آپ کو ایک اور حقیقت بالصراحت ایک واقعہ ... سناتا ہوں۔ ایک واقعہ کا ذکر ہے کہ حضرت سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ پل صراط پر جا رہے تھے تو مرشدی و مرشد العلماء نے یہ خیال کیا کہ سید المرسلین کا دامن پکڑ کر آپ ﷺ کے ساتھ پل صراط پر گزر جاؤں تو ایک دیکھا کہ سید المرسلین کے ہمراہ پار چلے گئے۔ تو جب مرشدی نے اوپر دیکھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام ... سے بات چیت کرتے ہوئے ہاتھ ہلاتے ہوئے تشریف لا رہے ہیں۔ پھر حضرت سید المرسلین خاتم النبیین ﷺ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور چند صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین اور شیخ القرآن صاحب مرشدی بھی تمام ایک جگہ بیٹھ گئے اور مرشد العلماء نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ ..." (ایضاً صفحہ ۳۸)

(۵) جواہر التوحید ص ۲۹۱ (۶) نغمۂ توحید نومبر ۱۹۹۳ء ص ۳۲ (۷) نغمۂ توحید مارچ ۱۹۹۳ء ص ۲۶

لیکن لطیفہ یہ ہے کہ آج کے دیوبندی جن کفریہ شرکیہ عقائد کو اختیار کئے ہوئے ہیں، وہ آج کی پیداوار نہیں بلکہ انہی "سابقون الاولون" کے عطا کردہ ہیں جن کو یہ اشاعتی "حق" پر کہتے ہیں۔ دیوبندی مسلک کے عقائد جن پر اس مسلک کے تمام لوگوں کا اتفاق ہے، ان کی مشہور کتاب "المہند علی المفند" میں بصراحت بیان کردئے گئے ہیں۔ یہ وہ کتاب ہے جو رضا خان بریلوی کی کتاب "حسام الحرمین" کے جواب میں لکھی گئی جس میں فاضل بریلوی کے علمائے دیوبند سے منسوب کردہ عقائد کی تردید کرتے ہوئے اپنے عقائد واضح کئے گئے۔ کتاب کے مصنف مولوی خلیل احمد سہارنپوری ہیں جو رشید احمد گنگوہی کے شاگرد تھے، جن کو اشاعت التوحید والے اپنا مقتدا مانتے ہیں جیسا کہ ان کے دستوری حوالے میں ذکر ہوا۔ اس کتاب میں مذکور عقائد کی تصدیق اس وقت کے درج ذیل دو درجن علماء نے کی:

محمود حسن، میر احمد حسن، عزیز الرحمٰن، اشرف علی تھانوی، شاہ عبدالرحیم رائپوری خادم گنگوہی، محمد حسن، قدرت اللہ، حبیب الرحمٰن، محمد احمد، غلام رسول، محمد افضل سہول، عبدالصمد بجنوری، محمد اسحٰق سہوری، ریاض الدین، مفتی کفایت اللہ، محمد قاسم، ضیاء الحق، محمد عاشق الٰہی میرٹھی، محمد مصطفیٰ بجنوری، محمد مسعود احمد بن رشید احمد گنگوہی، محمد یحیٰی سہرامی، کفایت اللہ (عقائد علمائے دیوبند)

یہ چوبیس علماء کوئی مجہول وغیر معروف قسم کے "دور کعتی مُلا" نہ تھے۔ ان کے مقام و مرتبے کا اندازہ ان کے ناموں کے ساتھ استعمال کئے جانے والے القابات سے کیا جاسکتا ہے جو اس کتاب کے اردو ترجمے میں لکھے گئے ہیں:

قدوة العارفين زبدة المحدثين...... سيد العلماء صفوة الصلحاء...... عمدة الفقهاء واسوة الاصفياء...... طبيب الملة حكيم الامة حضرت مولانا الحاج الحافظ...... شيخ الاتقياء و سند الابرار...... رئيس الحكماء امام الفضلاء...... جامع الكمال صادق الاحوال...... بقية السلف قدوة الخلف...... حاوى الفروع والاصول جامع المعقول والمنقول...... شمس فلك الشريعة البيضاء و بدرالسماء لطريقة الغراء...... ذروة سنام الدين و عروة الحبل المتين...... ربيع رياض الاسلام مقتدائے انام...... جامع العلوم النقلية والفنون العقلية...... ذوالفضل والفضائل عمدة الاقران والاماثل...... ذوالمجد الفاخر والعلم الذاخر والفهم الباهر والراشد الزاهر...... معدن معاظم الاشفاق و مخزن محاسن الاخلاق...... عين الانسان الكامل و انسان عيون الافاضل...... منطقة بروج الفضائل مطرح انظار الساوة والافاضل...... ناشر العلوم العربية و ماہر الفنون الادبية......

کیا ان مبالغہ آمیز القابات کے حامل "معزز علماء کرام" کی صدقہ بات ایسی ہو سکتی ہے کہ اسے "آج کے دیوبندی" کہہ کر کوئی اشاعتی نظر انداز کر دے۔ مزید تائید کے لئے قارئین ایک نظر ان کے لئے استعمال کئے جانے والے دعائیہ کلمات پر بھی ڈال لیں جس سے ان کی "صداقت" مزید دو چند ہو جاتی ہے۔ مترجم کتاب ان کے لئے کہتا ہے:

دامت فضائلهم ، قدس الله سره ، مدت بركاتهم ، دام الله فيوضهم ، عمت مكارمهم ، زيدت محاسنهم ، بورك فى احواله ، انار الله برهانه ، طاب الله ثراه ، اطال الله بقاه ، زيد فضله العميم ، كثر الله امثاله ، نصر الله يمنه ، ايدالله بروح القدس

لیکن ہٹ دھرمی اور دورخی دیکھئے کہ ایک طرف تو ان "سابقون الاولون" علمائے دیوبند کو "قافلۂ حق" گردانا جاتا ہے اور ان سے تعلق پر فخر کیا جاتا ہے جبکہ انہی کے مصدقہ عقائد سے تمسک کرنیوالے دیوبندیوں کو "دیوبندیت کی پیشانی پر بدنما داغ" اور "گالی......" وغیرہ کہا جاتا ہے۔ اس کتاب المہند میں مذکور عقائد کی تصدیق کرنے والے ایک عالم اشرف علی تھانوی صاحب جن کے کارناموں کا ہر دیوبندی معترف ہوتا ہے، کے متعلق عنایت اللہ بخاری صاحب کہتے ہیں کہ انہوں نے دوسرے علماء کے علم و عمل پر اعتماد کرتے ہوئے تائیدی دستخط کئے ورنہ ان کے اپنے یہ عقائد نہ تھے(۱)۔ حالانکہ انہوں نے صرف "تائیدی دستخط" نہیں کئے بلکہ ساتھ ہی یہ بھی لکھا کہ:

"نقربه و نعتقده ولكل امرالمفترين الى الله و انا اشرف على التهانوى الحنفى الجشتى ختم الله تعالىٰ له بالخير

"میں اس کا مقر اور معتقد ہوں اور افتراء کرنے والوں کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے حوالے کرتا ہوں۔ میں اشرف علی تھانوی حنفی چشتی، اللہ تعالیٰ خاتمہ بخیر فرمائے۔"(۲)

اور حقیقت یہ ہے کہ تھانوی صاحب نے جن عقائد کی تصدیق کی، خود ان کے بھی یہی عقائد تھے۔ ان کی اپنی تحریریں اس پر گواہ ہیں۔ انہوں نے اپنی کتاب "امداد المشتاق" میں اپنے پیر امداد اللہ مہاجر مکی کی معین الدین چشتی اجمیری اور "حکایات اولیاء" میں شاہ ولی اللہ کی رسول اللہ ﷺ کے ہاتھوں استعانت کے واقعات نقل کرکے ثابت کیا ہے کہ مردہ ہستیاں اپنے متعلقین کے حالات سے پوری طرح باخبر ہوتی ہیں اور دنیا میں آکر ان کی دستگیری بھی کرتی ہیں۔ ان کی اس کتاب "حکایات اولیاء" میں تو ایسے ایسے واقعات ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ مردہ سنتا ہے، دیکھتا ہے، بولتا ہے، کام کرتا ہے وغیرہ وغیرہ۔

تھانوی صاحب کی تصدیق کے متعلق تو پیر بخاری صاحب نے یہ خامہ فرسائی کی کہ انہوں نے دوسرے علماء کے علم و عمل پر اعتماد کرتے ہوئے تائیدی دستخط کئے (حالانکہ حقیقت میں ایسا نہ تھا جیسا کہ ابھی ثابت کیا گیا)، المہند پر تصدیق کرنے والے ایک دوسرے عالم نے کسی دوسرے کے علم و عمل پر اعتماد نہیں کیا کیونکہ وہ "مفتی اعظم ہند" تھے بلکہ انہوں نے اچھی طرح پڑھ سمجھ کر دستخط کئے اور درج ذیل نوٹ لکھ کر اس بات

(۱) نقوش توحید، جون ۱۹۹۲ء، ص ۱۲-۱۳ (۲) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، ص ۲۴۳

کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ بعد میں کوئی انہیں "اہل حق" گردانتے والا معتقد ان عقائد سے ان کو بری الذمہ قرار دینے کی کوشش نہ کرے۔

"رایت الاجوبة کلها فوجدتها حقة صریحة لا یحوم حول سرادقاتها شك و لا ریب۔ وهو معتقدی و معتقد مشائخی رحمهم الله تعالیٰ۔ وانا العبد الضعیف الراجی رحمة مولاه الموعود بکفایت الله الشاهجهانفوری الحنفی المدرس فی المدرسة الامینیة الدهلویة"

"میں نے تمام جوابات دیکھے، پس سب کو ایسا حق و صریح پایا کہ اس کے اردگرد بھی شک و ریب نہیں گھوم سکتا اور یہی میرا عقیدہ ہے اور میرے شیخ رحمہم اللہ کا عقیدہ ہے۔ میں ہوں بندہ ضعیف امیدوار رحمت خداوندی محمد کفایت اللہ شاہجہانپوری حنفی مدرس مدرسہ امینیہ دہلی۔"(۱)

یہ وہی مفتی کفایت اللہ ہیں جن کیلئے ان کے شاگرد خاص، اشاعت التوحید والسنہ کے "شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ مولانا سید محمد حسین شاہ صاحب نیلوی" لکھتے ہیں:

"حضرت مفتی اعظم ہند استاذی المکرم الشیخ المفخم سیدی و سندی محمد کفایت الله دہلوی رحمة الله تعالیٰ علیه رحمة واسعة وافرة کاملة" (۲)

"حضرت شیخ المشائخ نعمان الوقت فقیه النفس المحقق الدقق رئیس المحدثین والمفسرین ماهر المعقول والمنقول استاذی و مولائی ؒ العلامة الفهامة القمقام الطمطام الهمام العریف الغطریف النقاد الکامل و مفتی اعظم هند محمد کفایة الله علیه رحمة الله" (۳)

جن صاحب کو نیلوی صاحب اپنی "سند" قرار دے رہے ہیں وہ بقلم خود فرماتے ہیں کہ نہ صرف میرے بلکہ مجھ سے پہلے گذرنے والے سارے علمائے دیوبند کے بغیر کسی شک شبہ کے یہی عقائد تھے جو اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔ کیا اس "سند" کی خود اپنی سند پر ان لوگوں کیلئے یہ تسلیم کر لینا کافی نہیں کہ المہند میں بیان کردہ تمام عقائد بلا استثناء، تمام علمائے دیوبند کے متفقہ عقائد ہیں جن کو آج کے دیوبندی بھی مانتے ہیں۔ تو ایک ہی عقیدہ رکھنے پر پہلے والے "اہل حق" اور بعد والے "گمراہ، بدنما داغ، گالی" کیسے بن گئے! اشاعتی اور دیوبندی دونوں فقہ حنفی کے پیرو ہیں۔ فقہی موشگافیاں کرنے والوں کے نزدیک ایک متفقہ اصول ہے کہ اشتراک علت کے سبب حکم بھی مشترک ہوگا۔ اگر باطل عقائد کے سبب آج کے دیوبندی گمراہ ہیں، حق سے دور ہیں، بھٹکے ہوئے ہیں، تو یہی عقائد رکھنے کی بناء پر ان کے سابقین بھی اس اصول کی رو سے کیا گمراہ نہیں ٹھہریں گے؟

اپنے اکابرین کے لئے مندرجہ بالا قسم کے مبالغہ آمیز خطابات کا استعمال ان اشاعتیوں کی اکابر پرستانہ ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔ ان کے جلسوں کے اشتہارات، ان جلسوں میں کسی خطیب کی آمد پر اس کے تعارف کے لئے استعمال کئے جانے والے الفاظ اور سب سے بڑھ کر ان کی تحریریں اس بات کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ اپنے بانی جماعت کو یہ کہیں "مجدد مائته حاضرة" کہتے ہیں (۴)، کہیں "قدوة المحدثین، زبدة العارفین، مجدد دوران........" کہتے ہیں (۵)، کہیں "امام الموحدین" کہتے ہیں (۶)، تو کہیں ان کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

"بانی جماعت اشاعة التوحید و السنة رئیس المفسرین، سندالمحدثین، قدوة الفقهاء، سلطان العارفین، الامام العلامة، حضرت مولانا حسین علی الوانی رحمة الله رحمة واسعة" (۷)

احادیث کا مطالعہ کریں تو یہ چیز مفقود نظر آتی ہے۔ بلکہ نبی ﷺ نے تو خود اپنی تعریف میں بھی کسی قسم کے مبالغے سے منع فرمایا ہے (۸)۔ چنانچہ خیر القرون میں نہ نبی ﷺ کے لئے صحابہ کرام نے مبالغہ آمیز القابات استعمال کئے، نہ تابعین نے اپنے اکابرین صحابہ کیلئے اور نہ ہی تبع تابعین نے اپنے اکابر تابعین کے لئے۔ اس طرح کا انداز اپنا کر "اشاعۃ التوحید والسنۃ" والے نہ جانے کس کی "سنت" کی اشاعت کر رہے ہیں؟

جن صاحب کے لئے یہ طول طویل القابات کا طومار باندھا جاتا ہے، ذرا ان کے کمالات تو ملاحظہ فرمایئے۔ مولوی الوانی اپنی کتاب "بلغة الحیران" میں لکھتے ہیں:

"**مبشرات** رائیت سیدی محمدؐ عثمان اعطانی تفسیر القرآن صغیر الحجم فقلت أ هو تفسیر جمیع القرآن قال نعم و رائیت انی أعطیتُ التفسیر من الرب تعالیٰ و رائیت انه علیه الصلوة والسلام اخذنی فی حجره و ادخل لسانه المبارك فی فمی و القیٰ لعابه فی فمی و رائیت ان علیاً رضی الله تعالیٰ عنه یامرنی بتصنیف تفسیر القرآن و رائیت ان الله ..... تبارك و تعالیٰ یقول لی غفرت لك و لمن اتبعك رائیت ان رسول الله ﷺ عانقنی و ذهب بی فی معانقته علی الصراط ای پل صراط رائیت ان رسول الله ﷺ کتب لی شسنیة ..... ختم علیه بیده المبارك و کان معه اکثر الاکابر دعوت عند بیت الله الحرام ثم جئت عند

(۱) عقائد علمائے دیوبند اور حسام الحرمین، ص ۲۸۱ (۲) نقوش توحید فروری ۱۹۹۳ء، ص ۳۳ (۳) علاوہ ازیں نبی ﷺ نے منع فرمایا ہے کہ کوئی تم میں سے یوں نہ کہے: "مولائی" "عبدی" "میرا آقا" مسلم، کتاب الالفاظ من الادب وغیرھا باب حکم اطلاق لفظة العبد والامة والمولی والسید (۳) اظہار الصدور، از محمد حسین نیلوی، مطبوعہ المکتب الحسینیہ، سرگودھا، صفحہ آخر (۴) نقوش توحید جنوری ۱۹۹۳ء، ص ۱۹ (۵) نقوش توحید ۱۹۹۵ء، ص ۱۲ (۶) نقوش توحید جولائی ۱۹۹۲ء، ص ۳۵ (۷) نقوش توحید اپریل ۱۹۹۲ء، ص ۳۲ (۸) بخاری، کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم......

رسول اللہ ﷺ فقلت الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ فعانقنی ﷺ و علمنی اللطائف والاذکار و رائیت انہ یسقط فامسکتہ واعصمتہ عن السقوط فعبرت فی ذلک الوقت ان المراد اقامۃ دینہ و محو الشرک قیل لی من یخالفک فی التوحید ہم دجالون کذابون و قعدت عند مزار الامام الربانی فقال لی فی المکاشفۃ بیان مسئلۃ التوحید اعلیٰ درجۃ عن السلوک و رائیت الانبیاء کلہم من آدم الی نبینا ﷺ کلہم ینادون باعلی نداء ان من دعا غیر اللہ تعالیٰ معتقداً انہ یعلم و یسمع فہو کافر۔" (صفحہ ۸)

"حسین علی بن محمد بن عبداللہ کہتا ہے کہ............ میں نے اپنے آقا محمد عثمان کو دیکھا کہ انہوں نے مجھے تفسیر قرآن عطا کی جو حجم میں چھوٹی تھی۔ تو میں نے پوچھا کہ کیا یہ سارے قرآن کی تفسیر ہے۔ آپ نے کہا ہاں۔ اور میں نے دیکھا کہ مجھے رب تعالیٰ کی طرف سے تفسیر عطا کی گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ نبی ﷺ مجھے اپنے حجرے میں لے گئے اور اپنی زبان میرے منہ میں داخل کی اور اپنا لعاب میرے منہ میں ڈالا۔ اور میں نے دیکھا کہ علی رضی اللہ عنہ مجھے حکم دیتے ہیں کہ تفسیر قرآن تصنیف کروں۔ اور میں نے دیکھا کہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ میں نے تجھے بخش دیا اور اسے بھی جو تیری اتباع کرے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے گلے سے لگایا اور اپنی آغوش ہی میں مجھے پل صراط پر لے گئے۔ میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نے میرے لئے ضمانت لکھی .... اور اپنے دست مبارک سے اس پر مہر لگائی اور اکثر اکابرین اس وقت آپ کے ساتھ تھے۔ میں نے بیت اللہ کے پاس دعا کی اور پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور پھر کہا الصلوۃ والسلام علیک یا رسول اللہ۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے مجھے گلے لگایا مجھے لطائف واذکار سکھائے۔ اور میں نے دیکھا کہ آپ گرنے لگے۔ پس میں نے آپ کو تھام لیا اور گرنے سے بچایا۔ اس وقت میں نے اس کی تعبیر یہ کی کہ اس سے مراد آپ کے دین کو قائم کرنا اور شرک کو مٹانا ہے۔ مجھ سے کہا گیا کہ توحید میں جو تیری مخالفت کرے گا وہ دجال و کذاب ہیں۔ اور میں امام ربانی کے مزار پر بیٹھا تو امام نے مکاشفے میں مجھے مسئلہ توحید اور اعلیٰ مدارج سلوک بیان کئے۔ اور میں نے آدم علیہ السلام سے لیکر اپنے نبی علیہ الصلوۃ والسلام تک تمام نبیوں کو دیکھا جو سب کے سب بلند آواز سے ندا دیکار رہے تھے کہ جس نے اس اعتقاد کے ساتھ غیر اللہ کو پکارا کہ وہ جانتا ہے اور سنتا ہے تو وہ شخص کافر ہے۔"

الوانی صاحب کہہ رہے ہیں کہ نبی ﷺ گرنے لگے تو میں نے انہیں گرنے سے بچایا.... یہ تو ویسی ہی بات ہے جو عبدالقادر جیلانی کی کرامات میں بیان کی جاتی ہے کہ جب سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ کر جبریل امین نے مزید آگے جانے سے یہ کہہ کر معذرت کرلی کہ ان کے پر جل جائیں گے تو وہاں شیخ جیلانی نمودار ہوئے جن پر سوار ہوکر نبی ﷺ مقام قاب قوسین اور ادنیٰ عرش پر پہنچے اور ان سے فرمایا کہ میرے یہ قدم تیری گردن پر اور تیرے قدم تمام اولیاء کی گردنوں پر ہوں گے۔(۱)

جو لوگ ایسے "کمالات" کے حامل ہوں تو پھر ان کے لئے جو کچھ نہ کہا جائے وہ کم ہوگا۔ بلکہ ایسے پہنچے ہوؤں کو تو "بندوں" کی فہرست میں رکھنا ان کے شایان شان نہ ہوگا۔ ان کا تو کوئی اور ہی "مقام" ہونا چاہئے۔ اور ایسوں کے لئے یہ کہنا تو بالکل ہی غلط ہے کہ ان" کا مسلک یقیناً قرآن کریم اور سنت صحیحہ کے عین مطابق ہے"(۲) کیونکہ یہ "کارنامے" تو قرآن کریم اور سنت صحیحہ کا کھلا انکار کرتے ہیں۔

اس اکابر پرستی کی جھلکیاں ان کی تحریروں میں نظر آتی رہتی ہیں۔ کبھی تو یہ اس میں اتنے مست ہوجاتے ہیں کہ ان کی زبان وقلم سے "عقیدت دے پھل" برسنے لگتے ہیں جیسے ان کے ایک حافظ صاحب نے عنایت اللہ بخاری کے لئے عنوان مذکورہ سے اپنے سرائیکی قصیدوں میں برسائے جن کا ایک شعر ہے:

شہنشاہ علمی دنیا دا مری طرفوں سلام ہووی
رسول اللہ دا عاشق ہیں سدا دنیا غلام ہووی

[دنیائے علم کے بادشاہوں کے بادشاہ! میری طرف سے تجھ پر سلام ہو۔ تو رسول اللہ کا عاشق ہے، دنیا ہمیشہ تیری غلام رہے](۳)

اگر یہاں الوانی صاحب کے استاد

"عارف باللہ قدوۃ السالکین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ"(۴)

جن کے الوانی صاحب

"شاگرد خاص اور ان کے طرز عمل کے داعی تھے"(۵)

کا مقام بھی بیان کردیا جائے تو دلچسپی سے خالی نہ ہوگا، جن کے لئے اشاعتیوں کا یہ بھی کہنا ہے کہ

"اپنے زمانے کے قطب الارشاد حضرۃ گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ الف الف رحمۃ تو ہمارے لئے ملاقاتی مینارۂ نور ہیں۔ ہمارا مشن اور ہماری تفسیر قرآنی ان کے واسطے سے سیدالانبیاء ﷺ تک پہنچتی ہے۔"(۶)

موصوف کے "خلیفہ خاص" عاشق الٰہی میرٹھی صاحب نے "تذکرۃ الرشید" کے نام سے ان کی سوانح حیات لکھی ہے جس کی پیشانی پر یہ قرآنی آیت لکھی ہے:

اِنَّ ھٰذِہٖ تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ

"یہ ایک یاددہانی ہے پس جو چاہے اس سے نصیحت پکڑے۔"

چھ سو بڑے صفحات کی اس کتاب میں مؤلف نے اپنے ممدوح کے ایسے ایسے کارنامے بیان کئے ہیں کہ عقل حیران و پریشان ہوجائے کہ ایک بندے میں وہ سب "کمالات" کیسے جمع ہوگئے جن سے جلیل القدر تابعین، عالی مقام صحابہؓ بلکہ افضل الخلائق انبیاء علیہم السلام بھی محروم رہے۔ فرماتے ہیں کہ

"حضرت امام ربانی قدس سرہ کی مقبولیت کمال اتباع سنت کے سبب اس درجہ واضح ہوچکی تھی کہ اگر سن اجلی البدیہات لکھیں تو زیادہ کالشمس فی نصف النہار کہیں تو بجا ہے مگر جب محروم القسمۃ اصحاب کی ظلمت باطنی و فساد قلبی نے خاتم النبیین ﷺ کی نبوۃ باہرہ کے معجزات ظاہرہ کا اعتراف نہ کیا تو نائب رسول قطب وقت پادشاہ ولایت

(۱) کرامات غوث الاعظم، مطبوعہ ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور، ص۔ ۲۵ (۲) شق ۲، دفعہ ۱، دستور اشاعۃ التوحید والسنہ (۳) نظرۃ توحید، فروری ۱۹۹۳ء، ص۔ ۵۲ (۴) شق ۲، دفعہ ۱، دستور اشاعۃ التوحید والسنہ (۵) ایضاً
(۶) نظرۃ توحید، جون ۱۹۹۳ء، ص۔ ۶

یا قطبیت کے انکار کرنے والوں پر کیا افسوس کیا جائے۔ اگر کسی کو حق تعالیٰ بصیرت عطا فرماویں تو معلوم ہو جائے کہ آپ کی ولایت پر زمین و آسمان اور اشجار و احجار تک گواہ بنے ہوئے ہیں۔ تمام ذی روح مخلوق حتیٰ کہ چیونٹیاں اپنے بھٹوں میں اور مچھلیاں سمندر و آب دریا میں آپ کی ترقی عمر آپ پر بے پایاں رحمت کے نازل ہونے کی دعائیں مانگتی تھیں۔ آپ کی بابرکت ذات اور مورد رحمت خاصہ وجود باجود سے صرف نوع انسانی ہی متمتع نہیں ہوئے بلکہ خوشحالی و فارغ البالی اور کسی درجہ میں اطمینان و رحمت کے ساتھ گذران کا نفع ہر جاندار مخلوق کو پہنچا بلکہ سرسبزی و شادابی کی منفعت سے زمین کی ہری گھاس اور درختوں کے پتے بھی محروم نہ رہے۔ جس قلب کو خالق سبحانہ نے ادراک اور حس عطا فرمایا ہے وہ دیکھ رہا ہے کہ جو نزول سکینہ آج سے تین برس پہلے عالم آشکارا تھی اب اس کا وجود نہیں اس لئے کہ جس فرشتہ خصلت سرپرست محبوب کے طفیل میں عالم کو نوازا جا رہا تھا وہ دنیا سے سدھار چکا اور عالم فانی سے رخصت بعالم جاودانی ہوا۔" (۱)

"منشی رحمت علی صاحب موضع رائے پور گوجران ضلع جالندھر کے سرکاری مدرسے میں مدرس ہیں، ابتداء میں بدعات سیہ و رسومات ختم میں بدرجہ غایت منہمک تھے۔ حضرت حافظ محمد صالح دام مجدہ کی خدمت میں حاضر ہو کر کچھ پڑھا اور مسائل شرعیہ سے واقفیت پر عقائد کی فی الجملہ اصلاح کی چونکہ منشی صاحب کو ابتداء سے حضرت پیران پیر عبدالقادر جیلانی قدس سرہ کے ساتھ خاص محبت و عقیدت تھی اسکی بدولت ان کو شیخ کے ساتھ ایسا تعلق ہو گیا تھا کہ اکثر مہمات کے وقت حضرت شیخ خواب میں تشریف لاتے اور رہبری فرمایا کرتے تھے نیز اسی محبت کا ثمرہ تھا کہ زمانہ ناواقفیت ہی میں اس کی تمنا تھی کہ کسی شیخ کا دامن پکڑوں اور اللہ کا نام سیکھوں۔ حافظ محمد صالح صاحب دام مجدہ کی شاگردی کے زمانے میں اکثر حضرت مولانا قدس سرہ کے محامد و مناقب ان کے کان میں پڑے مگر یہ متاثر نہ ہوتے اور یہی خیال کئے ہوئے تھے کہ جب تک حضرت پیران پیر رحمۃ اللہ علیہ خواب میں تشریف لا کر خود ارشاد نہ فرمادینگے کہ فلاں شخص سے بیعت ہو اس وقت تک بطور خود کسی سے بیعت نہ کرونگا۔ اسی حالت میں ایک مدت گذر گئی کہ یہ اپنے خیال پر جمے رہے آخر ایک شب حضرت پیران پیر قدس سرہ کی زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت شیخ نے یوں ارشاد فرمایا کہ اس زمانہ میں مولانا رشید احمد گنگوہی کو حق تعالیٰ نے وہ علم دیا ہے کہ جب کوئی حاضر ہونے والا السلام علیکم کہتا ہے تو آپ اس کے ارادے سے واقف ہو جاتے ہیں ـــــ چند روز بعد حضرت پیران پیر کی زیارت سے دوبارہ مشرف ہوئے اور پھر سہ بارہ اور چوتھی مرتبہ غرض متواتر کئی بار یہی خواب نظر آیا کہ حضرت پیران پیر ارشاد فرماتے ہیں کہ مولانا رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے دونوں علم پورے عطا فرمائے ہیں۔ نیز خواب ہی میں حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ان کو زیارت کرائی گئی اور دکھایا گیا کہ یہ شخص ہیں جن کی خدمت کا بار بار حکم دیا جاتا ہے ـــــ" (۲)

"حضرت مولانا اشرف علی صاحب دام مجدہ فرماتے تھے ایک مرتبہ مجھے خیال ہوا کہ حضرت امام ربانی قدس سرہ کی ولایت تو ظاہر ہے مگر اولیاء اللہ کے مراتب مختلف ہیں خدا جانے حضرت کا مرتبہ کیا ہے؟ ایک دن کچھ سوتا کچھ جاگتا تھا دیکھتا کیا ہوں کہ حضرت قدس سرہ مسجد میں تشریف فرما ہیں اور میں سامنے بیٹھا ہوں۔ ایک بزرگ عصا ہاتھ میں لئے تشریف لائے اور حضرت کی طرف اشارہ فرما کر مجھ سے مخاطب ہو کر یوں ارشاد فرمایا کہ "تمہیں یہ قطب الارشاد ہیں۔" اس کے بعد فوراً آنکھ کھل گئی اور دل کو اطمینان ہو گیا۔" (۳)

"حضرت مولانا عزیز الرحمن صاحب مجددی نقشبندی دام مجدہ ایکبار حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ کے مزار پر انوار پر سرہند شریف حاضر ہوئے تو آپ کو معلوم کرایا گیا کہ امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قطب الارشاد ہیں۔ حضرت مولانا صدیق احمد صاحب انبہٹوی مدت فیضہ جو حضرت امام ربانی قدس سرہ کے خلفاء کاملین میں صاحب حالات عجیبہ و واردات غریبہ ہیں، تحریر فرماتے ہیں کہ اس عاجز کو جو معلوم کرایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے قدس سرہ اس زمانے کے قطب الارشاد تھے۔ آپ کا لقب عالم بالا میں مخدوم العالم ہے۔ آپ ولایۃ النبوۃ و مقام محمدی میں نہایت راسخ القدم ہیں۔ اولیاء امت محمدیہ میں بہت کم ایسے ہوئے ہیں کہ اس مقام عالی میں اسقدر رسوخ رکھتے ہیں۔ یہ مقام حضرت فخر عالم رسول اکرم ﷺ کے زیر قدم ہے ـــــ" (۴)

"حضرت مجدد الف ثانی قدس سرہ" جو اپنے "مزار انوار" سے زائر کو "معلوم" کرا رہے ہیں کہ "امام ربانی مولانا رشید احمد صاحب قطب الارشاد ہیں"، خود اپنی کتاب مبدا و معاد میں اس منصب "قطب الارشاد" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"قطب ارشاد جس میں فردیت کے کمال کمالات بھی پائے جاتے ہیں نہایت قلیل الوجود ہوتا ہے۔ کئی صدیوں بلکہ بے شمار زمانہ کے بعد اس قسم کا موتی ظاہر ہوتا ہے جس کے نور ظہور سے تاریک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔ اس کی ہدایت و ارشاد محیط عرش سے لے کر مرکز زمین تک تمام جہان کو حاصل ہوتا ہے۔ جس شخص کو رشد و ہدایت اور ایمان و معرفت حاصل ہوتے ہیں اسی کی وساطت سے حاصل ہوتے ہیں۔ اس کے وسیلے کے بغیر براہ راست کسی کو یہ نعمت حاصل نہیں ہو سکتی گویا اس کا نور ہدایت سمندر کی طرح تمام جہان کو گھیرے ہوتا ہے اور وہ ایک منجمد سمندر ہے جو بالکل حرکت نہیں کرتا۔ جو شخص اس بزرگ کی طرف متوجہ ہوتا ہے، اور اس کا مخلص ہوتا ہے یا وہ بزرگ کسی طالب کی طرف متوجہ ہوتا ہے تو توجہ کے وقت طالب کے دل میں گویا ایک سوراخ کھل جاتا ہے جس کی راہ

(۱) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، صفحات ۳۲۴، ۳۲۵ (۲) ایضاً ص ۳۱۱، ۳۱۲ ❀ ایک بدعتی کے پاس بکثرت آ کر اس کو اپنی زیارت سے بار بار "مشرف" کر کے اس پر "الطاف و اکرام" فرمانے والے عبدالقادر جیلانی صاحب کے بدعت اور بدعتیوں کے متعلق ارشادات بھی ملاحظہ فرمایئے جن میں سے کچھ کو دسمبر ۱۹۹۴ کے [illegible] (ص ۔۵۵) میں بھی بیان کیا گیا ہے کہ "بدعتیوں سے بہت زیادہ بحث و مباحثہ نہ کرو اور ان کے مدد گار و حمایتی نہ بنو اور نہ ان کے پاس بھی نہ جاؤ اور نہ انہیں سلام کرو کیونکہ ہمارے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے فرمایا: جس نے بدعتی کو سلام کیا اس نے اس سے محبت کی کیونکہ نبی ﷺ نے فرمایا ہے آپس میں سلام عام کرو اس سے ایک دوسرے میں محبت پیدا ہوگی، اور نہ ان کے ساتھ اٹھو بیٹھو اور نہ ان سے میل جول رکھو اور عید، تقریبات مسرت کے موقعوں پر انہیں مبارکباد دو اور نہ ان کے جنازوں کی نماز پڑھو اور نہ ان کا ذکر آنے پر اظہار ترحم کرو بلکہ ان سے دور دور رہو اور اللہ کی رضا کی خاطر ان کو اپنا دشمن ہی تصور کرو اور بدعتیوں کے مذہب کے باطل ہونے پر یقین رکھو اور یہ نیت کرو کہ اس پر عظیم ثواب اور بڑا اجر ملنے والا ہے۔ نبی ﷺ سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا جو شخص بدعتی کو اللہ کیلئے اپنا دشمن تصور کرے اللہ اس کا دل امن و ایمان سے بھر دے گا اور جو بدعتی کو اس سے بغض رکھ کر ڈانٹے حق تعالیٰ اسے قیامت کے دن امن و سلامتی عطا فرمائے گا، اور جو بدعتی کو حقیر سمجھے اللہ جنت میں اس کے سو درجے بلند فرمائے گا اور جو اس سے خندہ پیشانی یا اسطرح ملے کہ وہ خوش ہو جائے تو اس نے وہ کلام پاک حقیر سمجھا جو حق تعالیٰ جل مجدہ نے اپنے نبی پر اتارا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حق تعالیٰ بدعتی کا کوئی عمل قبول نہیں فرماتا جب تک وہ بدعت نہ چھوڑ دے۔ فضیل بن عیاض: جو کسی بدعتی سے محبت کرے اللہ تعالیٰ اس کے عمل غارت فرما دیتا ہے اور اس کے دل سے نور ایمان نکال دیتا ہے اور جب اللہ کے علم میں کوئی شخص بدعتی سے بغض رکھنے والا ہوتا ہے تو مجھے امید ہے کہ حق تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دے گا گو اس کے عمل تھوڑے ہوں۔ اگر تم راہ میں بدعتی کو دیکھو تو دوسری راہ اختیار کرو۔ فضیل بن عیاض، سفیان ابن عیینہ: اگر کوئی بدعتی کے جنازے کے ساتھ گیا تو جب تک واپس نہیں آئے گا اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب میں رہے گا۔ نبی ﷺ نے بدعتی پر لعنت فرمائی ہے فرمایا جس نے بدعت ایجاد کی یا بدعتی کو پناہ دی اس پر اللہ کی، فرشتوں کی اور تمام لوگوں کی لعنت ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کے فرائض و نوافل قبول نہیں فرماتا۔" (غنیۃ الطالبین، طبع نفیس اکیڈمی، حصہ اول، ص ۱۸۸، ۱۸۹) (۳) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص ۳۰۶ (۴) ایضاً ص ۳۰۷

اس دریائے توجہ اور اخلاص کے موافق سیر آب ہوتا ہے۔ اسی طرح جو شخص ذکر الٰہی میں مشغول ہے لیکن اس بزرگ (قطب ارشاد) کی طرف متوجہ نہیں مگر انکار کی وجہ سے نہیں بلکہ اس واسطے کہ وہ اسے جانتا نہیں، تو بھی اسے اس قسم کا فائدہ پہنچتا ہے مگر پہلی صورت میں بہ نسبت دوسرے کے زیادہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ لیکن جو شخص قطب ارشاد کا منکر ہے یا وہ بزرگ اس سے ناراض ہے، خواہ وہ کتنا ہی ذکر الٰہی میں مشغول رہے پھر بھی رشد و ہدایت کی حقیقت سے محروم رہتا ہے، وہی اس کا انکار اس کے فیض کا سد راہ ہوتا ہے خواہ قطب ارشاد اسے فائدہ نہ پہنچانے کے لئے یا نقصان پہنچانے کے لئے توجہ نہ ہی کرے۔ ایسے شخص کو ہدایت کی حقیقت میسر نہیں ہو سکتی۔ گو اسے رشد کی صورت حاصل ہوتی ہے، لیکن محض صورت سے کیا کام نکل سکتا ہے۔ صورت بے معنی سے بہت تھوڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جو لوگ قطب ارشاد کے محب و مخلص ہوتے ہیں، گو وہ ذکر الٰہی اور توجہ مذکور سے خالی ہی ہوں، تو بھی محض محبت کی وجہ سے، رشد و ہدایت کا نور پہنچتا ہے۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ ''(۱)

مجدد صاحب نے قطب ارشاد کا مقام واضح کر کے دیوبندیوں اور ان کے طفیلی اشاعتیوں کی نجات اور ان کے حریف بریلویوں کی بربادی کا سامان کر دیا کیونکہ دیوبندی اور اشاعتی اپنے گنگوہی قطب ارشاد سے غایت درجہ عقیدت رکھتے ہیں اگرچہ بریلویوں کے بزعم ان کے اعمال برباد ہی کیوں نہ ہوں؛ اور تمام بریلوی بشمول اپنے رضا خانی امام کے خائب و خاسر ہیں خواہ وہ نبی ﷺ سے کتنی ہی محبت اور عشق کے دعوے کیوں نہ کریں کیونکہ وہ اس گنگوہی قطب ارشاد سے ان کے ''امکان کذب'' کے مسئلے میں انہیں خارج از اسلام سمجھتے ہوئے حد درجہ بغض رکھتے ہیں۔

''امکان کذب'' (یعنی ذات باری تعالیٰ کے لئے جھوٹ کا امکان) ان گنگوہی قطب ارشاد کا چھوڑا ہوا ایک مشہور شوشہ ہے۔ جس پر ان کے زمانے میں بہت لے دے ہوئی تھی، اور ان کے مخالف مسلک والے آج تک اس لکیر کو پیٹ رہے ہیں۔ گنگوہی صاحب نے فتویٰ صادر کیا تھا کہ (نقل کفر کفر نباشد۔ نعوذ باللہ) اللہ سے کذب بیان کا صدور ممکن ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر قادر ہے۔ تعجب ہے کہ جب ان کے علماء کی تحریروں میں قرآن و حدیث کے خلاف کفریہ شرکیہ جھوٹی باتوں کی نشاندہی کی جائے تو یہ لوگ ان کا دفاع کرتے ہوئے کہنے لگتے ہیں کہ یہ لوگ اتنے بڑے عالم تھے ایسی بات لکھ ہی نہیں سکتے، ان سے ایسی باتوں کا صدور ہو ہی نہیں سکتا۔ لیکن تعجب ہے کہ اللہ رب العزت کی ذات سے جھوٹ کا صدور انہیں ممکن نظر آتا ہے!!

ایسے ہی مواقع پر اللہ شکوہ کرتا ہے کہ مالکم لا ترجون للہ وقارا [ا؎] یہ فتویٰ قرآن و حدیث کے صریحاً خلاف ہے۔ اصدق القول [۲؎] اور اصدق الحدیث [۳؎] رب سے کذب کے صدور کا امکان بھی محال ہے اور ایسا سوچنا بھی سلب ایمان کے لئے کافی ہے جو من اظلم ممن افتری علی اللہ الکذب [۴؎] کے زمرے میں آتا ہے۔ لیکن تذکرۃ الرشید کا مصنف اس معاملے میں لکھتا ہے کہ:

''جس زمانہ میں مسئلہ امکان کذب پر آپ کے مخالفین نے شور مچایا اور تکفیر کا فتویٰ شائع کیا ہے سائیں توکل شاہ صاحب انبالوی کی مجلس میں کسی مولوی نے حضرت امام ربانی قدس سرہ کا ذکر کیا اور کہا کہ امکان کذب باری کے قائل ہیں۔ یہ سن کر سائیں توکل شاہ صاحب نے گردن جھکائی اور تھوڑی دیر مراقب رہ کر منہ اوپر اٹھا کر اپنی پنجابی زبان میں الفاظ ادا فرمائے ''لوگو! تم کیا کہتے ہو، میں مولانا رشید احمد صاحب کا قلم عرش کے پرے چلتا ہوا دیکھ رہا ہوں ''(۲)

شاید نیلوی صاحب کی نظر سے ان کے استاد کے استاد کا یہ جھوٹ والا فتویٰ نہیں گذرا اور نہ پھر ان میں یہ کہنے کا یارا نہ ہوتا کہ:

فیقول الملحد العیاذ باللہ ان اللہ یکذب لان الکذب منہ ممکن والامکان یستلزم الوقوع معاذ اللہ من ھذہ الھفوات (۳)

''پس ملحد ایسا کہتا ہے کہ معاذ اللہ اللہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس سے جھوٹ ممکن ہے اور کسی چیز کے امکان سے اس کا واقع ہونا لازم آتا ہے۔ اللہ کی پناہ ان خرافات سے۔''

بہر حال حقیقت کچھ بھی ہو، ان دیوبندیوں اور ان کے طفیلی اشاعتیوں کو کسی خوش فہمی میں نہ رہنا چاہئے کیونکہ یہ ''قطب ارشاد'' کا منصب محض مزعومہ اور مخترعہ ہے اور قرآن و حدیث اس معاملے میں بالکل خاموش ہیں یعنی کتاب و سنت سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ملتا بلکہ یہ قرآن و حدیث کا صریح انکار و استہزا ہے۔ پھر یہ لوگ اپنے بانیٔ جماعت کے استاد کو ''قطب ارشاد'' مان کر کون سی سنت کی اشاعت کر رہے ہیں؟

اور ان ''قطب ارشاد'' صاحب کے کارنامے تو ملاحظہ فرمائیے۔ جن صاحب کے لئے، بقول ان کے، شیخ عبد القادر جیلانی صاحب نے فرمایا کہ

''مولانا رشید احمد صاحب کو حق تعالیٰ نے دونوں علم پورے عطا فرمائے ہیں'' (۴)

یہ صاحب کس طرح قرآن و حدیث کا مذاق اڑا رہے ہیں، مثلاً

☆ تذکرۃ الرشید کے مصنف لکھتے ہیں۔

''احقر نے وفات قدس سرہ سے تھوڑے دن پہلے غالباً اسی مرض میں جبکہ درود شریف موصوف حضرت سے سنا عرض کیا کہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی حیات خصوصاً سرور انبیاء خاتم الرسل صلوات اللہ وسلامہ علیہ کا حیات النبی ہونا مسلم ہے اور آیہ کریمہ انک میت وانھم میتون سے سب کا میت ہونا معلوم ہوتا ہے۔ اس کے جواب میں کچھ ایسی پر تاثیر تقریر فرمائی کہ جو مشاہدہ و سماع پر موقوف ہے۔ الفاظ اور مطلب حسب دقت پوری طرح محفوظ نہیں رہا مگر خلاصہ اس کا یہ تھا کہ موت سب کو شامل ہے مگر انبیاء کی ارواح مشاہدہ جمال و جلال حق تعالیٰ و تقابل آفتاب وجود باری تعالیٰ سے اس درجہ پہنچ جاتے ہیں کہ اجزاء بدن پر ان کا یہ اثر ہوتا ہے کہ تمام بدن حکم روح پیدا کر لیتا ہے اور تمام جسم ان کا عین اور اک اور عین حیات ہو جاتا ہے اور یہ حیات دوسری قسم کی ہے۔ اس تحقیق سے ان اللہ حرم علی الارض ان یاکل اجساد الانبیاء کا مطلب ظاہر ہوتا ہے'' (۵)

☆ ''انا الحق'' کا نعرہ لگا کر دعوئے خدائی کرنے والا حسین بن منصور حلاج ان کے نزدیک کافر نہ تھا۔ (۶)

(۱) مبدا و معاد، مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور، مترجم مفتی عالم الدین نقشبندی مجددی ص ۲۰۵،۲۰۶ ا؎ ''تمہیں کیا ہو گیا ہے تمہاری نظروں میں اللہ کا کوئی وقار نہیں۔'' (نوح: ۱۳) ۲؎ ومن اصدق من اللہ قیلا ''اور اللہ سے بڑھ کر قول کا سچا کون ہے'' (النساء: ۱۲۲) ۳؎ ومن اصدق من اللہ حدیثا ''اور اللہ سے بڑھ کر بات میں سچا کون ہے'' (النساء: ۸۷) ۴؎ ''اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھے۔'' (الصف: ۷) (۲) تذکرۃ الرشید حصہ دوم، ص ۳۲۲ (۳) اشفاء الصدور ص ۹ (۴) یعنی ایک تو شریعت کا علم جس کی بنیاد قرآن و حدیث ہوتی ہے اور دوسرا ان صوفیوں کا خود ساختہ طریقت کا علم۔ ٭ یعنی اللہ نے زمین پر نبیوں کے جسم کھانا حرام کر دیا ہے۔ یہ ایک ضعیف روایت ہے جس کی تفصیل ہمارے کتابچے ایمان خالص قسط دوم میں دیکھی جا سکتی ہے۔ (۵) تذکرۃ الرشید حصہ دوم، ص ۲۸، ۲۹ (۶) ایضاً حصہ اول ص ۷۷

☆ یہ تو صوفیوں کے عقیدہ حلول کی حمایت تھی۔ تصوف کے دوسرے عقیدے وحدت الوجود کے بھی یہ قائل تھے۔ چنانچہ پیر ضامن جس نے اپنی ایک پیشہ ور بدکار مرید عورت کو جو احساس گناہ کے سبب اپنے پیر صاحب کی زیارت کے لئے نہیں آئی تھی، یہ کہہ کر تسلی دی تھی کہ ''بی تم شرماتی کیوں ہو، کرنے والا کون اور کرانے والا کون، وہ تو وہی ہے'' کے لئے یہ ''قطب'' صاحب فرماتے تھے کہ ''ضامن علی جلال آبادی تو توحید ہی میں غرق تھے۔'' (۱)

☆ مغلیہ سلطنت کے آخری دور میں اور تقسیم ہند کے موقع پر کلمہ پڑھنے والوں پر ناقابل بیان ظلم واستبداد کا بازار گرم کرنے والے دشمن اسلام سکھ مذہب کا بانی گورونانک ان کے نزدیک مسلمان تھا۔ (۲)

☆ حج کرنے کیلئے جب جہاز میں سفر کرنے لگے تو سمندر میں طوفان آ گیا، جہاز ہچکولے کھانے لگا تو انکے پیر صاحب حاجی امداد اللہ اور حافظ ضامن صاحب نے عالم واقعہ میں آ کر جہاز کو اپنے کاندھوں پر رکھ کر طوفان سے پار لگایا۔ (۳)

☆ (نہ جانے حج کرنے کے لئے سفر کس حد تک کیا کیونکہ یہ تو) بارہ سال تک روزانہ فجر کی نماز گنگوہ (ہندوستان) سے جا کر مکہ معظمہ میں پڑھتے رہے! (۴)

☆ فرمایا کہ ''حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلوی رحمۃ اللہ علیہ جب مرض الموت میں مبتلا ہوئے اور زندگی سے یاس ہوئی تو بمقتضائے بشریت بچوں کی صغری کا تردد تھا، اسی وقت جناب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ تشریف لائے اور فرماتے ہیں تو کاہے کا فکر کرے ہے، جیسے تیری اولاد ویسی ہی میری۔ آپ کو اطمینان ہوگیا۔ شاہ صاحب کی اولاد سب عالم ہوئی اور بڑے مرتبوں پر پہنچی۔'' (۵)

☆ پھر پیالی چائے سے بیس پچیس آدمیوں کی ضیافت کر دی۔ سب نے چائے پی لیکن پھر بھی بچ رہی۔ ایک رکابی چاول سے چار آدمیوں کو ''خوب ہی شکم سیر ہو کر'' کھلایا پھر بھی آدھی بچ گئی۔ (۶)

☆ مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک دن دریافت کیا کہ حضرت قلندر صاحب کا مزار کرنال اور پانی پت دونوں جگہ کیوں ہے؟ حضرت نے فرمایا اصل قبر پانی پت میں ہے۔ بات یہ ہوئی کہ جب قلندر صاحب پانی پت میں بہت بیمار ہوئے تو کرنال کے معتقدین لانے کو گئے۔ وہاں حضرت کا انتقال بھی ہو چکا تھا۔ پانی پت والوں نے نعش جانے نہ دی تب یہ لوگ شرم مٹانے کو ایک خالی نعش کی صورت بنا کر لے چلے اور کرنال میں آ کر پردہ کر کے دفن کر دیا۔ اس کے بعد ارشاد فرمایا کہ ابتدائی زمانہ میں ہمارے حضرت حاجی صاحب کو وحشت طاری ہوئی۔ تین دن تک حضرت قلندر صاحب کی قبر پر مراقب رہے مگر کچھ پتہ نہ چلتا تھا۔ آخر حضرت میاں جی نور محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا کہ وہ تشریف لائے اور فرمایا امداد اللہ یہاں کیا بیٹھے ہو؟ پھر قبر کھود کر دکھلا دیا کہ کچھ نہیں ہے۔ (۷)

مسلک پرستوں کے سامنے جب بدلائل یہ ثابت کیا جاتا ہے کہ عذاب وراحت اس دنیاوی قبر میں نہیں ہوتا جو سب کو ملتی بھی نہیں بلکہ یہ برزخ میں سب کو ملنے والی قبر میں ہوتا ہے تو یہ اصرار کرتے ہیں کہ نہیں اسی دنیاوی قبر میں ہی سب کچھ ہوتا ہے، یہی برزخ ہے۔ حالانکہ برزخ کیلئے تو اللہ کا ارشاد ہے کہ وہ قیامت تک کے لئے ایک آڑ ہے (۸)، لیکن ان کے لئے یہ آڑ عبور کرنا کوئی مسئلہ ہی نہیں:

☆ فرماتے تھے کہ ''جو لوگ علماء دین کی توہین اور ان پر طعن وتشنیع کرتے ہیں، قبر کے اندر ان کا منہ قبلے سے پھر جاتا ہے، بلکہ یہ فرمایا کہ جس کا جی چاہے دیکھ لے۔'' (۹)

☆ مزار پر شیرینی لیجانا اور بزرگ کی فاتحہ دے کر بغرض ایصال ثواب تقسیم کر دینا ان کے نزدیک جائز ہے۔ (۱۰)

صحابہ کرامؓ سے بڑھ کر نبی ﷺ سے محبت وعقیدت، ادب واحترام، تعظیم وتکریم کرنے والا کون ہو سکتا ہے۔ انہوں نے نبی ﷺ کے فرمان علیکم بسنتی ۱۲ کی تعمیل میں خود پر سنت رسولؐ کو لازم کر لیا تھا اور من عمل عملا لیس علیه امرنا فھو ردّ ۱۳ کی رو سے اس کو اسی انداز میں کرنے کا التزام کرتے تھے جس طرح نبی ﷺ نے فرمایا۔ صحابہ کے اس معاملے میں احتیاط کا اندازہ اس حدیث سے ہوتا ہے کہ ایک آدمی نے جب عبداللہ بن عمرؓ کے سامنے چھینک آنے پر کہا الحمد لله والسلام علی رسول الله تو آپ نے فرمایا کہ میں بھی یہی کہتا ہوں لیکن اس موقع پر نہیں کیونکہ ہمیں نبی ﷺ نے اس طرح نہیں بتایا، ہمیں تو آپؐ نے یہ بتایا ہے کہ جب کسی کو چھینک آئے تو وہ یوں کہے: الحمد لله علی کل حال۔ (۱۱) نبی ﷺ نے درود کے جو الفاظ سکھائے صحابہ کرامؓ بلا کسی کمی وبیشی ساری زندگی اسی طرح پڑھتے رہے۔ لیکن ''قطب ارشاد'' صاحب اسے کافی نہیں سمجھتے:

☆ ایک مرتبہ مولانا ولایت حسین صاحب نے دریافت کیا کہ حضرت نماز میں درود شریف کے اندر لفظ سیدنا ملانا چاہئے یا نہیں؟ حضرت نے فرمایا ''ہاں''۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ کسی روایت میں لفظ سیدنا پایا نہیں گیا۔ حضرت امام ربانی نے فرمایا گرچہ جناب رسول اللہ ﷺ نے لفظ سیدنا نہ فرمایا ہو مگر ہمیں یہ لائق ہے کہ ملائیں۔ اس کی مثال اس سے سمجھو کہ جب میں حضرت سے بیعت ہوا تو بیعت کے وقت حضرت حاجی صاحب نے فرمایا کہو بیعت امداد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ میں نے کہا جناب حاجی امداد اللہ صاحب کے دست مبارک پر بیعت کی۔ اسوقت جناب مولوی شیخ محمد

(۱) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص۔۲۳۲ (۲) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۲۳۸ (۳) ایضاً، حصہ اول، ص۔۲۰۵،۲۰۶ (۴) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۲۱۲ (۵) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۲۶۶، ۳۱۷ (۶) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۲۰۹،۲۰۷ (۷) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۲۳۷ (۸) سورۃ المومنون: ۱۰۰ (۹) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص۔۲۹۲ (۱۰) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۲۹۱ ۱۲ ''تم پر میری سنت لازم ہے۔'' [مسند احمد] ۱۳ ''جس نے وہ کام کیا جس کا ہم نے حکم نہ دیا ہو تو عمل مردود ہے۔'' [مسلم: کتاب الاقضیہ، باب نقض الاحکام الباطلہ] (۱۱) ترمذی: ابواب الاستیذان والادب، باب ماجاء ما یقول العاطس اذا عطس

صاحب بھی موجود تھے۔ فرمانے لگے آج سمجھدار شخص آیا ہے نہیں تو لوگ یونہی کہہ دیا کرتے تھے "جنے امداد اللہ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ (۱)

لیکن پھر بھی "مجمع کثیر" میں دعویٰ کرتے ہیں کہ

"........ یہ جو میرا طریقہ ہے بعینہٖ یہی صحابہ رضی اللہ عنہم کا طریق ہے، اس پر ثابت قدم رہنا........" (۲)

احادیث صحیحہ میں جھاڑ پھونک، دم (سوائے اس کے جس میں شرکیہ کلمات نہ ہوں)، تعویذ، تولہ (محبت پیدا کرنے کا ٹونکا) کی ممانعت آئی ہے اور ان عملیات کو شرک کہا گیا ہے (۳) لیکن "حضرت قطب ارشاد" کے ایک سے بڑھ کر ایک عملیات اسی کتاب "تذکرۃ الرشید" میں نقل کئے گئے ہیں۔ (۴)

☆ دردِ زہ، قرار حمل، حصول مقصد، بدچلنی، آسیب، جملہ امراض، محبت، اصحاب کہف، وغیرہ وغیرہ کے تعویذ دینے کا "حضرت" کا عام معمول تھا۔ (۵) بعض دفعہ تو سو سو تعویذ روز لکھ کر دیتے۔ (۶)

☆ غیب دانی کے تو "حضرت قطب ارشاد" کے اتنے واقعات اس کتاب میں بیان کئے گئے ہیں کہ ان کا ذکر ہی کیا۔ ایسا لگتا ہے کہ غیب ان کے لئے غیب نہیں بلکہ شہود ہی شہود ہے۔

کیا ان "کارناموں" کو قرآن وحدیث کے مطابق کہا جا سکتا ہے؟ کیا یہی کتاب وسنت کا مسلک ہے؟ کیا اس طرزِ عمل کی دعوت دینا "اشاعت التوحید والسنۃ" ہے؟ وہ الفاظ دوبارہ پڑھ لئے جائیں جو جمعیت کے دستور کی شق ۲ دفعہ ا میں تحریر ہیں کہ

"بانی جماعت، مجدد دوراں، سند المفسرین، قدوۃ المحدثین، سلطان العارفین، اہل السنۃ والجماعت کے بطل جلیل، الامام، العلامہ حضرت مولانا حسین علی الوانی (واں بھچروی) رحمۃ اللہ جو عارف باللہ قدوۃ السالکین حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد خاص اور ان کے طرزِ عمل کے داعی تھے، کا مسلک یقیناً قرآن کریم اور سنت صحیحہ کے عین مطابق ہے ......"

سنت کی اشاعت کے دعویداروں کا خلاف سنت ایک اور طرزِ عمل پیری مریدی ہے۔ قرآن وحدیث سے تعلق کے دعویدار بھی قرآن وحدیث کے منافی اس دنیائے تصوف پر فریفتہ نظر آتے ہیں۔ قرونِ اولیٰ میں تصوف کا کوئی نام بھی نہ جانتا تھا۔ تصوف کی اصطلاحات غوث، وحدت الوجود، وحدت الشہود، حلول، معرفت، طریقت، حقیقت، قطب، قیوم، ابدال، قلندر، کشف وکرامات، خانقاہ، تکیہ وغیرہ کا لفظ قرآن میں کہیں نہیں ملتا اور احادیث بھی ان کے ذکر سے خالی ہیں۔ رسولؐ سے نہ دم کشی ثابت ہے نہ قلب پر ضربات لگانے کا کہیں ذکر، نہ پاس انفاس نہ نفی اثبات، نہ شغل اسم ذات، نہ بیعت وسلوک نہ صوفیانہ مجاہدے، نہ چلے نہ مراقبے۔ سب مفقود۔ یہ علم صاف طور پر غیر اسلامی ہے اور اسلام میں دوسری صدی ہجری کی پیداوار ہے۔ جب مسلمان یونانی اور ہندوستانی فلسفۂ مذہب سے متاثر ہوئے تو انہوں نے تصوف کا پیوند اسلام میں لگا دیا۔ ایسی غیر اسلامی اور خلاف دین چیز کے لئے جب "حکیم الامت" یہ تجویز فرمائیں کہ "تصوف کے بغیر کام نہیں چل سکتا" (۷) تو پھر کوئی اس سے بھلا کیوں کر لاتعلق رہے! چنانچہ بانی جمعیت اشاعۃ التوحید الوانی صاحب کے پوتے صفی الرحمن کے بقول

"مولانا حسین علی جب ہندوستان سے واپس تشریف لائے تو کسی ایسے ولی کامل کی تلاش کرنے لگے جس سے مدارج سلوک ومعرفت حاصل کر سکیں۔ چنانچہ علاقہ موسیٰ زئی شریف کے پیر طریقت، ماہر شریعت، زاہد وعابد خواجہ محمد عثمان صاحب نقشبندی مجددی جو مشہور ومعروف ولی تھے، کے ہاتھ پر بیعت ہوئے۔ خواجہ صاحب حاجی دوست محمد قندھاری کے خلفاء میں سے تھے۔ خواجہ صاحب معروف عالم دین بھی تھے اور کثیر تعداد میں سند یافتہ علماء آپ کے پاس رہتے تھے۔ موسم گرما میں خواجہ صاحب سون سکیسر تشریف لاتے تھے۔ ایسے ہی ایک موقع پر مولانا حسین علی سون سکیسر (ڈیپ) گئے اور خواجہ صاحب سے ملاقات کی۔ خواجہ صاحب نے پوچھا "کہاں سے آئے ہو؟" آپ نے کہا "واں بھچراں" سے۔ فرمایا مولوی حسین علی کا کچھ حال معلوم ہے؟ عرض کیا خیریت سے ہے اور آپ کے سامنے موجود ہے۔ خواجہ صاحب ان کو لے گئے اور نہایت عزت سے ٹھہرایا۔ حضرت مولانا حسین علی نے اس موقع پر خواجہ صاحب سے بیعت کی۔" (۸)

عنایت اللہ شاہ بخاری صاحب جو اپنی وفات سے پہلے جمعیۃ اشاعت التوحید والسنۃ کے سربراہ تھے، ان کیلئے تو جمعیت کا نقیب مجلہ اپنی ہر تحریر میں "پیر طریقت" ہی کا لفظ استعمال کرتا ہے۔ حد یہ ہے کہ محمد حسین نیلوی صاحب بھی شاہ صاحب کے لئے "پیر طریقت حضرت مولانا" کے الفاظ استعمال کرتے ہیں (۹) جن کے نام کے ساتھ "شیخ الحدیث والتفسیر حضرۃ علامہ مولانا مفتی" کا سابقہ بھی ہوتا ہے۔ نہ جانے یہ اصطلاح کس آیت کی تفسیر اور کس حدیث کی شرح ہے جبکہ طریقت تو شریعت اسلامی کے خلاف اختراع کردہ دین ہے!

اکابرین سے محبت میں غلو

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کی یہ صفت بیان کی ہے کہ وہ اللہ کی محبت میں شدید ہوتے ہیں (۱۰) یعنی اللہ سے محبت ہر محبت پر فائق، اللہ سے وفاداری ہر وفاداری سے برتر وبالا، اللہ سے تعلق ہر تعلق سے اولیٰ واعلیٰ، اللہ سے نسبت ہر نسبت پر حاوی۔ لیکن "لوگوں میں سے کچھ ایسے ہیں جنہوں نے اللہ کے ہمسر ٹھہرا رکھے ہیں، وہ ان سے ایسی محبت کرتے ہیں جیسی اللہ سے۔" (۱۱) یہی وجہ ہے کہ جب اس قسم کے لوگوں کے اکابرین کی کھلے شرک وکفر پر مبنی تحریریں ان کے سامنے پیش کی جاتی ہیں تو یہ ایمان کے دعویدار لوگ ایمان والوں کا طرز اختیار کر کے وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ کا حق ادا کرتے ہوئے ان اکابرین سے برأت وبیزاری ظاہر نہیں کرتے بلکہ آیت کے پہلے حصے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ کا ثبوت فراہم کرتے ہوئے انہی سے

(۱) تذکرۃ الرشید: حصہ دوم، ص۔۲۹۱ (۲) ایضاً حصہ دوم، ص۔۳۲ (۳) مسند احمد، سنن ابی داؤد، وغیرہ۔ تفصیل ہمارے کتابچے "تعویذات اور شرک" میں دیکھئے۔ (۴) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص۔۲۹۲ وغیرہ (۵) ایضاً (۶) ایضاً، حصہ دوم، ص۔۳۰۳ (۷) الافاضات الیومیہ، جلد ۱۰، صفحہ ۸۷، بحوالہ جامعہ فاروقیہ، کراچی کا ماہانہ مجلہ "ندائے الحق" نومبر ۱۹۹۳ء، صفحہ ۲۶ (۸) نقیب توحید، اپریل ۱۹۹۲ء، ص۔۲۷ (۹) نقیب توحید، جنوری ۱۹۹۳ء، ص۔۳۷ (۱۰) وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلَّهِ [البقرہ ۱۶۵] (۱۱) وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللَّهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللَّهِ [ایضاً]

پڑھتے رہتے ہیں۔ پھر ان کی تحریروں میں اس طرح کے رنگ نظر آتے ہیں جیسے اشاعتیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں:

(I) مجلس مفتنہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

الف: اشاعۃ التوحید والسنۃ کا مسلک عدم سماع موتی ہے۔

ب: سماع موتی عند القبور کے قائلین قدیم کافر نہیں تھے۔

ج: سماع موتی عند القبور کے قائلین میں سے کوئی بھی ہماری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔

د: سماع موتی عند القبور کے قائلین کو کافر کہنے والا بھی ہماری جماعت کا رکن نہیں بن سکتا۔ (۱)

(II) مجلس مفتنہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

"سماع موتی کا عقیدہ قرآن کریم کے خلاف ہے۔ قرآن کریم میں سماع موتی ثابت نہیں ہے۔ جو لوگ بمشیۃ اللہ معجزۃ للعادۃ عند القبور سماع کے قائل ہیں وہ کافر نہیں ہیں اور جو لوگ سماع موتی ہر وقت ہر دور کے قائل ہیں وہ ہمارے نزدیک دائرہ اسلام سے خارج ہیں۔" (۲)

(III) مجلس مفتنہ اشاعۃ التوحید والسنۃ پاکستان کا فیصلہ

"چونکہ سماع موتی کا نظریہ ظاہر قرآن کے خلاف ہے اس لئے اشاعت التوحید والسنۃ کے ارکان اس کے علی الاطلاق قائل نہیں البتہ جو احادیث صحیحہ اس سلسلے میں وارد ہیں ہم ان میں تاویل کو مناسب سمجھتے ہیں۔ البتہ ہم ایسے الفاظ کی اجازت نہیں دیتے جن سے سلف صالحین میں سے کسی کی تکفیر لازم آتی ہو۔

ہاں جو ہمارے نزدیک سے مطلقاً موتی کے سننے کا قائل ہو تو وہ شرک فی السمع کا مرتکب ہو کر مشرک قرار پائے گا۔" (۳)

یہ بھی خوب رہی کہ ایک عقیدہ خلاف قرآن ہو اور سراسر "کفر" ہو لیکن اس عقیدے کے ماننے والے کو "کافر" نہ کہا جائے۔ یہ تو وہ بات ہوئی کہ قتل کرنے والے کو "قاتل" اور چوری کرنے والے کو "چور" نہ کہا جائے۔ دراصل یہ معاملہ وقار اور محبت کا ہے۔ جس کا وقار نظروں میں ہوگا اس کی بات کو فوقیت دی جائے گی۔ مالک کائنات اپنے لئے وقار کی کا شکوہ اپنی کتاب میں اس طرح کرتا ہے:

مَا لَكُمْ لَا تَرْجُونَ لِلَّهِ وَقَارًا ۞ (نوح ۱۳)

"تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم اللہ کے وقار کو نہیں رکھتے۔"

مَا قَدَرُوا اللَّهَ حَقَّ قَدْرِهِ (الحج ۷۴)

"افسوس! ان لوگوں نے اللہ کی قدر ہی نہ کی جیسا کہ اس کا حق ہے۔"

ورنہ جس کے دل میں اللہ کی عظمت وجلالت اور اس کے وقار کا احساس ہو اور جو اس کی کتاب میں دیے گئے حکم کو بھی مانتا ہو کہ

وَمَنْ لَمْ يَحْكُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ ۞ (المائدہ ۴۴)

"اور جو اللہ کے نازل کردہ (قرآن) کے مطابق فیصلہ نہ کریں تو وہ سب کافر ہیں۔"

تو اس کی زبان درج ذیل واقعات پڑھ کر خاموش نہیں رہ سکتی:

(I) **حکایت** ۳۰: خان صاحب نے فرمایا کہ شاہ ولی اللہ صاحب جب شکم مادر میں تھے کہ ان کے والد ماجد شاہ عبدالرحیم صاحب ایک دن خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر حاضر ہوئے اور مراقب ہوئے اور اس کے بعد توجہ تھی۔ خواجہ صاحب نے فرمایا کہ تمہاری زوجہ حاملہ ہے اور اس کے پیٹ میں قطب الاقطاب ہے۔ اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ اقرار اور تسلیم فرمایا اور آکر بھول گئے۔ ایک روز شاہ صاحب کی زوجہ نماز میں تھیں۔ جب انہوں نے دعا مانگی تو ان کے ہاتھوں میں دو چھوٹے چھوٹے ہاتھ معلوم ہوئے۔ وہ ڈر گئیں اور پھر آکر شاہ صاحب سے فرمایا کہ یہ کیا بات ہے؟ فرمایا: ارواح تمہارے پیٹ میں ولی اللہ ہے۔ یہی اس لئے اصل نام تو قطب الدین احمد رکھا گیا۔ اور اکثر تحریرات میں اس نام حضرت شاہ صاحب لکھتے بھی تھے اور مشہور ولی اللہ ہوئے۔ (۴)

(II) **حکایت** ۲۰۳: فرمایا کہ ایک صاحب کشف حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر فاتحہ پڑھنے گئے۔ بعد فاتحہ کہنے لگے کہ بھائی یہ کون بزرگ ہیں بڑے دل لگی باز ہیں۔ جب میں فاتحہ پڑھنے لگا تو مجھ سے فرمانے لگے کہ جاؤ کسی مردہ پر پڑھو یہاں زندوں پر فاتحہ پڑھنے آئے ہو۔ کیا بات ہے۔ جب لوگوں نے بتایا کہ یہ شہید ہیں۔ (۵)

(III) **حکایت** ۳۳۴: حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمن صاحب مرحوم نے فرمایا کہ مولانا احمد حسن صاحب امروہی اور مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی میں باہم معاصرانہ چشمک تھی اور اس نے بعض حالات کی بنا پر ایک مخاصمہ اور منازعت کی صورت اختیار کرلی اور مولانا محمود الحسن کو اصل جھگڑے میں نہ شریک نہ انہیں اس قسم کے امور سے دلچسپی تھی مگر صورتحال ایسی پیش آئی کہ مولانا بھی احباب کے نیم جانبدار رہنے کی ایک جانب جھک گئے۔ اور یہ واقعہ طول پکڑ گیا۔ اسی دوران میں ایک دن علی الصبح نماز فجر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمود الحسن صاحب کو اپنے حجرہ میں بلایا اور مولانا حاضر ہوئے اور حجرہ کے کواڑ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ پہلے یہ میرا روئی کا لبادہ دیکھو۔ مولانا نے دیکھا تو تر تھا اور خوب بھیگ رہا تھا۔ فرمایا کہ واقعہ یہ ہے کہ ابھی ابھی مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جسد عنصری کے ساتھ میرے پاس تشریف لائے تھے جس سے میں ایک دم پسینہ پسینہ ہو گیا اور میرا لبادہ تر بتر ہو گیا۔ اور فرمایا کہ محمود حسن کو کہو کہ وہ اس جھگڑے میں نہ پڑے۔ بس میں نے یہ کہنے کے لئے بلایا ہے۔ مولانا محمود حسن صاحب نے عرض کیا کہ حضرت میں آپ کے ہاتھ پر توبہ کرتا ہوں کہ اس کے بعد میں اس قصے میں کچھ نہ بولوں گا۔ (۶)

(IV) **حکایت** ۳۰۰: ایک طویل حکایت کا خلاصہ ہے کہ میر عبداللہ گنگوہی کا ایک پوتا بیعت کے لئے اپنے دادا کے ایک خلیفہ نظام الدین کے پاس پہنچ آتا ہے۔ وہ جب اس سے سخت مشقت کا کام لیتے ہیں تو عرصہ دراز پہلے فوت ہو جانے والے گنگوہی صاحب اپنے خلیفہ کے خواب میں آکر سرزنش کرتے ہیں کہ "نظام الدین میں نے تو تجھ سے اتنی کڑی محنت نہیں لی تھی تو نے میری اولاد سے لی۔" (۷)

(V) شاہ ولی اللہ کے والد شاہ عبدالرحیم صاحب

"فرماتے تھے میں خواجہ قطب الدین قدس سرہ کے مزار کی زیارت کے لئے گیا تھا۔ اس خیال سے کہ مجھے اپنی آنکھوں اور آنسوؤں کو اس پاک جگہ میں نہیں لے جانا چاہئے۔ ان کے مزار کے قریب پہنچتے پر ظاہر ہو گیا۔ اس جگہ ان کی روح ظاہر

(۱) [illegible] ۱۹۸۵ [illegible] (۲) [illegible] ۱۹۹۲ [illegible] (۳) [illegible] ۱۹۹۳ [illegible] (۴) [illegible] ۱۸۸
(۵) [illegible] ۲۴۳ [illegible] (۶) [illegible] (۷) [illegible] ۲۵۲

ہوئی اور فرمایا آگے آؤ۔ میں دو تین قدم آگے چلا گیا۔ اس وقت میں نے دیکھا کہ چار فرشتوں نے ان کی قبر کے نزدیک ایک تخت اتارا ہے۔ معلوم ہوا کہ اس تخت پر خود نقش بند تھے۔ دونوں بزرگوں نے آپس میں راز و نیاز کی باتیں کیں جو سنائی نہیں دیتی تھیں۔ پھر تخت فرشتے اٹھا کر لے گئے۔ فرماتے تھے دوسری مرتبہ ان کے مزار کی زیارت کے لئے گیا ان کی روح ظاہر ہوئی، اور فرمایا تمہارے ہاں ایک فرزند ہوگا، اس کا نام قطب الدین احمد رکھنا۔ چونکہ میری بیوی سن ایاس کو پہنچی ہوئی تھی۔ مجھے خیال گذرا کہ اس سے مراد بیٹے کا بیٹا یعنی پوتا ہے۔ وہ خیال سے آگاہ ہو گئے۔ فرمایا میرا یہ مقصد نہیں ہے، یہ فرزند تیری پشت سے پیدا ہوگا۔ ایک مدت کے بعد دوسری شادی کا خیال پیدا ہوا۔ راقم الحروف (شاہ ولی اللہ) پیدا ہوا۔ میری پیدائش کے وقت یہ واقعہ ان کے ذہن سے اتر گیا۔ میرا نام انہوں نے ولی اللہ رکھ دیا۔ پھر عرصے کے بعد یاد آیا تو دوسرا نام قطب الدین احمد رکھا۔"(۱)

(VI) "اس فقیر (شاہ ولی اللہ) نے ان احباب سے جو اس واقعہ کے عینی شاہد تھے سنا ہے کہ ایک مرتبہ حضرت والد ماجد مخدوم شیخ اللہ دیہ کے مزار کی زیارت کے لئے ڈاسنہ میں گے تھے۔ رات کا وقت تھا۔ اسی جگہ آپ نے فرمایا مخدوم صاحب ہماری دعوت کرتے ہوئے فرماتے ہیں کچھ کھا کر جائیں.........."(۲)

(VII) "......ہم ایک سایہ دار درخت کے نیچے اترے۔ تمام احباب سو گئے۔ میں ان کے کپڑوں کی حفاظت کے لئے جاگتا رہا۔ اسی اثنا، میں میں نے چند سورتیں تلاوت کیں۔ وہاں چند قبریں تھیں۔ صاحب قبر باتیں کرنے لگا۔ اس نے کہا عرصہ ہوا قرآن نہیں سنا اور میں اس کے سننے کا بڑا مشتاق ہوں اگر کچھ اور تلاوت کریں تو بڑا احسان ہوگا۔ میں نے کچھ اور پڑھا۔ جب میں خاموش ہوا اس نے پھر درخواست کی۔ تیسری بار بھی پڑھا۔ پھر وہ مخدوم برادر گرامی جو پاس ہی سو رہے تھے کو خواب میں ظاہر ہوا اور کہا میں نے انہیں بار بار تلاوت کے لئے کہا، انہوں نے قبول کیا۔ اب مجھے انہیں کہتے ہوئے شرم آتی ہے اور میرا شوق باقی ہے۔ آپ ان سے کہیں کہ کچھ زیادہ پڑھیں۔ وہ بیدار ہوئے اور مجھے کہا میں نے زیادہ تلاوت کیا۔ یہاں تک کہ میں نے اس صاحب قبر کو بہت خوش پایا۔ اس نے کہا جزاك الله عني خير الجزاء۔ پھر میں نے اس سے عالم برزخ کے حالات پوچھے۔ اس نے کہا مجھے ان قبروں میں سے کسی کا حال معلوم نہیں لیکن اپنا حال بیان کرتا ہوں........"(۳)

(VIII) "فرماتے تھے کہ میرے والد شہید ہوئے تھے۔ بعض اوقات میرے لئے متشکل ہو جاتے تھے اور موجود اور آئندہ کی خبریں دیتے تھے۔"(۴)

(IX) "حضرت والد ماجد پھلت میں تھے، عرس کا دن تھا۔ ایک بزرگ تشریف لائے تو انہوں نے نغمہ شروع کر دیا۔ کچھ دیر کے بعد فرمایا کہ شیخ ابوالفتح کی روح ظاہر ہو کر رقص کر رہی ہے........"(۵)

(X) "حضرت والد ماجد جب مخدومی شیخ محمد قدس سرہ کی قبر کے نزدیک بیٹھتے تو فرماتے کہ ان کی روح نماز میں میری اقتدا کرتی ہے اور مجھ سے علوم و معارف سنتی ہے۔ ایک مرتبہ اس فقیر کی طرف متوجہ ہوئے اور بعض معارف بیان فرمائے۔ اس کے بعد فرمایا کہ ان کی روح نے کہا فلاں کو معرفت کی کچھ تعلیم دو۔ لامحالہ یہ بیان کیا گیا۔"(۶)

یہ ان بے شمار واقعات میں سے صرف دس واقعات ہیں جو ان لوگوں کی کتابوں میں بکھرے ہوئے ہیں جنہیں یہ اشاعتی اپنے "اسلاف" شمار کرتے ہیں۔

واضح رہے کہ یہ واقعات "آج کل کے دیوبندیوں" کے لکھے ہوئے نہیں ہیں جنہیں اشاعتی لوگ "دیوبندیت کی پیشانی پر بدنما داغ" اور "دیوبندیت کے لئے گالی" کہتے ہیں (۷) بلکہ ان میں سے شروع کے چار واقعات تو ان کے ممدوح حکیم الامت کے بیان کردہ ہیں جن کے متعلق اشاعتیوں کے پیر طریقت کا کہنا ہے کہ "حضرت تھانوی کا عقیدہ عدم سماع موتی کا تھا" (۸)، اور چوتھا واقعہ تو ان کی جمعیت کے بانی کے استاد نے بھی بیان کیا ہے جن کے مسلک کی یہ لوگ دعوت دیتے ہیں۔ آخر کے چھ واقعات اس "ذات شریف" کے بیان کردہ ہیں جس کا تعارف "حضرۃ مولانا سید محمد حسین نیلوی مدظلہ" نے ان الفاظ سے کرایا ہے:

"حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز" (۹)

جمعیت کے اوپر بیان کردہ اپنے پہلے فیصلے میں انہوں نے کہا کہ:

"سماع موتی عند القبور کے قائلین کو ہم کافر نہیں کہتے۔"

دوسرے فیصلے میں "بمشیئۃ اللہ خرقا للعادۃ" کا استثنی شامل کر دیا۔ تیسرے فیصلے میں یہ اضافہ کیا کہ:

"ہاں جو دور و نزدیک سے مطلقاً موتی کے سننے کا قائل ہو تو وہ شرک فی السمع کا مرتکب ہو کر مشرک قرار پائے گا۔"

مذکورہ بالا دس واقعات ثابت کرتے ہیں کہ ان کے بیان کرنے والوں کا عقیدہ "سماع موتی عند القبور" کا ہے، نہ صرف سماع کا بلکہ اسماع یعنی اپنا کلام سنانے کا بھی عقیدہ ہے۔ اور واضح رہے کہ کسی بھی واقعے میں بمشیئۃ اللہ خرقا للعادۃ کا کوئی استثنی نہیں ہے بلکہ یہ سماع اور اسماع مطلق ہے۔ تو کیا اشاعت التوحید والے اپنے بانی جماعت کے استاد "قطب ارشاد" رشید احمد گنگوہی (جن کے مسلک کے یہ لوگ داعی ہیں)، ان کے "خلیفہ خاص حکیم الامت" اشرف علی تھانوی اور ان سب کے مقتداء "حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز" کو اپنے اس فیصلے کی رو سے مشرک قرار دیں گے؟ نہیں، کیونکہ وہ ساتھ ہی یہ بھی فیصلہ کر چکے ہیں کہ:

"ہم ایسے الفاظ کی اجازت نہیں دیتے جن سے سلف صالحین میں سے کسی کی تکفیر لازم آتی ہو۔"

بلکہ وہ مسلک و اکابر پرستی کے دفاع میں یہ "داؤ پیچ" لگاتے ہیں کہ یہ عبارات، جن سے کفر و شرک لازم آتا ہے، ان لوگوں کی اپنی تحریریں ہی نہیں بلکہ یہ "ادخال الداخلین" ہیں۔ (۱۰) یہ بالکل وہی بات ہے جو بریلوی مکتب فکر شاہ ولی اللہ کی کتاب "البلاغ المبین" کو ان کی اپنی کتاب ہی تسلیم نہیں کرتا (۱۱) کیونکہ اس کتاب میں توحید کے مضامین بیان کئے گئے ہیں جن سے بریلویوں کے ان عقائد کی نفی ہوتی ہے جن کی تصدیق فاضل مصنف کی ہی دوسری کتاب "انفاس العارفین" سے ہوتی ہے۔ یعنی نؤمنون ببعض الکتب و نکفرون ببعض* والی بات ہے۔ ان

(۱) انفاس العارفین از شاہ ولی اللہ، ص۔ ۳۸، ۳۹ (۲) ایضاً، ص۔ ۸۰، ۸۱ (۳) ایضاً، ص۔ ۸۱، ۸۲ (۴) ایضاً، ص۔ ۸۲، ۸۳ (۵) ایضاً، ص۔ ۸۳ (۶) ایضاً، ص۔ ۸۳ (۷) نقوۃ توحید، نومبر ۱۹۹۲، ص۔ ۳۲ (۸) نقوۃ توحید، جون ۱۹۹۲، ص۔ ۱۲، ۱۳ (۹) نقوۃ توحید، اپریل ۱۹۹۳، ص۔ ۳۷ (۱۰) جولائی ۱۹۹۲ کے نقوۃ توحید میں "ادخال الداخلین" کے نام سے

بقیہ اگلے صفحے پر

کتابوں کا جو مواد اپنے مزعومہ عقائد کی تائید کرے وہ تو لکھنے والوں کی اپنی تحریر، اور جو مواد ان کا رد کرے اسے "ادخال الباغین" کے کھاتے میں ڈال دیا جائے!

ہمیں کسی سے کوئی بیر، کینہ وحسد نہیں۔ اگر واقعی "سلف صالحین" کی کتابوں میں یہ کفر وشرک کو لازم کرنے والی عبارات بعد کے باغی لوگوں کی داخل کی ہوئی ہیں تو اس کو ثابت کیا جائے اور پھر ان کی اشاعت بند کردی جائے۔ لیکن لطیفہ یہ ہے کہ یہ کتابیں انہی عبارات کے ساتھ برابر من وعن شائع ہورہی ہیں اور انہیں خارج از متن کرنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی جاتی۔ تبلیغی جماعت میں قرآن وحدیث کا علم رکھنے کے بڑے بڑے دعویدار موجود ہیں، لیکن تبلیغی نصاب میں موجود کفر وشرک پر مبنی مواد کی طرف بہتیرے لوگوں نے تحریر وتقریر کے ذریعے نشاندہی کی لیکن آج تک اس کتاب میں سے ایک لفظ بھی نہیں نکالا گیا بلکہ جس طرح مؤلف زکریا کاندھلوی صاحب نے قلمبند کیا اسی طرح لفظ بہ لفظ چھپ رہا ہے۔ صرف اتنا کیا جاتا ہے کہ لوگوں کے اعتراض سے بچنے کے لئے تبلیغ والوں کو ان کے "اکابرین" یہ واقعات عام مجمعے میں بیان کرنے سے منع کردیتے ہیں۔ تاہم انہیں درست ہی جانتے ہیں۔ اور ایسا بھی نہیں کہ یہ کتابیں کوئی اور چھاپتا ہو اور اپنی طرف سے یہ عبارتیں داخل کردیتا ہو، بلکہ تصنیف، تالیف، کتابت، طباعت، اشاعت ہر کام ان کے اپنے اداروں میں ہوتا ہے۔ تو پھر اس میں ادخال الباغین کا کہاں دخل ہوا؟ سب کرنے کرانے والے اپنے ہی تو ہیں! کیا ان کے اپنے ادارے بھی ان "باغیوں" میں شامل ہیں!

آج کی سرکردہ ہستیوں کے عقائد میں بھی یہ سب باتیں پائی جاتی ہیں۔ "مفتی اعظم پاکستان" نے خود اپنی تحریر میں بیان کیا کہ ایک افریقی نے نبی ﷺ کی قبر پر آکر السلام علیکم کہا تو قبر سے جواب آیا وعلیکم السلام۔ قوالی سننے والے ایک پیر صاحب کے مرید نے نبی ﷺ کی قبر پر اپنے پیر صاحب کا سلام کہا تو نبی ﷺ نے فرمایا اپنے بدعتی پیر کو بھی ہمارا سلام کہہ دینا۔ (ماہنامہ البلاغ ہفوات اعظم ۱۹۹۳ء ص ۱۰۰۰۰)۔ واضح رہے کہ یہ کوئی "دیوبندیت کے نام پر بدنما داغ" اور "دیوبندیت کے لئے گالی" والے دیوبندی نہیں ہیں بلکہ "حضرت مولانا مفتی محمد شفیع" ہیں "جن کی تعریفی رائے بحق بانی جمعیت اشاعت التوحید والسنہ اپریل ۱۹۹۲ء کے تحفہ توحید کی بایں الفاظ زینت بن چکی ہے:

"مولوی حسین علی، مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد ہیں۔ حقی بزرگ، متبع شریعت، بدعات وضلالات کو مٹانے والے ہیں۔ اسی وجہ سے بدعتی لوگ ان کے مخالف اور دشمن ہیں۔ بدعتیوں کے اقوال ان کے بارے میں غلط ہیں۔ مسلمانوں کو ان سے بدظن نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ حضرت سے بیعت کرلی جائے جو موجب برکت ہے۔" (ص ۳۵)

ان کے صفحے بیٹے اسی رسالے "البلاغ" میں اس قسم کی تحریریں آج بھی لکھتے ہیں، جنہیں کسی طرح بھی "ادخال الباغین" کی نذر نہیں کیا جاسکتا۔ لیکن اگر ان تمام تحریروں کو بیک جنبش قلم رد بھی کردیا جائے تو کیا پیچھے مذکور "بلغۃ الحیران" کی وہ تحریر بھی "ادخال الباغین" ہے۔ جس میں حسین علی الوانی نے اپنے "مبشرات" بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ انہوں نے نبی ﷺ کو گرتے دیکھا تو آگے بڑھ کر آپ کو تھام لیا؟ اسلاف کے زیر نظر "کارناموں" کو دوسروں کی دسیسہ کاری کا نتیجہ قرار دینے کے لئے "ادخال الباغین" کی دفاعی اصطلاح انہی الوانی صاحب کی اپنی ایجاد ہے (تحفہ توحید جولائی ۱۹۹۹ء ص ۲۰)۔ الوانی صاحب کے معتقدین اشاعتی بتائیں کہ خود الوانی صاحب کی کتاب میں مذکورہ بالا تحریر بھی "ادخال الباغین" کا نتیجہ ہے؟ اگر ہاں تو پھر اس تحریر کو اس کتاب سے نکال کیوں نہیں دیا جاتا؟ اگر اس کے درست ہونے پر اصرار ہے تو پھر بریلویوں، شیعوں اور دیوبندیوں نے کیا قصور کیا ہے۔ ان کے لٹریچر میں موجود قرآن وسنت کے منافی مواد کو بھی

صفحہ گزشتہ سے آگے: ایک طویل مضمون چھاپا ہے۔ جس میں عنایت اللہ بخاری نے ایک انٹرویو کی صورت میں چودہ مثالیں دے کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ اسلاف کی کتب میں قابل گرفت مواد ان کی اپنی تحریر نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کی تحریف ہے۔ [illegible] "ادخال الباغین" قرار دیا جائے۔ [illegible] کیا اصول بریلوی کتب پر بھی لاگو ہوگا جو ان اسلاف کی تحریروں میں موجود بریلویوں کے اختیار کردہ کفر وشرک وبدعات کے رد میں موجود مواد کو ان اسلاف کی اپنی تحریر نہیں بلکہ بعد کے لوگوں کی کارفرمائی قرار دیتے ہیں؟

اور "ادخال الباغین" کی یہ چودہ مثالیں بھی غیر حقیقی ہیں۔ مثال نمبر ۹ کے تحت میں شاہ صاحب بیان کرتے ہیں کہ جب اشرف علی تھانوی نے زاد السعید میں "نعلین مبارک" کا نقشہ دے کر اس سے توسل کے فضائل بیان کئے تو مفتی کفایت اللہ صاحب نے ان سے مذاکرہ [illegible] تھانوی صاحب کو رجوع کرنے پر مجبور کردیا۔ [illegible] "زاد السعید" [illegible] شاہ صاحب کی یہ تحریر محل نظر ہے [illegible] اور لطیفہ یہ ہے کہ مفتی کفایت اللہ کی تحریک پر تھانوی صاحب نے [illegible] "ضروری توضیح" [illegible] کے آخر میں شامل ہوتی ہے:

"حضرت اقدس حکیم الامت مولانا تھانوی مدظلہ کے رسالے نیل الشفاء سے اس اعلان رجوع کا مطلب یہ ہے کہ [illegible] اب حضرت مولانا [illegible] عوام نے [illegible] اس کا حاصل [illegible] حضرت مولانا کی اجازت سے شائع کی گئی۔"

[illegible] "عوام" "کو رجوع" [illegible] البتہ ایک بات واضح ہوگئی کہ بریلویوں کی اس تحقیق [illegible] اشاعت [illegible] نواب [illegible] صاحب کا مقصد [illegible] "ہم کتاب کی بعض باتوں کو مانتے ہیں اور بعض کا انکار کرتے ہیں" (البقرۃ: ۸۵)

درست مانا جائے اور کسی "ادخال الباغیین" کی کاروائی نہ سمجھا جائے بلکہ کتاب وسنت کے ماننے والے ایک سچے مومن کا جو طرز عمل ہوتا ہے وہ اختیار کیا جائے: وہی طرز عمل جو ابراہیم علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھیوں نے اپنی قوم کی کفریہ شرکیہ روش کو دیکھ کر اختیار کیا تھا اور جسے اللہ نے بعد کے ایمان والوں کے لئے اسوہ حسنہ ٹھہرایا ہے کہ یوں کہیں:

"ہم تم سے بری و بیزار ہیں اور ان سے بھی جن کو تم اللہ کے علاوہ پوج رہے ہو۔ ہم تمہارا کفر کرتے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کے لئے دشمنی رہے گی جب تک کہ تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔" (۱)

لیکن اسلاف پرستی کے شکار اشاعتیوں میں اتنی جرأت نہیں۔ توحید اور اکابر پرستی ایک ساتھ نہیں چل سکتی۔ اگر توحید کو اپناتے ہیں تو کفر بالطاغوت لازم ہوگا اور ان کے سارے اکابرین اپنی ان کفریہ شرکیہ عبارتوں کی وجہ سے کافر ٹھہریں گے۔ دراصل دونوں کشتیوں میں ایک ساتھ سواری کے لئے یہ "ادخال الباغیین" کی حیلہ سازی ایجاد کی گئی۔ ان کے شیخ القرآن نے اس سلسلے میں ایک خود ساختہ قاعدہ مقرر کرلیا کہ

"بزرگان دین کی وہ عبارتیں جو کتاب وسنت کے خلاف ہوں، ان کے رد و قبول کا قاعدہ یہ ہے کہ اگر واقعی وہ اللہ کا نیک بندہ اور ولی ہے تو یہ بات قابل تسلیم نہیں کہ اللہ کے اس نیک بندے نے کوئی بات توحید کے خلاف کی ہو جیسا کہ اللہ نے عیسائیوں کے اس قول کے جواب میں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہمیں فرما گئے ہیں کہ مجھے پکارا کرو فرمایا یہ غلط ہے ما کان لبشر ان یؤتیه الله الکتاب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون الله (الآیہ) بلکہ وہ مشرکوں کی طرف سے افتراء ہوگا جیسا کہ یہودیوں نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے ذمہ غیر اللہ کی پکار لگا دی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وما کفر سلیمن ولکن الشیطین کفروا (الآیہ)

اور اگر یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ جائے کہ وہ قول واقعی اس بزرگ کا ہے تو پھر اس قول کی توجیہہ کی جائے گی اور اس کا ایسا مطلب بیان کیا جائے گا جو کتاب وسنت کے عین مطابق ہو۔ لیکن اگر وہ قول ناقابل توجیہہ ہو اور کتاب وسنت کی تعلیم کے مطابق اس کا کوئی مطلب نہ بن سکے تو صاف کہہ دیا جائے گا کہ وہ بزرگ صاحب حال ہے۔ معلوم نہیں کس حال میں اس سے یہ قول سرزد ہوا ہے۔ لہٰذا نصوص کتاب وسنت کے مقابلے میں ان کا قول قابل رد ہے۔" (۲)

اپنی دوسری تصنیف "تفسیر جواہر القرآن" میں اس بات کو اس طرح بیان کیا:

"......شرکیہ عبارت قرآن یا آسمانی کتاب کے علاوہ کسی دوسری کتاب میں منسوب کی جائے تو اس کی دو صورتیں ہیں۔ اول یہ کہ جس نیک بندے کی طرف وہ عبارت منسوب کی گئی ہے حقیقت میں وہ نیک ہے ہی نہیں اس لئے وہ عبارت مردود ہے۔ دوم یہ کہ وہ بندہ تو واقعی بزرگ اور نیک ہے۔ اس لئے اب یا تو یہ کہا جائے گا کہ اس شرکیہ عبارت کی نسبت اس نیک بندے کی طرف صحیح نہیں۔ شرک پسند لوگوں نے اس پر افتراء کیا ہے لہٰذا وہ عبارت قابل رد ہے۔ جس طرح حضرت سید عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ کی طرف ایک شرکیہ قصیدہ منسوب کردیا گیا ہے جو قطعاً حضرت شیخ کا نہیں ہے اور اگر اس عبارت کی نسبت اس بزرگ کی طرف صحت سے ثابت ہوجائے تو اس عبارت میں مناسب تاویل کرکے کتاب وسنت کے مطابق اس کا مطلب بیان کیا جائے گا۔ لیکن اگر وہ عبارت قابل تاویل بھی نہ ہو اور اس کا کوئی صحیح مطلب نہ نکل سکتا ہو تو اس عبارت کو بھی رد کردیا جائے گا اور سمجھا جائیگا کہ یہ بات اس بزرگ کی زبان سے غلبہ حال میں صادر ہوئی ہوگی جو احکام شرعیہ میں حجت نہیں.........." (۳)

یہ "غلبہ حال" کیا چیز ہوتی ہے؟ کیا یہ ایسی کیفیت ہوتی ہے کہ جب بندہ اپنے ہوش وحواس سے بیگانہ ہوجاتا ہے اور باوجود یہ کہ قرآن وحدیث کا جاننے والا ہے، قرآن وحدیث کا درس دینے والا ہے، ہزاروں اس کے شاگرد ہیں، مشکل سے مشکل موضوع پر اس کی بہتیری تصانیف موجود ہیں، اس کیفیت میں صریح کفر وشرک کرنے لگتا ہے! تو پھر تو ایسا شخص عقل سے عاری، دیوانہ ومجنوں ٹھہرے گا۔ پھر تو ایسے صریح کفر وشرک بکنے والے کیلئے یہ کہنا کسی طرح بھی طرح درست نہیں کہ انہوں نے ہی دین کو بچایا؛ قرآن وحدیث کی بے مثال خدمت کی؛ ان کی محفل وعظ میں تمام انبیاء واولیاء، جن وانس شرکت کرتے ہیں اور خضر علیہ السلام ہر ملنے والے سے کہتے ہیں کہ اگر نجات چاہتے تو ان کے وعظ میں شرکت کرو، وغیرہ، وغیرہ۔

بعض اوقات یہ لوگ جوش خطابت میں خود اپنے وضع کردہ قاعدے قانون کی خلاف ورزی کرتے ہوئے اس قسم کی باتیں کہہ جاتے ہیں:

"...... انسان کامل مومن تب بنتا ہے جب وہ ہر ایک طاقت کا، بلکہ صرف ایک اللہ کو مانے۔ اور اس کے مقابل جن جن کو لوگوں نے حاجت روا اور مشکل کشا بنا رکھا ہے، ان سب کی نفی کرے۔ ــ یہ بات ہمیں قرآن بتاتا ہے۔ لوگوں نے قرآن کو بس چومنے اور چاٹنے تک محدود کر رکھا ہے اور ایمان سارے کا سارا بزرگوں کی کتابوں پر رکھا ہوا ہے۔ قرآن سے پوچھتا ہی نہیں کہ تو ہی بتا سچا ایمان کیا ہے۔ مولوی تو کہتے ہیں کہ مردے سنتے ہیں۔ اس زمانے کی کتابوں کے مصنف کہتے ہیں کہ قبر کے اندر بھی سنتے ہیں۔ تو بھی تو بتا ــ ٭ بس قرآن سے پوچھتا ہی نہیں اور بزرگوں کی کتابوں اور قولوں سے مست ہوا رہتا ہے۔ جس بندے کا ایمان بزرگوں کی قولوں اور قولوں تک وقف ہو وہ کھوٹا ایمان ہے۔ کھرا اور خالص اس دن ہوتا ہے جس دن اس ایمان کو قرآن سے وصول کرے ــ سب سے خطرناک بت ہر زمانے کے بزرگ ہوتے ہیں۔ یہ کیا ہوا کہ جو چیز بزرگ کے منہ سے نکلے وہ قرآن سے بھی بڑھ جائے۔ ہرگز نہیں۔ سن لو توحیدیو! اگر عنایت اللہ شاہ وہ بات کہے جو قرآن کے خلاف ہو تو اشاعت التوحید والے آنکھ بند کرکے کہیں کہ جو عنایت اللہ شاہ نے کہا ٹھیک ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اشاعت التوحید والوں نے عنایت اللہ کو بت بنالیا ہے.........." (۴)

بزرگوں کی باتوں پر آنکھ بند کرکے ایمان لانا اور ان میں موجود صریح کفر وشرک کی تاویل کرلینا اور اگر کفر وشرک اس قدر صریح اور واضح ہو کہ اس کی تاویل بھی ممکن نہ ہو تو اس کو "غلبہ حال" پر محمول کرلینا کیا بزرگوں کو بت بنانے کے

(۱) کفرنا بکم وبدا بیننا وبینکم العداوۃ والبغضاء ابدا حتی تؤمنوا باللہ وحدہ (الممتحنۃ: ۴) (۲) جواہر التوحید ص ۳۵۲، ۳۵۳ (۳) تفسیر جواہر القرآن، تفسیر سورۃ آل عمران حاشیہ ۱۱۵ آیت ۸۰ صفحہ ۱۶۲

٭ شاہ صاحب خواہ مخواہ سماع موتی کے رد پر اتنا زور صرف کررہے ہیں کیونکہ ان کے اکابرین کے نزدیک یہ کوئی ایسا خاص مسئلہ نہیں ہے ان کے شیخ القرآن کا فرمان ہے کہ "سماع موتی کا مسئلہ زمان صحابہ رضی اللہ عنہم سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔ یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جس کی نفی یا اثبات پر کفر واسلام کا مدار ہے بلکہ یہ ایک علمی اور تحقیقی بحث ہے۔ جس میں بحث وتمحیص اور نظر وتحقیق کی گنجائش ہے۔" (تفسیر جواہر القرآن: سورۃ الروم آیت ۵۲ صفحہ ۹۰۲)

(۴) ضیاء اللہ شاہ صاحب کی تقریر تحفۃ التوحید نومبر ۱۹۹۸ء، صفحہ ۵۵، ۵۶۔

مترادف نہیں؟ ضیاء اللہ صاحب جواب دیں کہ دیوبندی بزرگوں کی مذکورہ بالا شرکیہ کفریہ عبارتوں سے صرف نظر اور ان کی تاویل کر کے کیا اشاعتی ان بزرگوں کو "بت" نہیں بنارہے؟

جمعیت اشاعۃ التوحید کے مفتی محمد حسین نیلوی نے ہمارے ایک ساتھی کے سوال: "جن لوگوں نے اپنی کتابوں میں شرکیہ عبارتیں لکھی ہیں ان کو کافر کہا جا سکتا ہے یا نہیں؟" کے جواب میں لکھا: "اگر دلائل سے قطعی طور پر ثابت ہو جائے کہ واقعی صاحب کتاب کی اپنی عبارت ہے تو اس کو کافر کہہ سکتے ہیں ورنہ اجتناب کرے۔"

نیلوی صاحب کے فتویٰ کا عکس



آپ کے اپنے جید اور مستند علماء کی زیر سرپرستی آپ کے اپنے مسلک کے اشاعتی ادارے ان کتابوں کو شائع کرتے ہیں اور آپ کے محراب و منبر سے انہیں بیان بھی کیا جاتا ہے۔ ان باتوں میں کوئی ترمیم و تبدیلی بھی نہیں کی جاتی بلکہ انہیں فاضل مصنف کی اپنی تحریر کی حیثیت سے درست تسلیم کیا جاتا ہے، تو پھر اور کون سے دلائل کی ضرورت ہے جو ثابت کر سکیں کہ یہ واقعی "حضرت صاحب" ہی کی تحریر ہے!

ایصال ثواب

توحید الٰہی اور سنت رسول ﷺ کی اشاعت اور قرآن و حدیث سے تمسک کے دعویداروں کا توحید و سنت کے منافی اعمال کی ترویج اور قرآن و حدیث سے دوری کی مزید مثالوں میں ایصال ثواب، تعویذات اور دعا بعد الفرائض بھی شامل ہیں۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرمادیا ہے کہ

وما تجزون الا ما كنتم تعملون ۞ (الصفت ۳۹)

"تمہیں جزا نہیں ملے گی مگر انہی اعمال کی جو تم نے کئے۔"

اور

الا تزر وازرة وزر اخرى ... اوفى ۞ (النجم ۳۸-۴۱)

"یہ کہ کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا اور یہ کہ انسان کو وہی ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے اور یہ کہ اس کی کوشش عنقریب دیکھی جائے گی، پھر اس کو پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔"

اور یہ کہ

من عمل صالحا فلنفسه ومن اساء فعليها (الجاثية ۱۵)

"جو کوئی نیک عمل کرے گا تو اپنے لئے اور جو برے کام کرے گا تو اپنے لئے۔"

متعدد آیات اس بات پر شاہد ہیں کہ ایک انسان کے اعمال کا بدلہ اسی کو ملتا ہے۔ اعمال صالحہ کا ثواب کسی دوسرے کو منتقل نہیں کیا جا سکتا۔ احادیث صحیحہ سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ ایک آدمی اگر کسی کے لئے دعائے خیر کرتا ہے (مثلاً قعدے میں پڑھی جانے والی دعائے تشہد) تو اس کا فائدہ مدعو لہ کو بھی پہنچتا ہے۔ وہ روایات جن میں میت کی طرف سے صدقہ کرنے، حج ادا کرنے، روزہ رکھنے وغیرہ کا ذکر ہے، ان کا تعلق نذر سے ہے، جو بمنزلہ قرض ہوتی ہے۔ چونکہ میت کا قرض ادا کرنا فرض ہے، جس کی اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء کے دوسرے رکوع میں اتنی تاکید کی ہے کہ میت کے ترکے کی تقسیم سے پہلے اس کی وصیت پورا کرنے اور قرض ادا کرنے کو بار بار بیان کیا ہے۔ اس لئے میت کی اپنی زندگی میں مانی ہوئی نذروں کو ان کے ورثاء کی طرف سے پورا کرنا ضروری ہے۔ تاہم یہ ایصال ثواب والا معاملہ نہیں ہوتا۔ بہر حال احادیث صحیحہ سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ایک آدمی کوئی اچھا عمل کرے اور اس کا ثواب کسی میت کو "ایصال" کر دے۔ مُردوں کو ایصال ثواب کی اصطلاح اور اس کی نیت کے ساتھ قرآن خوانی کرنا، کھانا پکانا اور کھلانا، اس کی قرآن و سنت سے کوئی دلیل نہیں ملتی لہٰذا یہ بدعت ہے۔ مگر اشاعت التوحید والسنۃ والے اور ان کے ممدوح "اصل اکابرین دیوبند" ایصال ثواب کے قائل و فاعل ہیں۔ رشید احمد گنگوہی جو بانی جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ حسین علی الوانی کے استاد تھے اور جن کے "طرز عمل" کی یہ لوگ دعوت دیتے ہیں، جیسا کہ ان کے دستور کی دفعہ اشق ۴ میں درج ہے۔ ان سے

"مولوی ولایت حسین صاحب نے ایک مرتبہ عرض کیا کہ حضرت مسطور پڑھتے ہیں فاتحہ اور ایصال ثواب کرتے ہیں کیا اس کا ثواب مُردوں کو پہنچتا ہے؟ ارشاد فرمایا اصل قرأت قرآن کا ثواب کہاں نہ پہنچے گا اگرچہ اور امور کا گناہ بھی ہو۔ فمن يعمل مثقال ذرة خيرا يره الاية" (تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص ۱۰۳)

اس فتوے کے ساتھ ساتھ وہ خود بھی ایصال ثواب کا اہتمام فرماتے تھے۔

"ایک بار ارشاد فرمایا کہ ایک روز میں نے حضرت شیخ عبدالقدوس رحمۃ اللہ علیہ کے ایصال ثواب کو کھانا پکوایا تھا۔ اس روز حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو خواب میں دیکھا کہ میں ان کے پاس بیٹھا ہوں۔ دیکھ کر آنکھ کھل گئی۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی

فرمایا کہ اس وقت سے مجھے حنفی مذہب کے ساتھ محبت ہو گئی۔ شیخ کے ایصال ثواب کے موقع پر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی زیارت کا تناسب حضرت سے کسی نے دریافت نہیں کیا ورنہ کیا عجب تھا کہ کوئی جدید فائدہ حاصل ہوتا.........'' (۱)

شکر ہے کہ گنگوہی صاحب نے عبداللہ بن مسعودؓ کی زیارت پر ہی اکتفا فرمایا ورنہ جس ہستی کو ''شیخ التفسیر والحدیث حضرۃ علامہ مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی'' نے ''حضرت امام الہند شاہ ولی اللہ محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز'' لکھا ہے، وہ تو اپنے والد کو ایصال ثواب میں بہت آگے لے گئے۔ لکھا ہے:

''فرماتے تھے کہ ایک مرتبہ آنحضرت ﷺ کے وفات کے دنوں میں مجھے کوئی چیز دستیاب نہ ہو سکی کہ آنحضرت ﷺ کی نیاز پکائی جائے۔ کچھ بھنے ہوئے چنے اور گڑ بطور نیاز تقسیم کئے۔ خواب میں میں نے دیکھا کہ آنحضرت ﷺ کے سامنے انواع و اقسام کے کھانے پیش کئے جاتے ہیں۔ وہ چنے اور گڑ بھی پیش کیا گیا۔ بڑی خوشی و مسرت سے ان کی طرف متوجہ ہوئے۔ انہیں طلب فرمایا۔ ان میں سے کچھ لے کر تناول فرمائے اور باقی ساتھیوں میں تقسیم کر دئے۔ راقم الحروف (ولی اللہ) کہتا ہے کہ اسی قصہ کی مانند پہلے بزرگوں سے بھی روایت کیا گیا ہے۔ لیکن یہ قصہ بلاشبہ حضرت والد ماجد کا ہے۔ عجب نہیں کہ توارد ہوا ہو۔'' (۲)

نیلوی صاحب کہتے ہیں کہ

''قبر کے گرد کھڑے ہو کر دعاء و استغفار للمیت میں اتنی دیر مشغول رہیں جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کرنے میں لگتی ہے۔ اس سے ایک فائدہ تو یہ ہوگا کہ قراءۃ قرآن مجید اور دعاء و استغفار سے اللہ تعالیٰ میت کو ثواب دے گا اور دوسرا یہ کہ یہ وقت عالم برزخ میں اس میت کی روح سے منکر نکیر کے سوال و جواب کا ہوتا ہے۔ اس وقت اگر ایصال ثواب کے لئے آپ تلاوت قرآن مجید اور میت کے لئے دعاء و استغفار کریں گے تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس پر شفقت فرمائیں گے تو اس میت کی روح خوش ہوگی اور وہ سوالوں کے جواب خوشی خوشی دے سکے گا۔'' (۳)

''بہر حال اگر میت کو سنت کے مطابق بروقت دفن کر دیا جائے تو یہی وقت عالم برزخ میں میت سے سوال و جواب کا ہوتا ہے۔ اس لئے اس وقت میت کے لئے استغفار کریں اور کچھ قرآن مجید پڑھ کر اس کا ثواب میت کو بخش دیں۔ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمالیں تو اس میت کو سوالوں کا جواب دینے میں آسانی ہوگی۔'' (۴)

پھر ایک بے سند و حوالہ روایت بیان کرتے ہیں کہ

''حضرت امیر المومنین سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص قبرستان میں جا کر سورۂ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مُردوں کو بخش دے تو جس قدر مُردے اس قبرستان میں دفن ہیں، اتنا ہی ثواب اسے بھی ملے گا۔'' (۵)

نغمہ توحید کے مدیر نے ثواب کی اس منتقلی میں کافی دریا دلی اور سخاوت کا مظاہرہ فرمایا ہے۔ اپنے ایک مضمون میں جو ایصال ثواب کے اثبات میں لکھا گیا، فرماتے ہیں:

''صدقہ کرتے وقت عام طور پر اولیاء عظام رحمہم اللہ میں سے کسی ایک کی روح کو ثواب پہنچانے کی نیت کی جاتی ہے۔ یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اولیاء کرام کے ایصال ثواب کے لئے صدقہ نہ کیا جائے۔ لیکن غور طلب بات یہ ہے کہ اولیاء کرام تو نیک لوگ تھے، ان سے کہیں زیادہ مغفرت کی ضرورت عام رشتہ داروں اور دوستوں کو ہے۔ انہیں یکسر نظر انداز کر دینا کسی طور مناسب نہیں۔ اس لئے اگر صدقہ کرتے وقت یہ نیت کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ اس کا اجر و ثواب آدم علیہ السلام سے امام الانبیاء حضرۃ محمد رسول اللہ ﷺ تک تمام انبیاء کرام اور ان کے امتیوں اور رسول اللہ کے قیامت تک آنے والے امتیوں کو پہنچائے تو سب اس ثواب میں شریک ہو نگے۔ یہ خیال نہیں آنا چاہیے کہ ثواب تقسیم ہوگا۔ اللہ کے خزانوں میں کمی نہیں، وہ ہر ایک کو اجر عظیم سے نواز سکتا ہے، جیسے روزہ دار کو روزہ افطار کرانے والے کو بھی روزہ دار کے روزے جتنے ثواب کی بشارت دی گئی ہے۔ اللہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العلمین۔'' (۶)

تعویذات

تعویذ گنڈوں سے متعلق احادیث صحیحہ میں نبی ﷺ کے واضح ارشادات موجود ہیں کہ

الف۔ ''دم تعویذ ٹوٹکے سب شرک ہیں۔'' (۷)

ب۔ ''جس نے تعویذ لٹکایا اس نے شرک کیا۔'' (۸)

ج۔ ''جس نے کوئی چیز بھی لٹکائی وہ اسی چیز کے سپرد کر دیا جائے گا۔'' (۹)

د۔ ''نشرہ (آسیب اتارنا) ایک شیطانی عمل ہے۔'' (۱۰)

اللہ نے اپنی کتاب مقدس میں ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا (الحشر: ۷)

''اور جو چیز تم کو رسول دیں وہ لے لو اور جس سے وہ منع کریں (اس سے) باز رہو۔''

اتباع و اطاعت رسول ﷺ پر قرآن کی متعدد آیات میں بتاکید حکم دیا گیا ہے اور اس کے کرنے پر ملنے والے انعامات اور نہ کرنے پر ملنے والی سزا بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دی گئی ہے۔ یہ ایمان والوں کی صفات میں شامل ہے کہ وہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے متعین کردہ فیصلے سے انحراف نہیں کرتے۔ یہ تو کفار و منافقین کی روش ہے کہ وہ فیصلۂ رسول کو کافی نہیں سمجھتے

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝ (النساء: ۶۵)

''آپ کے رب کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے معاملات میں آپ کو فیصلہ کرنے والا نہ مانیں اور پھر جو فیصلہ آپ کر دیں اس سے اپنے دل میں کوئی تنگی نہ محسوس کریں بلکہ اسے بخوشی مان لیں۔''

ایمان والوں کو تو فیصلۂ رسولؐ کے مقابلے میں اپنی طرف سے کچھ کہنے کا ذرا بھی اختیار نہیں:

(۱) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم ص۔ ۳۱۷ (۲) انفاس العارفین ص۔ ۷۶ (۳) عارفین، اپریل و مئی ۱۹۹۵ء، ص۔ ۲۹ (۴) عارفین، ستمبر ۱۹۹۳ء، ص۔ ۳۳ (۵) عارفین، اپریل و مئی ۱۹۹۵ء، ص۔ ۱۹ / نغمہ توحید، مئی ۱۹۹۵ء، ص۔ ۳۹ (۶) نغمہ توحید، جون ۱۹۹۵ء، ص۔ ۱۰ (۷) ابوداؤد، کتاب الطب، باب تعلیق التمائم (۸) مسند احمد جلد ۴ ص ۱۵۶ (۹) ترمذی ابواب الطب باب کراہیۃ التعلیق (۱۰) ابوداؤد، کتاب الطب، باب النشرۃ

وما کان لمؤمنٍ ولا مؤمنةٍ اذا قضی اللہ ورسولہٗ امرًا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم ومن یعص اللہ ورسولہٗ فقد ضل ضلٰلًا مبینًا ۞ (الاحزاب: ۳۶)

"اور کسی مومن مرد اور مومن عورت کو حق نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کوئی امر مقرر کردیں تو وہ اس کام میں اپنا بھی کچھ اختیار سمجھیں اور جو کوئی اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے تو وہ صریح گمراہ ہو گیا۔"

تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک، ٹونوں ٹوٹکوں کی حرمت سے متعلق مذکورہ بالا ارشادات نبویؐ کے بعد بھلا کسی مومن کی یہ ہمت ہو سکتی ہے کہ وہ کچھ کہے۔ لیکن اللہ اور اس کے رسولؐ کے فرمان کو عام کرنے، توحید و سنت کی اشاعت کے دعویدار ان مماتیوں کی جرأت رندانہ دیکھئے کہ انہوں نے کس طرح اس حرام کو حلال ٹھہرا دیا ہے۔ ان کے "شیخ التفسیر و شیخ الحدیث حضرت علامہ مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی" فرماتے ہیں:

"........ ایسے تعویذات جن میں مشرکانہ الفاظ ہوں یا ندائے غیر اللہ ہو اور ایسے تعویذات جن کے معنی سمجھ میں نہ آئیں، یہ تو مطلقاً حرام ہیں۔ اور ان کا مفت لینا دینا بھی حرام ہے اور ان پر اجرت لینا دینا بھی حرام ہے اور یہ کاروبار کرنا بھی حرام ہے .... اور ایسے تعویذات جن میں مشرکانہ الفاظ نہ ہوں، بلکہ قرآنی الفاظ ہوں یا احادیث سے ثابت شدہ دعائیں ہوں تو اگر وہ شخص جس کے گلے میں ایسے تعویذ ہیں ان تعویذات کو مؤثر سمجھتا ہے اور اس کا عقیدہ یہ ہو کہ ان تعویذات سے مجھے شفا ہوتی ہے تو اس عقیدہ کے ساتھ تعویذ تو کیا، دوا بھی اگر استعمال کرے اور یہ سمجھے کہ یہ دوا مؤثر ہے تو جیسے اس عقیدہ کے ساتھ تعویذ باندھنا حرام ہے ایسے ہی اس عقیدہ کے ساتھ دوا لینا بھی حرام ہے کہ اس نے دوا اور تعویذ کو مؤثر سمجھا۔ حالانکہ دوا یا تعویذ میں اثر ڈالنا یا نہ ڈالنا صرف اللہ تعالیٰ کا فعل ہے۔ اس لئے دوا یا تعویذ کو مؤثر سمجھنا شرک و حرام ہے۔ اور اگر اس کا عقیدہ یہ ہو کہ مؤثر تو اللہ تعالیٰ ہی ہے اور یہ دوا اور تعویذ محض سبب کے درجے میں ہیں، اور شفا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہی ہوتی ہے، تب تو دوا لینا بھی جائز ہے اور تعویذ لینا بھی۔ اسی طرح قرآنی آیت یا حدیث کی دعا پڑھ کر دم کرنا بھی جائز ہے۔ البتہ تعویذ لکھنا حضرت نبی کریم ﷺ سے ثابت نہیں۔ لیکن حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے تعویذ لکھنا ثابت ہے مگر یہ ان کا معمول اور کاروبار نہیں تھا جیسا کہ آج کل عام رواج ہو گیا ہے اور حدیث شریف سے مسنون دعا لکھ کر اپنے بچے کے گلے میں ڈال دینا سیدنا حضرت عبداللہ ابن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے ثابت ہے ⊕ ...... اور یہ بھی یاد رکھیں کہ چونکہ تعویذ لکھنے والا اپنا وقت اور کاغذ و سیاہی یا زعفران وغیرہ صرف کرتا ہے اس لئے تعویذ لکھنے کی اجرت لینا بھی جائز ہے۔" (۱)

یہ تو ان کے ایک مفتی کا فتویٰ تھا جس میں تعویذ اور اس کی کمائی کو جائز قرار دیا گیا۔ جمعیت کے دس بڑے آدمیوں کی مجلس منتظمہ نے اپنے ۲۷ رجولائی ۱۹۹۶ء کے اجلاس میں اپنے دستخطوں سے یہ فیصلہ جاری کیا کہ

"قرآن مقدس اور احادیث نبویہ کے کلمات اور اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کو لکھ کر بطور تعویذ استعمال کرنا شرعاً جائز ہے بشرطیکہ کلمات مہملہ اور شرکیہ کفریہ نہ ہوں۔ اس کے علاوہ تعویذ کے نام پر جو مروجہ طریقہ جاری ہے وہ ناجائز ہے۔" (۲)

تعویذ کو شرک قرار دینے والی مسند احمد کی مذکورہ بالا روایت میں لفظ "تمیمۃ" آیا ہے جو کہ اسم نکرہ ہے جس میں عموم ہے چنانچہ اس سے ہر قسم کا تعویذ مراد ہے کیونکہ کسی استثناء کا صحیح احادیث سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ لہٰذا اس حدیث میں نبی ﷺ نے ہر قسم کے تعویذ کو شرک قرار دیا ہے اور اس میں قرآنی غیر قرآنی، عربی غیر عربی اللفظی، ہندسی، زبانی تحریری کسی کی کوئی تخصیص نہیں۔ یہ اشاعتیوں کے ان دس بڑوں کا تصرف ذاتی ہے کہ قرآن و حدیث کے الفاظ پر مشتمل تعویذ کو "شرعاً جائز" قرار دے دیا۔ انہیں یہ اختیار کس نے دیا کہ جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ناجائز ٹھہرایا ہو یہ اسے جائز قرار دیں؟ "تعویذات" کے معاملے میں اشاعتی مولویوں نے اس دریا دلی کا مظاہرہ نہیں کیا جو انہوں نے ایصال ثواب کے معاملے میں کیا ہے جس کا گزشتہ صفحات میں ذکر کیا گیا، اور ان تعویذات کو جائز ہونے سے مستثنیٰ رکھا ہے جن میں "کلمات مہملہ اور شرکیہ کفریہ" ہوں۔ اور نیلوی صاحب نے مزید وضاحت کر دی کہ "ایسے تعویذات جن کے معنی سمجھ میں نہ آئیں تو یہ مطلقاً حرام ہیں اور ان کا مفت لینا دینا بھی حرام ہے اور ان پر اجرت لینا دینا بھی حرام ہے اور یہ کاروبار کرنا بھی حرام ہے۔" اب ذرا یہ بتائیے درج ذیل تعویذ کس زمرے میں آتے ہیں:

(I) **تعویذ برائے حفاظت ھیضہ** اس تعویذ کو لکھ کر بازو پر باندھے اور تعویذ باندھنے والے کی طرف سے پانچ مرغی یا کوئی خیرات کرے۔ تعویذ یہ ہے:

الٰہی بحرمت حضرت شیخ محمد صادق گنگوہی و حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہما از شر وبائے وبا نگہدار اللہ شافی اللہ کافی (۳)

(II) **لڑکے کی ولادت میں سہولت** (از ایک درویش باشرع) برائے درد زہ اس نقش کو لکھ کر عورت کے ح ح ح ط ط ط ع ع ق ی ک ل م ہ ہے بائیں ہاتھ پر رکھ دے اور عورت اس کو غور سے دیکھے جلد بچہ پیدا ہوگا ان شاء اللہ۔ نقش یہ ہے

اشثم ٥٥٥ اسولك ل د (۴)

(III) "قلب کے لئے ایک بار آپ نے یہ عمل ارشاد فرمایا کہ بسم اللہ پیر محمد ہاتھ تیل منہ بشکتا بیٹھوں سر دھاتا تھک باندھوں ٹھا کر باندھوں مگرا کاٹوں بیراں بھن بتی پیں گہیں من موہن میرا ناؤں حق لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ﷺ۔ اکتالیس بار پڑھ کر عطر پر دم کرے اور اس عطر کو دونوں انگوٹھوں کے ناخن پر لگا کر اپنی ابروؤں پر پھیر لے اور مطلوب کے سامنے جائے۔ ان شاء اللہ اس کے قلب میں محبت پیدا ہوگی۔" (۵)

(IV) "ایک بار آپ نے درد کی داڑھ کا جھاڑ ایک شخص کو بتایا:

ہم تم ایک بتیس ـــ ہری تمری کیما ریس

بتیس کو آپ نے پھول پڑھا۔" (۶)

کیا یہ چاروں تعویذ آیات قرآنی، احادیث میں منقول دعاؤں یا اسماء حسنیٰ پر مشتمل ہیں کہ انہیں اشاعتی علماء کے فتوے کی رو سے "شرعاً جائز" کیا جائے؟ یا پھر

⊕ نبی ﷺ کے صحابی پر اس تہمت کی حقیقت جاننے کے لئے ہمارا کتابچہ "تعویذات اور شرک" میں ملاحظہ فرمائیے (۱) عارضی، اپریل ۱۹۹۵ء، ص ۹۲۔ ۹۳ (۲) نقوش وحید، اگست ۱۹۹۶ء، ص ۲۹ (۳) اعمال قرآنی از اشرف علی تھانوی مطبوعہ دار الاشاعت، اردو بازار، کراچی، ص ۶۰ (۴) ایضاً، ص ۳۷ (۵) تذکرۃ الرشید، حصہ دوم، ص ۳۰۱ (۶) ایضاً، حصہ دوم، ص ۳۰۳

بے معنی و مہمل کلمات پر مشتمل ہونے کی وجہ سے اشاعتی علماء انہیں "ناجائز اور حرام"، "ان کا مفت لینا دینا بھی حرام"، "ان پر اجرت لینا دینا بھی حرام"، "ان کا" کاروبار کرنا بھی حرام" کہیں گے؟ اور ان کے لکھنے والے کو حرام کاموں کی اشاعت کرنے والا کہیں گے؟ خیال رہے کہ پہلے دو تعویذ تو ان کے "حکیم الامت" کے اور آخری دو تعویذ بانیٔ جمعیت کے استاد رشید احمد گنگوہی کے بتائے ہوئے ہیں جن کے متعلق اشاعتیوں کا دعویٰ ہے کہ "ان کا مسلک یقیناً قرآن و حدیث کے مطابق تھا" اور جن کے طرزِ عمل کے یہ اشاعتی داعی ہیں۔ کیا اشاعتی "توحید والسنہ" کے داعی ہیں یا اس کے جس کو وہ خود "حرام اور ناجائز" کہتے ہیں؟ کیا ایک "حرام اور ناجائز" کی اشاعت کرنے والوں کا مسلک "قرآن و حدیث کے مطابق" ہو سکتا ہے؟ کیا جمعیت والے تضاد کا شکار نہیں کہ ایک طرف کسی چیز کو "حرام و ناجائز" کہیں اور دوسری طرف اسی "حرام و ناجائز" کے موجد کے مسلک کو حق اور "قرآن و حدیث کے مطابق" قرار دے کر اس کی طرف دعوت دیں؟

اپنے اکابرین کی غلط باتوں کو درست قرار دینے میں ان لوگوں کو ملکہ حاصل ہے (اس سلسلے میں ان کے خود ساختہ اصول پہلے بیان کر دئے گئے ہیں)۔ رحیم یار خاں کے عبدالغنی جاجروی کی وفات پر یادگاری مضمون میں ان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے لکھا گیا کہ:

"اشاعت التوحید والسنہ سے تعلق کا سبب جہاں حضرت شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خاں کی شاگردی اور خطیب اسلام حضرت مولانا سید عنایت اللہ شاہ بخاری مدظلہ سے عقیدت تھی، وہاں ایک سبب اور بھی تھا، فرماتے تھے:

مجھے خواب میں حضرت رئیس المفسرین مولانا حسین علی کی زیارت ہوئی اور میں نے خواب میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ سے پورے قرآن پاک کا ترجمہ پڑھا۔

اور اصل سبب تو یہ تھا کہ مولانا جاجروی دیانتداری سے سمجھتے تھے کہ حق وہی ہے جو اشاعت التوحید والسنت بیان کر رہی ہے۔"(۱)

لیکن جب ان کے اپنے ایک مولوی نے اس خوابی شاگردی پر اعتراض کیا تو گول مول جواب دے کر خواب پر کچھ تبصرہ نہ کیا بلکہ اس پر زور دیا کہ جاجروی صاحب جمعیت اشاعت التوحید کو حق جانتے تھے۔(۲)

یہ تو تحریر کا معاملہ ہے ورنہ تقریر میں تو یہ لوگ بہت کچھ کہہ جاتے ہیں: مثلاً جب کسی نے پوچھا کہ خواب میں پورے قرآن کا ترجمہ کیسے پڑھا جا سکتا ہے ☆ تو بتایا گیا کہ "شیخ کی بات ہے اور اپنے آدمی ہیں ..... ان کے استاد عبداللہ درخواستی اور پیر حماد اللہ ہیں۔" جبکہ ان کے استاد تعویذات اور مُردوں کے زندہ ہونے کے قائل تھے [مرنے کے بعد ان کے ہاتھ کفن سے باہر کر دئے گئے تاکہ فرشتے مصافحہ کریں تو تکلیف نہ ہو] اور پیر صاحب کا یہ حال تھا کہ دارالعلوم دیوبند کے مہتمم قاری طیب صاحب کو پاکستان بلا کر غلام اللہ خاں کو فہمائش کرائی کہ آئندہ سماعِ موتی اور وفات النبی ﷺ کے مسئلے کو بیان نہ کیا جائے ورنہ قاسم نانوتوی سے لے کر قاری طیب تک سب کافر ٹھہریں گے۔ شاید تب ہی غلام اللہ خاں نے اپنی تفسیر قرآن میں سماعِ موتی کے مسئلے کو فروعی قرار دیا اور اکابرین کی خلاف قرآن باتوں کو درست ماننے کا حیلہ وضع کیا جس کا پیچھے ذکر کیا جا چکا ہے۔ اپنے استاد اور پیر صاحب کے لئے جاجروی صاحب کہا کرتے تھے کہ

"میرا عقیدہ ہے کہ ان دو ہستیوں کی نظیر دنیا پیش نہیں کر سکتی۔ اپنے مرشد جیسا پیر نہ دیکھا اور شیخ القرآن جیسا استاد نہ دیکھا۔"(۳)

"میرے شیخ کی جوتی کی مٹی میری آنکھوں کا سرمہ ہے لیکن ہم اپنے پیر کو مشکل کشا نہیں سمجھتے۔"(۴)

"خداوند کریم کی طرف پہنچنے کے دو اسباب ہیں، ایک سچا استاد دوسرا سچا مرشد۔ جن خوش نصیبوں کو دو چیزیں مل گئیں صحیح استاد اور سچا مرشد وہ خداوند کریم کو مل گئے۔"(۵)

مضمون بہت طویل ہو جائے گا ورنہ

"مرشد الموحدین خاتم المحدثین بقیۃ السلف حجۃ الخلف وارث انبیاء عارف باللہ شیخ التفسیر مرشد العلماء قدوۃ الاتقیاء حضرت العلامۃ الشیخ عبدالغنی جاجروی نوراللہ مرقدہ"(۶)

کے "قرآن و سنت سے لبریز خطابات" کے کچھ نمونے پیش کئے جاتے جن سے معلوم ہوتا کہ یہ قرآن و سنت سے کتنے "لبریز" ہیں۔ جسے اس کی خواہش ہو وہ ان کے صاحبزادے کے مرتبہ "خطبات جاجروی" کا مطالعہ کرے۔

دعا بعد الفرائض

توحید والسنہ کی اشاعت کے دعویداروں کا سنت کے خلاف کاموں میں ایک عمل ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا بھی ہے۔ جس طرح دیوبندیوں کی ہر مسجد اور محفل میں ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کی جاتی ہے، اسی طرح دیوبندیوں کی طفیلی جمعیت اشاعت التوحید والسنہ کا بھی عمل ہے، اور یہ بھی صرف فرائض کے بعد ہی ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا نہیں کرتے بلکہ ان کے ہر اجتماع میں بھی اجتماعی طور پر ہاتھ اٹھا کر دعا کی جاتی ہے۔(۷) بلکہ یہ تو یہاں تک کہتے ہیں کہ میت کو دفن کرنے کے بعد "قبر کے گرد کھڑے ہو کر دعا کریں۔"(۸)

اس معاملے میں جب ان کے سامنے نبی ﷺ کا طرزِ عمل پیش کیا جاتا ہے جو صحیح احادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آپ سوائے بارش کی دعا کے کسی دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے (سوائے چند مخصوص مواقع کے اور وہ بھی صلوٰۃ کے علاوہ) ☆ تو ان کے متضاد جوابات سامنے آتے ہیں، مثلاً:

(۱) نقوشِ توحید، مارچ ۱۹۹۱ء، ص ۱۸ (۲) نقوشِ توحید، مئی ۱۹۹۱ء، ص ۲۸ ☆ معترض کو شاید معلوم نہیں ہوگا کہ ان کے "شیخ التفسیر و شیخ الحدیث مفتی یوسف انوری" صاحب کے والد تو قرآن سے کہیں زیادہ ضخیم پوری صحیح بخاری خود امام بخاری سے خواب میں پڑھنے کا دعویٰ کرتے تھے جس کی ان کے اس "مفتی بیٹے" نے خوب تشہیر کی اور کسی دیوبندی عالم یا غیر عالم کو اس پر انکار کی جرأت نہ ہوئی۔ سب نے اسے درست جانا [تفصیل ہماری کتاب "ایمان خالص قسط اول" میں دیکھئے]۔ کسی نے آج تک اسے "اضغاث احلام" بھی نہیں قرار دیا، جب ڈاکٹر عثمانی نے اس کے غلط ہونے کی نشاندہی کی تو ضد میں آ کر اسے بار بار شائع کیا گیا۔ (۳) خطبات جاجروی، جلد ۲، ص ۷۷ (۴) ایضاً، ص ۲۳۴ (۵) ایضاً، ص ۲۳۰ (۶) خطبات جاجروی پر ان کے بیٹے اسماعیل جاجروی کا پیش لفظ (۷) نقوشِ توحید، مارچ ۱۹۹۳ء، ص ۵۲ (۸) نقوشِ توحید ۱۹۹۵ء، ص ۳۹، عارضین، اپریل، مئی ۱۹۹۳ء، ص ۲۹ ☆ تفصیل کے لئے دیکھئے ہماری کتاب "اسلام یا مسلک پرستی"۔

(الف) "فرائض کے بعد دعا مانگنا مستحب ہے، اور وہ وقت دعا کی قبولیت کا ہے اور خود حضرت رسول اللہ ﷺ نے اس وقت کی دعائیں حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم فرمائی ہیں، لیکن اجتماعی صورت میں دعا کا حکم نہیں دیا، البتہ نماز باجماعت کے لئے چونکہ خود ہی پہلے سے اجتماع ہوتا ہے اس لئے وہ دعا اجتماعی کی صورت میں ہو جاتی ہے مگر اس کے علاوہ جن نوافل، تراویح اور وتروں کے بعد اجتماعی دعا سنت ادا کی ہوتی مروجہ اس کا ثبوت ہی نہیں ملتا البتہ لوگ اکیلے اکیلے دعا مانگ کر چلے جائیں اور اجتماع کی صورت نہ ہو تو منع بھی نہیں ہے۔"(۱)

(ب) "دعا بعد الفرائض بہیئت اجتماعیہ نہ سنت ہے اور نہ ہی مستحب، صرف جائز ہے۔ اسے بدعت بھی نہیں کہا جا سکتا بشرطیکہ کرنے والا اسے لازمی نہ سمجھے۔"(۲)

(ج) "سوال: میت والے گھر میں دو تین دن تک لوگ آتے رہتے ہیں اور آتے ہی کہتے ہیں "دعائے خیر" (دعائے خیر کریں) اور پھر ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہیں۔ کیا یہ عمل جائز ہے؟ نیز فاتحہ خوانی کا صحیح طریقہ تحریر فرمائیں۔

جواب: یہ طریقہ جو آج کل رواج پا چکا ہے نہ عہد نبوی میں تھا نہ خیر القرون میں۔ اس رسمی صورت کے بغیر اپنے اپنے گھروں میں میت کے لئے ہاتھ اٹھا کر دعا کریں تو جائز ہے اور تعزیت کے لئے اہل میت کے ہاں جانا بھی جائز ہے لیکن قصداً اجتماع کی شکل پیدا کرنا مکروہ ہے۔ اہل میت کے ہاں تعزیت کے لئے جانا تین دن تک جائز ہے اور اتفاقاً وہاں چند آدمی جمع ہو جائیں تو اس میں کچھ مضائقہ نہیں۔ تعزیت کے لئے اہل میت کو صبر کی تلقین اور میت کے لئے مغفرت کی دعا کرنی چاہئے۔"(۳)

نمبر الف کے تحت تیلوی صاحب کسی چیز کی عدم نفی سے اس کے ممنوع نہ ہونے پر استدلال فرما رہے ہیں۔ ان کا یہ استدلال قطعاً باطل ہے کیونکہ اس طرح تو انھوں نے سنت کے اصول ہی کو بدل ڈالا۔ اتباع سنت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ نبی ﷺ نے اگر کوئی کام نہیں کیا تو اس کا نہ کرنا "جائز" اور کرنا "ناجائز" یعنی بدعت ہوگا۔ یہ اس کو جائز قرار دے کر بدعت کی راہ ہموار کر رہے ہیں۔ لیکن جب صلوٰۃ مکتوبہ کے بعد ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کرنے کے قائلین اپنے اس فعل کی عدم نفی کے ذکر کو اس کی عدم ممانعت پر دلیل بناتے ہیں تو یہی تیلوی صاحب اس استدلال کو رد فرما دیتے ہیں اور دلائل کا انبار لگاتے ہوئے قعدہ اولیٰ میں درود کے بعد دعا نہ کرنے، اذان کے آخر میں صرف لا الہ الا اللہ پڑھنے اور محمد رسول اللہ نہ پڑھنے، حی علی الفلاح کے بعد حی علی خیر العمل نہ پڑھنے، نماز کے اختتام پر السلام علیکم ورحمۃ اللہ کے بعد "وبرکاتہ" نہ پڑھنے، عیدین و جنازے کی نماز سے پہلے اذان و اقامت نہ کہنے، فقہ حنفی کے مطابق نماز میں تکبیر تحریمہ کے سوا باقی تکبیرات میں رفع یدین نہ کرنے، اختتام فاتحہ پر آمین بالجہر نہ کہنے کی مثالیں دیتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ان چیزوں کا عدم ذکر ان کی عدم ممانعت پر دال نہیں۔ یہاں یہ اتباع سنت کا صحیح موقف اختیار کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

"اتباع سنت جس طرح کوئی کام کرنے میں ہوتی ہے ایسے ہی کام کے ترک کرنے میں بھی اتباع سنت ہوتی ہے ..... جو کام حضرت نبی کریم ﷺ نے کیا ہے اس کا کرنا سنت ہے، ایسے ہی جو کام سبب کے ہوتے ہوئے کوئی امر مانع نہ ہونے کے باوجود آپ نے ترک فرمایا ہو تو اس کا ترک کرنا ہی سنت ہے۔"(۴)

کیا ان کا یہ استدلال انہی پر لوٹ کر ان کے پہلے موقف کو باطل نہیں ٹھہراتا کہ جس عمل کو نبی ﷺ نے بھی نہیں کیا تو وہ کیسے جائز ہو سکتا ہے؟ اگر مغرب کی تین رکعات کے بجائے چار پڑھ لی جائیں کہ اس کی ممانعت مذکور نہیں، تو کیا یہ عمل جائز ہوگا؟ غور کیجئے کیا یہ لوگ الذین اذا اکتالوا علی الناس یستوفون واذا کالوھم او وزنوھم یخسرون کے زمرے میں شامل نہیں؟ من عمل عملا لیس علیہ امرنا فھو رد والے فرمان رسول ﷺ کا اطلاق آخر کس قسم کے اعمال پر ہوتا ہے؟ بہرکیف یہ تیلوی صاحب کا فتویٰ تھا جو قرآن و سنت کے خلاف خود ان کے دوہرے موقف کا بین ثبوت تھا لیکن جمعیت کی مجلس منتظمہ کا متفقہ فیصلہ تو ان کے فتوے سے بھی دو ہاتھ آگے ہے۔ انہوں نے تو صاف کہہ دیا کہ اجتماعی دعا سنت نہ ہوتے ہوئے بھی جائز ہے، اور بدعت نہیں!!

مارچ ۱۹۹۳ء کے الفرقان توحید میں جمعیت نے ایک طویل مضمون شائع کیا جس میں فرض نمازوں کے بعد دعا مانگنے کو جائز ٹھہرایا ہے۔ مضمون کو پڑھ کر حیرت ہوتی ہے کہ یہ لوگ کس طرح منہ بھر بھر کر توحید و سنت کی اشاعت کے دعوے کرتے ہیں جب کہ خود اس کے خلاف نہ صرف کرتے ہیں بلکہ دوسروں کو دعوت بھی دیتے ہیں! یہ مضمون اس طرح شروع ہوتا ہے۔

"جب باجماعت فرض نماز پڑھی جائے تو سلام پھیرنے کے بعد امام صاحب کو چاہئے کہ دائیں یا بائیں طرف سے مڑ کر مقتدیوں کی طرف منہ کر کے بیٹھے جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین کا دستور اور معمول تھا بشرطیکہ امام صاحب کے سامنے کوئی لاحق یا مسبوق نماز ادا نہ کر رہا ہو ورنہ دائیں یا بائیں طرف منہ کر کے بیٹھے اور پھر امام و مقتدی سب ہاتھ اٹھا کر دعا کریں۔ یہ کام بدعت نہیں بلکہ مستحب ہے اور حضور ﷺ سے ثابت ہے اور یہ متوارث چلا آ رہا ہے ..... اور فقہا کرام رحمہم اللہ تعالیٰ اس کے جواز پر متفق ہیں اور بعض نے اسے مستحب فرمایا ہے اور بعض نے مسنون اور کسی عالم نے اس دعا کو بدعت نہیں کہا۔" (ص ۱۰)

اس کے بعد ضعیف روایات اور ان صحیح روایات جن میں سلام پھیر کر نبی ﷺ کا مختلف اذکار کرنا بیان کیا گیا ہے، کی بنیاد پر مضمون نگار دعویٰ کرتے ہیں کہ

"حضرت ﷺ فرائض کے بعد دعا مانگتے تھے ..... اور ظاہر ہے کہ آپ ﷺ جب دعا کرتے تھے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی دعا کرتے تھے ..... عقل سلیم اس بات کو ماننے کے لئے ہرگز تیار نہیں کہ سید عالم نبی محترم ﷺ تو دعا مانگ رہے ہوں اور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم صرف یہ بات سوچ کر اٹھ کر جاتے ہوں یا اپنی اپنی جگہ چپکے سے بیٹھے رہیں کہ فرائض کے بعد دعا مانگنا منع ہے۔ پس عہد نبوی میں اور خیر القرون میں امام اور مقتدیوں کا اجتماعی طور پر دعا مانگنا عبارۃ النص کے طریق سے ثابت ہوا ..... اور اصول فقہ کا قاعدہ ہے کہ جو حکم عبارۃ النص کے طریق سے ثابت ہو وہ قطعی ہوتا ہے۔" (ص ۳۴، ۳۵)

(۱) تیلوی صاحب کا فتویٰ [illegible] ۱۹۹۲ء [illegible] (۲) [illegible] (۳) [illegible] (۴) [illegible]

لیکن افسوس کہ انھوں نے اپنی خود کشیدہ ''نص قطعی'' کے ثبوت میں ایک بھی صحیح روایت پیش نہیں کی۔ فرائض کے بعد اجتماعی دعا پر نبی ﷺ اور صحابہ کرام کا متواتر عمل تھا تو صحاح میں کم از کم ایک تو ایسی روایت ہوتی جس سے پتہ چلتا کہ نبی ﷺ نے صلوٰۃ کا سلام پھیرا، مقتدیوں کی طرف رخ کیا اور سب نے مل کر ہاتھ اٹھا کر اجتماعی دعا کی۔ صحیح روایات تو یہی بتاتی ہیں جیسا کہ پہلے بیان ہوا کہ نبی ﷺ صلوٰۃ کے بعد دعا میں ہاتھ نہیں اٹھاتے تھے بارش کی صلوٰۃ میں بھی پہلے دعا کی بعد میں صلوٰۃ ادا کی۔ (بخاری کتاب الاستسقاء)

جہاں اذکار کی روایات کو اپنے غلط موقف کے لئے مشق ستم بنایا گیا وہیں اپنی استدلالی خراد پر اس آیت قرآنی کو بھی چڑھا دیا کہ:

فَاِذَا قُضِيَتِ الصَّلٰوةُ فَانْتَشِرُوْا فِي الْاَرْضِ وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا (الجمعۃ:۱۰)

''اور جب صلوٰۃ ختم ہو جائے تو پھر تم زمین میں پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو اور اللہ کا خوب ذکر کرو۔''

فرماتے ہیں:

''(۱) کسی مقام پر ایک چیز کا ذکر نہ ہونا اس کی نفی کی دلیل نہیں ہوتی۔ (۲) دعا تابع ہے اور اہل لسان توابع کا ذکر متروک کر دیتے ہیں۔ اسی طرح یہاں بھی دعا کا ذکر ترک کر دیا گیا ہے۔ جس طرح نماز جمعہ کے بعد والی سنتوں کا ذکر ترک کر دیا گیا کہ یہاں کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ فرض نماز جمعہ سے فارغ ہوتے ہی زمین میں پھیل جاؤ اور رزق کی تلاش میں لگے رہو اور سنتیں اور نوافل چھوڑ دو؟ نہیں بالکل نہیں، بس اسی طرح اس آیت کا یہ مطلب بھی نہیں ہے کہ نماز جمعہ (فرض کی دو رکعت) کے بعد دعا نہ مانگنا۔

(۳) ''ف'' جزائیہ کے بعد تین جملے ہیں جن کے درمیان ''واؤ'' عاطفہ ہے جو ترتیب کو نہیں چاہتی بلکہ مطلق جمع کے لئے ہوتی ہے، تو اس صورت میں آیت کریمہ کا مطلب ہوگا کہ نماز جمعہ کے بعد تمہیں تین کام کرنے ہوں گے:

(i) زمین میں پھیلنا (ii) اللہ کا فضل تلاش کرنا اور حلال کی روزی ڈھونڈنا
(iii) اللہ تعالیٰ کا ذکر کثرت سے کرنا۔

ان تینوں امور کا بالترتیب ذکر کرنا ضروری نہیں جس کا ذکر سب سے آخر میں ہے اس کی تعمیل اگر پہلے ہو جائے اور جس کا ذکر پہلے ہے اس کی تعمیل بعد میں ہو جائے تو نہیں کہا جا سکتا کہ نص (آیت کریمہ) کی خلاف ورزی ہوگی ہے۔ اس صورت میں یوں کہا جائے گا کہ ''اذکروا اللہ کثیرا'' میں دعا آ جاتی ہے جس کا ذکر آیت کریمہ میں آخر میں ہے۔ مگر اس کی تعمیل زمین میں پھیلنے سے پہلے کی جاتی ہے تاکہ حلال کا رزق تلاش کرنے میں مدد و معاون ثابت ہو۔'' (ص۔۲۸،۲۹)

قرآن میں اللہ نے حکم دیا ہے کہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ط (المائدۃ:۶)

''اے ایمان والو! جب تم صلوٰۃ کے لئے اٹھو تو منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھو لیا کرو اور سر کا مسح کر لیا کرو اور ٹخنوں تک پاؤں (دھو لیا کرو)۔''

فقہی موشگافیاں کرنے والے بتائیں کہ اگر اللہ کی بتائی ہوئی اس ترتیب کو ملحوظ نہ رکھا جائے اور پہلے پیر دھو لئے جائیں تو کیا نص قطعی کی مخالفت نہ ہوگی اور یہ عمل بہر حال ''مسنون اور مستحب'' رہے گا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو پھر شیعوں پر کوئی اعتراض نہ ہونا چاہیے کہ وہ وضو میں پہلے پیر دھوتے ہیں جس پر ان کے مخالفین انہیں بہت لعن طعن کرتے ہیں۔

اور ''شیخ التفسیر و شیخ الحدیث حضرت مولانا مفتی سید محمد حسین شاہ نیلوی مدظلہ العالی'' نے تو کمال ہی کر دیا۔ موصوف نے ''النفائض فی الدعا بعد الفرائض'' کے نام سے اس موضوع پر ایک مستقل کتاب ہی لکھ ڈالی جس میں نُغرۂ توحید کے مذکورہ مضمون کی طرح غیر صحیح روایات بیان کر کے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ فرض نماز کا سلام پھیر کر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا نبی ﷺ اور صحابہ کرام کی سنت ہے!!

ان سے پہلے طاہر پنج پیری صاحب کے یہاں سے بھی اس کے جائز ہونے کا فتویٰ دیا گیا۔ مولوی غرغشتوی کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے لکھا:

خلاصہ کلام

۱۔ دعا بعد الفرض ثابت ہے باحادیث کثیرہ جیسا کہ ذکر کیا گیا[۱]
۲۔ دعا میں دیر کرنا بعد الفرض تھوڑا اور زیادہ ثابت ہے خواہ اذکار مسنونہ تمام پڑھے یا کم اور دعا بعد الفرض کو مکروہ کہنا جیسا کہ ہمارے مخالفین کہتے ہیں خلاف شرع و سنت کے ہیں۔ اور یہ ان کی جہل باحکام الشرع ہے۔ بعض تو جہل میں مبتلا ہیں اور بعض عناد و حسد کذا والیھود علیھم دائرۃ السوء و غضب اللہ علیہم۔
۳۔ جب دعا بعد الفرض ثابت بالسنت ہے تو اس کو چھوڑنا احمق کے لئے زیبا نہیں۔
شوق رکو سنت گراہی سے ... ہے شرف آپ کی غلامی سے
۴۔ دعا میں ہاتھ اٹھانا ثابت بالاحادیث و روایات فقہیہ ہے کما مر
۵۔ دعا بعد السنن منفرداً اکیلا مرغوب ہے مگر جمع کے ساتھ ثابت نہیں ...[۲]

لیکن انہی پنج پیری صاحب کا مرید خان بادشاہ جو اپنی کتاب ''تسکین الخاطر لتذکرۃ اعمال مرشدی مولانا محمد طاہر'' میں اپنے پیر صاحب کے کارناموں کو دل کا سکون قرار دیتا ہے، جس کے دو حوالے پیچھے بیان کئے گئے ہیں، اپنی دوسری کتاب ''الصسامیر النار'' میں لکھتا ہے:

''میں کہتا ہوں کہ جو فرائض اور سنتوں کے بعد اجتماعی دعا کرتے ہیں تو وہ بدعت کے مرتکب ہوتے ہیں۔'' (ص۔۷۰)

جون ۱۹۹۳ء کے نُغرۂ توحید میں اشاعت التوحید والوں کا ایک ۲۳ نکاتی منشور شائع کیا گیا جس میں بہت سے بلند بانگ دعوے کئے گئے مثلاً

''ہم عہد کرتے ہیں اور ببانگ دہل اعلان کرتے ہیں کہ ہم
۱۔ اللہ کی توحید کا ڈنکا بجاتے رہیں گے
۲۔ سید الانبیاء کی سنت کا بول بالا کرتے رہیں گے
۳۔ شرک و بدعات کے قلعے مسمار کرنے کیلئے تن من دھن کی بازی لگاتے رہیں گے
۴۔ ہر مشرک سے ہماری دشمنی اور ہر موحد سے ہماری دوستی ہوگی
۵۔ ہر بدعتی سے ہماری لڑائی اور ہر سنی سے ہماری شناسائی ہوگی۔'' (ص۔۷،۸)

۱۔ یہ سب وہی روایتیں ہیں جنہیں نیلوی صاحب اور مذکورہ مضمون نگار نے بھی بیان کیا ہے۔ ۲۔ الانتصارات سید الابرار، طبع مدرسہ اشاعت التوحید والسنہ پنج پیر صوابی ص۔۲۸،۲۹

قارئین بتائیں کہ اب تک جمعیت اشاعت التوحید والسنۃ کے جو کارنامے بتائے گئے ہیں، کیا ان سے اللہ کی توحید کا ڈنکا بجتا ہے؟ کیا سنت کا بول بالا ہوتا ہے؟ کیا شرک وبدعت مٹانے کی سعی ہوتی ہے؟ کیا مشرکوں سے دشمنی اور مبتدعیوں سے لڑائی کی اس میں کوئی جھلک نظر آتی ہے؟ حقیقی صورتحال تو اس کے بالکل برعکس ہے۔ سنت کا بول بالا کرنے کے دعوے دار بدعات کو فروغ دے رہے ہیں (جس کا نمونہ پچھلے صفحات میں آپ نے ملاحظہ کیا) مشرکوں سے دشمنی کے مدعی ان کی محبت، عقیدت اور اطاعت کا دم بھر رہے ہیں اور اس طرح سے توحید وسنت کی اشاعت کا ان کا دعویٰ باطل ثابت ہو جاتا ہے اور ان کا کفریہ، شرکیہ، مبتدعہ دیوبندی مسلک کھل کر سامنے آجاتا ہے۔ دراصل یہ وہی صورتحال ہے جس کی پیش گوئی نبی ﷺ نے فرمادی کہ

لتتبعن سنن من كان قبلكم شبرا بشبر وذراعا بذراع حتى لو دخلوا جحر ضب تبعتموهم

(بخاری، کتاب الاعتصام، باب قول النبی ﷺ لتتبعن ...)

"تم لوگ ضرور اپنے سے پہلے والوں کی ایک ایک بالشت اور ایک ایک ہاتھ پیروی کرو گے حتیٰ کہ اگر وہ گوہ کے بل میں گھسے ہوں گے تو تم بھی جاؤ گے۔"

اکابر پرستی کی بنیاد پر اٹھنے والے مسلکی شجرِ خبیثہ کی جو شاخ نکلے گی وہ کفر وشرک کے جراثیم سے پاک کیسے ہو سکتی ہے؟ اللہ تعالیٰ آنکھ بند ہونے سے پہلے انہیں آنکھیں کھول کر دیکھ لینے کی توفیق عطا فرمادے۔ آمین

اہلحدیث

اب توحید وسنت کے دعویدار اس دوسرے گروہ، یعنی نام نہاد اہل حدیث، کے عقائد واعمال کا مختصر جائزہ ان کی اپنی کتابوں اور رسالوں کے حوالے سے پیش کیا جائے گا۔

اہلحدیث مسلک کی حامل مختلف جماعتیں مثلاً مرکزی جمعیت اہلحدیث پاکستان، جمعیت اہلحدیث سندھ، جمعیت غرباء اہلحدیث پاکستان، مرکز الدعوۃ والارشاد مرید کے (لشکر طیبہ) وغیرہ کے نام سے یہاں پائی جاتی ہیں۔ اگرچہ ان سب کا دعویٰ ہے کہ یہ سب قرآن وحدیث کی پیروی کرتے ہیں لیکن آئندہ صفحات کے مندرجات سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے عقائد واعمال میں شدید اختلاف پایا جاتا ہے۔ ان میں سے کسی عمل کو ایک فریق شرک کہتا ہے تو دوسرا عین سنت! ایک کے نزدیک کوئی عمل باعث رحمت ہے تو دوسرے کے نزدیک جہنم میں جانے کا سبب!

لفظ "اہلحدیث" کا مطلب ہے حدیث والے، جس طرح "اہل ایمان" کا مطلب ہوتا ہے ایمان والے۔ یعنی "اہل" کا سابقہ اپنے مابعد سے نسبت وتعلق کو ظاہر کرتا ہے۔ اس طرح بظاہر معنی کے اعتبار سے اہلحدیث وہ شخص ہوگا جس کا تعلق حدیث سے ہو، جو حدیث پر عمل کرنے والا ہو۔ اور یہی ان نام نہاد اہلحدیثوں کا دعویٰ بھی ہے کہ وہ حق کے ساتھ احادیث پر عمل کرتے ہیں۔ ذرا ان کے دعاوی کی شدت تو ملاحظہ فرمائیے:

(الف) "اہل الرائے کے مقابلے میں اہلحدیث جماعت نے عہد رسول ﷺ سے لے کر آج تک حدیث کا دامن پکڑے رکھا اور اس کی حفاظت میں وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ دنیا کی عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ ایک ایک حدیث کی طلب اور جستجو کے لئے سینکڑوں اور ہزاروں میلوں کے سفر کئے اور ایک ایک محمدی موتی کو تحریر کی لڑی میں پرو دیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو سالانا علماء واصحابی کی مشعل تصور تھے۔ یہ اتنے ہی قدیم ہیں جتنا کہ قرآن اور حدیث قدیم ہے۔ جب سے قرآن کا نزول اور حدیث کا وجود ہے اس وقت سے الحمدللہ اہلحدیث کا وجود ہے کیونکہ اہلحدیث کے نظریات بعینہٖ قرآن اور حدیث کے بیان کردہ ہیں۔ اہلحدیث نے اپنی طرف سے کوئی عقیدہ ایجاد کیا ہے نہ کوئی عمل۔ قرآن وحدیث پر عمل کرنے پر تمام صحابہ کرام کا اتفاق تھا اور اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ وہ قرآن اور صاحب قرآن سے ایک قدم بھی ادھر ادھر نہیں ہوتے تھے بلکہ وہ عاملین قرآن وحدیث تھے اور بحمداللہ اہلحدیث کا بھی قرآن وحدیث پر عمل کرنے کا عقیدہ اور منہج ہے جو رسول اللہ ﷺ کے تربیت یافتہ اصحاب کا تھا۔" (۱)

(ب) "اہلحدیث ہی سب سے قدیم مذہب ہے جو بعینہٖ صحابہ کرام کا مذہب ہے۔" (۲)

(ج) "ان حقائق کا انکار کرنا آسان بات نہیں ہے کہ اہلحدیث اہل اسلام کا سب سے قدیم اور صحیح مذہب ہے اور اصول وفروع میں صحابہ کا منہج رہے ہیں...." (۳)

(د) "یہ (اہلحدیث) گروہ ان لوگوں پر مشتمل ہے جن کی زبان اور بیان پر ہمیشہ حق غالب رہا، جن کا ظاہر وباطن پاک ہے، جن کے عقائد بدعات، باطل اور خواہش پرستی سے پاک ہیں۔" (۴)

(ہ) "اہلسنت صرف اہلحدیث ہیں باقی زبردستی کے دعویدار ہیں۔ جب ناجی فرقہ اہلسنت ہیں اور اہلسنت صرف اہلحدیث ہیں اور دل کا ناجی ہونا ضروری ہے تو ثابت ہوا کہ ناجی صرف اہل حدیث ہی ہو سکتا ہے۔" (۵)

ذٰلك قولهم بافواههم۔ یہ ان کے منہ کی باتیں ہیں ورنہ حقیقت اس کے برعکس ہے۔ یہ اپنے زعم میں کہتے پھرتے ہیں کہ ان لوگوں کے وہی عقائد واعمال ہیں جو صحابہ کرام کے تھے لیکن اگر ان کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ یہ لوگ اپنے اس دعوے میں جھوٹے ہیں۔ انہوں نے نماز میں ٹانگوں کو چیر کر کھڑا ہونا، زور دار آواز سے آمین کہنا، امام کے پیچھے جہری قرأت میں بھی سورۃ فاتحہ پڑھنا، رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین کو لازمی قرار دینا وغیرہ جیسے مخصوص مسائل کو دانتوں سے پکڑ رکھا ہے اور انہی پر ان کا سارا زور صرف ہوتا ہے۔ انہیں ثابت کرنے کے لئے وہ بازاری انداز اپناتے ہوئے چیلنج اور خطیر رقموں کا اعلان بھی کرتے ہیں، اشتہار بازی اور نعرہ بازی کرتے ہیں، مگر دعویٰ پھر بھی سالانا علماء واصحابی ہونے کا کرتے ہیں۔ ان کی حقیقت ان کے اپنے ہی مسلک کے آدمی کی زبانی ملاحظہ فرمائیے:

"غیر مقلدوں کا گروہ جو اپنے تئیں اہلحدیث کہتے ہیں، انہوں نے ایسی آزادی اختیار کی ہے کہ مسائل اجماعی کی بھی پرواہ نہیں کرتے، نہ سلف صالحین صحابہ اور تابعین

(۱) عقیدہ اہلحدیث از یحییٰ گوندلوی، مطبوعہ گوجرانوالہ ص ۲۲،۲۱ (۲) ایضاً صفحہ ۲۵ (۳) ایضاً (۴) ایضاً ص ۳۶ (۵) کیا یہ گوندلوی از عطاء الرحمٰن، مطبوعہ المعہد الاسلامی، اسلام آباد

کی، قرآن کی تفسیر صرف لغت سے من مانی کر لیتے ہیں۔ حدیث شریف میں جو تفسیر آچکی ہے اس کو بھی نہیں سنتے۔ بعضے عوام اہلحدیث کا یہ حال ہے کہ انہوں نے صرف رفع یدین اور آمین بالجہر کو اہلحدیث ہونے کے لئے کافی سمجھا ہے۔ باقی اور آداب اور سنن اور اخلاق نبوی سے کچھ مطلب نہیں، غیبت، جھوٹ، افتراء سے باک نہیں کرتے۔"(۱)

یاد رہے کہ یہ بات کہنے والی اہلحدیثوں کی وہی سرکردہ و معتبر ہستی ہے جسے اہلحدیث علماء اس طرح خراج عقیدت پیش کرتے ہیں:

"نواب عالی جناب، عالم باعمل فقیہ وقت محب السنۃ وحید الزماں بن مسیح الزماں الدکنی۔"(۲)

اپنے ہم مذہبوں کی "غیبت، جھوٹ، افتراء" سے بے باکی کا رونا رونے والے نواب صاحب بھی ان "اوصاف" سے خالی نہیں۔ چنانچہ جس تابعی کو زبان نبوت "مغفور" قرار دیتی ہے(۳)، ان کی "زبان گہربار" اسے، لعنتی، ملعون، مردود اور "یزید پلید" کہتی ہے۔(۴)

اہلحدیث مکتب فکر کی تحریروں کا مطالعہ کیا جائے تو اندازہ ہوتا ہے کہ قرآن و حدیث سے تمسک کرنے کے ان کے دعوے باطل ہیں اور یہ بھی اُن خرابیوں میں ملوث اور آلودگیوں سے لتھڑے ہوئے ہیں جن میں دیگر فرقے و مسالک مبتلا ہیں، اور اس لحاظ سے ان کی آلودگی شدید تر ہے کیونکہ دوسرے فرقے و مسالک کا قرآن و حدیث سے تعلق کا دعویٰ کسی شخصیت کے تقلیدی تعلق سے منسلک ہے جب کہ یہ ایسے تمام تعلقات کو شرک قرار دیتے ہیں اور قرآن و حدیث سے براہ راست تمسک کے دعویدار ہیں۔ لیکن یہ ایک افسوسناک حقیقت ہے کہ اپنے اس دعوے کو ثابت کرنے کے لئے ان کے پاس بھی ان شخصی تعلقات کے سوا کوئی چارہ نہیں۔ البتہ یہ مزید افسوسناک بات ہے کہ اس سلسلے میں وہ دورخی پالیسی اور دوغلے پن سے بھی گریز نہیں کرتے۔ اگر کوئی بات حنفی مسلک میں ہونے کی وجہ سے ان کے نزدیک قابل نفرین اور لائق ملامت ہے تو ان شخصیات کے لئے پسندیدہ ٹھہرتی ہے جو ان کے مشہور متنازعہ مسائل کی کسی طرح تائید کرتی ہیں، مثلاً تقلید ان کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ اور قابل نفرت چیز ہے۔ ان کا ہر آدمی بڑی دریدہ دہنی سے اس پر اپنی "عالمانہ رائے" کا اظہار کرتا ہے اور اس کے رد و قدح میں پورا زور صرف کرتا ہے۔ کوئی تو اس حد تک چلا جاتا ہے کہ کہنے لگتا ہے:

"ہر شرک پہلے مقلد ہوتا ہے پھر مشرک .... عبادت کہتے ہیں دوسرے کو بڑے سے بڑا جان کر اپنے آپ کو اس کے مقابلے میں چھوٹے سے چھوٹا سمجھنا، یہی کچھ مقلد اپنے امام سے کرتا ہے۔ وہ اپنے امام کو اتنا بڑا سمجھتا ہے کہ خود کو اس کے سامنے جانور سمجھتا ہے اور جانوروں کی طرح سے اس کا قلادہ گلے میں ڈالنے کو اپنی سعادت خیال کرتا ہے، پھر آہستہ آہستہ اسے اللہ کا شریک ٹھہرا لیتا ہے۔"(۵)

لیکن تقلید کا یہی شرک جب ابن تیمیہ، ابن قیم، ابن کثیر، عبدالقادر جیلانی، اور دیگر حنبلی و شافعی سرکردہ شخصیات میں پایا جائے تو انہیں "شیخ الاسلام"، "الامام"، "الشیخ" وغیرہ جیسے بلند مقام پر بٹھا دیا جاتا ہے اور وہ زبانیں جو تقلید کی مذمت و ملامت کرتے نہیں تھکتیں، ان مذکورہ شخصیات کے گن گانے لگتی ہیں، صرف اس وجہ سے کہ وہ رفع یدین کرتے تھے، زور سے آمین پکارتے تھے، تین طلاقوں کو ایک کہتے تھے، امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھتے تھے۔ تقلید کی مذمت کرنے اور مذکورہ شخصیات کی تعریف میں زبان تر کرنے سے پہلے ان مزعومہ اہلحدیثوں کو اپنے "شیخ الاسلام" کا یہ فتویٰ بھی سامنے رکھنا چاہئے:

"بھی شریعت سے ابوحنیفہ، ثوری، مالک بن انس، اوزاعی، لیث بن سعد، شافعی، احمد، اسحاق، داؤد وغیرہ ائمہ فقہ کا قول مراد ہوتا ہے۔ سو یہ لوگ اپنے اقوال کے لئے کتاب و سنت سے دلیل لاتے ہیں۔ جب کوئی مقلد ان میں سے کسی کی تقلید حسب گنجائش کرے تو جائز ہے اور اس کی تقلید نہ کرے تو کسی اور کی تقلید بشرط گنجائش کرے تو جائز ہے۔"(۶)

مسلک اہلحدیث کی تحریریں پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ انداز شاید حنفیوں سے بغض رکھنے کے سبب اپنایا ہے ورنہ قرآن و حدیث پر ایمان رکھنے والوں کا دوہرا معیار نہیں ہو سکتا۔ حدیث سے تو یہ اصول ملتا ہے کہ اشتراک علت کے سبب حکم عام ہو گا اور کسی کا اس میں کوئی استثناء نہ ہو گا، خواہ کوئی بھی ہو۔ چوری کا فعل خواہ مخزومی فاطمہ بنت اسود سے ہو یا قریشی فاطمہؓ بنت محمدؐ سے، زبان نبوت کہتی ہے کہ دونوں کا ہاتھ کاٹا جائے گا۔(۷)

اور جنہیں شیخ الاسلام کہہ کر ان پر اللہ کی رحمت کے ڈونگرے برسائے جا رہے ہیں، ان کے کارنامے بھی تو دیکھئے، انہوں نے قرآن و حدیث کی کیسی "خدمت" کی۔ قرآن کہتا ہے کہ جو ایک دفعہ مر گیا، قیامت تک مردہ ہے، اس میں قیامت سے پہلے روح نہیں لوٹ سکتی (۸)، وہ شعور، ادراک، فہم، تمام حواس سے عاری ہے (۹)، کچھ بھی نہیں سن سکتا (۱۰)، اس کے اور دنیا والوں کے درمیان قیامت تک ناقابل عبور رکاوٹ حائل ہے (۱۱)۔ لیکن اہلحدیثوں کے "شیخ الاسلام" فتویٰ دیتے ہیں کہ

"مشہور اور مستفیض احادیث سے ثابت ہے کہ مردہ اپنے اہل و عیال اور دوستوں کے اعمال کو جانتا ہے جو ان کو دنیا میں پیش آتے ہیں اور یہ حالات اس پر پیش کئے جاتے ہیں اور احادیث میں یہ بھی آتا ہے کہ وہ دیکھتا بھی ہے اور جو کچھ اس کے پاس کیا جاتا ہے اس کو جانتا بھی ہے۔ اگر وہ کارروائی اچھی ہو تو اس سے وہ خوش ہوتا ہے اور اگر وہ بری ہو تو اس کو اس سے رنج پہنچتا ہے اور مردوں کی روحیں اجتماعات بھی کرتی ہیں۔ لیکن صرف اعلیٰ روحیں ادنیٰ کی طرف نازل ہوتی ہیں اس کے برعکس نہیں۔"(۱۲)

وسماع الميت للاصوات من السلام والقراءة حق

"مردہ کا سلام و قراءت کی آوازوں کو سننا حق ہے۔"(۱۳)

(۱) لغات الحدیث از نواب وحید الزماں، جلد ۲، صفحہ ۹۱ کتاب ش: بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، ص۔۱۰۳ (۲) بدیع الدین شاہ راشدی، ہدایۃ المستفید، جلد ۱ صفحہ ۱۰۳: بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، ص۔۱۳۵ (۳) بخاری: کتاب الجہاد، باب ما قیل فی قتال الروم/ کتاب التہجد، باب صلوٰۃ النوافل جماعۃ (۴) تیسیر الباری شرح صحیح بخاری: جلد ۲ ص ۵، ۱۳۶، جلد ۷ ص۔۱۲۵، جلد ۹ ص ۱۳۱، ۱۳۲، ۱۷۱، ۱۹۵ وغیرہ (۵) عبداللہ بہاولپوری: اہل السنت، ص۔۳۲: بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، ص۔۸۵ (۶) الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطان از ابن تیمیہ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ لاہور، ص۔۱۳۹ (۷) متفق علیہ: کتاب الحدود، باب السرقۃ (۸) المومنون: ۱۵، ۱۶ (۹) النحل: ۲۰، ۲۱ (۱۰) النحل: ۸۰، ۸۱/ فاطر: ۲۲ (۱۱) المومنون: ۱۰۰ (۱۲) الفتاویٰ الکبریٰ، ابن تیمیہ، جلد ۳ ص۔۲۲۹، ۲۳۷ (۱۳) اقتضاء الصراط المستقیم ص۔۱۸۱ طبع مصر بحوالہ تسکین الصدور ص۔۳۸۳

موصوف نے زائرین قبر پر ایک کتاب "الجواب الباہر" (مطبوعہ مکتبہ الدعوۃ، فیصل آباد) لکھی ہے۔ اس کتاب میں موضوع روایات کی بھرمار کر کے اور بے سند باتیں بیان کر کے "شیخ" گویا "الاسلام" سے بالکل "باہر" ہو گئے ہیں۔ چند نمونے ملاحظہ فرمایئے:

۱۔ جب کوئی نبی ﷺ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ نبی ﷺ کی روح لوٹا دیتا ہے اور آپ اس سلام کا جواب دیتے ہیں (ص۔ ۱۹، ۲۳، ۱۱۸، ۱۹۶)

۲۔ حجرہ مبارک میں داخل ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ آپ پر سلام کہے اور یہی وہ قریب والا سلام ہے جس کا جواب رسول ﷺ دیتے ہیں (ص۔ ۲۲)

۳۔ قبر مکرم کی زیارت افضل ترین عمل ہے (ص۔ ۳۱) ۶

۴۔ اگر کسی قبر کی زیارت کی نیت سے سفر کیا جائے تو لاعلمی کی وجہ سے اجر بھی ملے گا اور جہالت کی وجہ سے معاف بھی کر دیا جائے گا (ص۔ ۵۲)

۵۔ قبر نبوی کے مسجد نبوی میں شامل ہو جانے کے بعد بھی اس مسجد میں نماز ادا کرنے کی فضیلت وعظمت باقی ہے (ص۔ ۵۵)

۶۔ "امام احمد بن حنبل سے ایک قول یہ بھی منقول ہے کہ آنحضرت کی قسم کھائی جا سکتی ہے (ص۔ ۵۶) ۵

۷۔ آپ ﷺ قریب سے سلام سن لیتے ہیں اور جو شخص دور ہو اس کا سلام آپ تک بذریعہ ملائکہ پہنچا دیا جاتا ہے (ص۔ ۱۲۰)

۸۔ عبداللہ ابن عمر جب قبر مکرم پر آتے تو کہتے السلام علیک یا رسول اللہ، اے ابوبکر آپ پر سلام ہو، اے ابا جان آپ پر سلام ہو (ص۔ ۱۳۱، ۱۳۲)

۹۔ آپ کی عادت مبارک تھی کہ جو شخص سلام کہتا آپ اس کا جواب دیتے۔ اور اب بھی جو شخص قبر مکرم کے قریب جا کر سلام عرض کرتا ہے آپ اس کا جواب دیتے ہیں (ص۔ ۱۳۵)

۱۰۔ جو شخص ایسے انسان کی قبر کے پاس آتا ہے جسے وہ زندگی میں جانتا تھا اور اس کو سلام کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ مرنے والے کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیتا ہے جس سے وہ سلام کہنے والے کو جواب دیتا ہے (ص۔ ۱۳۵، ۱۹۶)

۱۱۔ سلام کہنے کا اجر جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ملتا ہے وہ میت کے جواب دینے سے ہزار ہا درجہ افضل و اعلیٰ ہے (ص۔ ۱۳۰)

۱۲۔ دور کا سلام قریب والے سلام سے افضل ہے۔ قریب سے سلام پڑھنے میں مومنین خواہ زندہ ہوں یا فوت شدہ برابر ہیں (ص۔ ۱۵۱)

۱۳۔ صحابہ کرام جب ام المومنین عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہو کر کوئی سوال پوچھتے تو حجرہ مبارک میں چلے جاتے اور نبی ﷺ کو اسی طرح سلام کرتے جس طرح آپ کی زندگی میں کیا کرتے تھے (ص۔ ۱۳۵، ۱۵۱)

۱۴۔ سلام کرنا ہر مسلمان کے حق میں ضروری ہے خواہ وہ زندہ ہو یا مردہ کیونکہ ہر مومن سلام کا جواب دیتا ہے۔ (ص۔ ۱۵۹)

ابن تیمیہ صاحب کی دکھائی ہوئی راہ پر چلتے ہوئے ان کے شاگرد ابن قیم صاحب نے بھی اس موضوع پر "کتاب الروح" کے عنوان سے ایک ضخیم کتاب لکھی اور اس میں "ہونہار شاگرد" نے وہ ساری کسریں بھی پوری کر دیں جو "استاد محترم" نے چھوڑ دی تھیں۔ خوف طوالت سے اقتباس نہیں دیئے جا رہے ورنہ اس کتاب کا ایک ایک صفحہ گزشتہ سطور میں مذکور ان تمام قرآنی آیات کی تکذیب کرتا ہے جو بتاتی ہیں کہ مردے میں کوئی شعور اور حس نہیں، وہ دیکھنے سننے، بولنے حرکت کرنے کے تمام حواس سے عاری ہے اور قیامت سے پہلے زندہ نہیں ہو سکتا کیونکہ یہ کتاب (مطبوعہ شیخ برادرز، اردو بازار، لاہور) ثابت کرتی ہے کہ

☆ مردے کو جب سلام کیا جائے تو اس کی روح لوٹا دی جاتی ہے (ص۔ ۱۷)
☆ وہ اپنے کانوں سے اس سلام کو سنتا ہے (ص۔ ۱۹)
☆ وہ قبر کی زیارت کرنے والے کو پہچانتا ہے (ص۔ ۱۷)
☆ اس کے آنے سے خوش ہوتا ہے (ص۔ ۱۹)
☆ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے (ص۔ ۱۷)
☆ اگر کوئی اس کے مزار پر ایک نماز پڑھتا ہے تو وہ اس کو دیکھتا ہے (ص۔ ۱۸)
☆ اسے نمازی کی خبر ہو جاتی ہے (ص۔ ۱۹)
☆ وہ اس نمازی پر نماز کی وجہ سے رشک کرتا ہے (ص۔ ۱۸)
☆ یہ قبر سے ٹیک لگانے والے کو پکار کر کہتا ہے کہ یہاں سے ہٹ جاؤ مجھے تکلیف دی، وہ اور وہ سن لیتا ہے (ص۔ ۱۸)
☆ قبر والے کو زائر کے سلام کرنے کی اور اس کی دعا کا علم ہو جاتا ہے (ص۔ ۱۹)
☆ بلکہ اسے لوگوں کے دل کا حال بھی معلوم ہو جاتا ہے (ص۔ ۲۵)
☆ وہ اپنی اولاد کو بہت دور سے آ کر دیکھ لیتا ہے (ص۔ ۲۶)
☆ اور جب وہ آپس میں ملاقات کرتے ہیں تو خواب میں آ کر گفتگو کرتا ہے (ص۔ ۲۵)
☆ اپنے اہل وعیال کے حالات سے باخبر رہتا ہے (ص۔ ۲۶)
☆ اپنی اولاد کی نیکیوں سے خوش ہوتا ہے (ص۔ ۳۰)
☆ مردے خواب میں آ کر غیب کی خبریں دیتے ہیں (ص۔ ۳۹ وغیرہ)
☆ مردے ایک دوسرے کو اس طرح پہچانتے ہیں جیسے زندہ دوستوں پر پرندے پہچانے جاتے ہیں۔ اگر کوئی کسی مردے سے کہے کہ فلاں مردے کو میرا سلام کہہ دینا تو وہ کہہ دیتا ہے (ص۔ ۳۹)

اپنی ان باتوں کو ثابت کرنے کے لئے قصیدہ نونیہ میں یوں سخن طرازی فرماتے ہیں:

وهذا وورد نبا تسليم من يأتي بتسليم مع الاحسان
ما ذاك مختصا به ايضا كما قد قاله المبعوث بالقرآن
من زار قبر اخ له فاتى بتسليم عليه وهو ذو ايمان
رد الاله عليه حقا روحه حتى يرد عليه رد بيان

"اور یہ امر صحیح ہے کہ ہمارے نبی ﷺ عمدہ طریقے سے اس شخص کے سلام کا جواب دیتے ہیں جو آپ کو سلام کہتا ہے۔ یہ بھی آپ کی ذات گرامی کے ساتھ مخصوص نہیں ہے جیسا کہ خود اس ذات گرامی نے فرمایا جس کو قرآن دے کر بھیجا گیا، جس شخص نے اپنے کسی مومن بھائی کی قبر کی زیارت کی اور اس نے سلام کیا تو پروردگار یقینی طور سے اس پر اس کی روح کو لوٹا دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اس کا جواب واضح بیان سے لوٹاتا ہے۔" ۷

"حیات النبی" کے متعلق ان کے استاد کا کہنا تھا کہ

"انبیاء کے گوشت کو زمین [illegible] ہیں۔" ۸

---

۶ نبی ﷺ نے بتایا کہ افضل ترین عمل اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان، اللہ کی راہ میں جہاد اور حج مبرور ہے (بخاری: کتاب الایمان، باب من قال ان الایمان هو العمل)۔ دیگر روایات میں اللہ کی محبت اور وقت پر صلوٰۃ ادا کرنے کو افضل ترین عمل بتایا گیا ہے۔ ۵ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ خبردار اللہ کے سوا کسی کی قسم نہ کھاؤ (بخاری: کتاب مناقب الانصار، باب ایام الجاہلیہ)۔ جس نے اللہ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا (ابوداؤد: کتاب الایمان والنذور، باب فی کراہیۃ الحلف بالآباء) ۷ النونیہ ص۔ ۱۳۵ بحوالہ تسکین الصدور ص۔ ۳۸۵ ۸ اتحاف الصراط المستقیم مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ شیش محل روڈ، لاہور ص۔ ۱۹۶

"حضورؐ نے فرمایا کہ میری قبر پر میلے نہ رچانا، جہاں کہیں تم ہو مجھ پر درود بھیجتے رہنا، تمہارا درود مجھے ضرور پہنچے گا۔ نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص مجھ پر سلام بھیجتا ہے تو اللہ تعالیٰ روح کو میری طرف لوٹا تا ہے۔ میں اس شخص کو سلام کا جواب دیتا ہوں۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر فرشتے تعینات کر دیئے ہیں جو کہ میری امت کی طرف سے مجھے سلام پہنچایا کریں گے تمہارا درود میرے سامنے پیش کیا جائے گا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔"(۱)

اہلحدیثوں کے ان "شیخین" کی بیان کردہ انہی ضعیف و موضوع روایات ☆ کی بنیاد پر آج ان نام نہاد اہلحدیثوں کا یہ عقیدہ بنا ہوا ہے کہ مردہ اسی دنیاوی قبر میں زندہ ہو جاتا ہے، اس کی روح لوٹ آتی ہے، وہ سلام سنتا ہے، اس کا جواب دیتا ہے، اس پر زندوں کے اعمال پیش ہوتے ہیں۔ ہندوستان میں اہلحدیث مسلک کے بانی میاں نذیر دہلوی، نواب صدیق الحسن خان، نواب وحید الزماں، پیر جھنڈا بدیع الدین راشدی، وغیرہ ان باتوں پر قرآن و حدیث کے خلاف فتویٰ دیتے رہے، جس کی تفصیل ہمارے کتابچے "عذاب برزخ" میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ زمانہ حال کے اہلحدیث خود کو ان اسلاف کا پیرو ثابت کرتے ہوئے ایسے ہی خلاف قرآن و حدیث فتوے دیتے ہیں۔ پروفیسر عبداللہ بہاولپوری نے اپنے کتابچے "کیا مردے سنتے ہیں؟" میں مکالمے کی شکل میں سماع موتیٰ کا رد کرنے کی کوشش کی لیکن "سلفی" ہونے کی وجہ سے اپنے ان اسلاف کے عقائد کی تائید ان الفاظ میں کی:

"ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ پر جتنے سلام پڑھے جاتے ہیں وہ سب سلام دعا ہوتے ہیں۔ ان کا سننا اور اسی وقت جواب دینا ضروری نہیں بلکہ اللہ کے مقرر کردہ فرشتے ان تمام سلاموں کو جمع کر کے کسی خاص وقت میں جب اللہ کو منظور ہوتا ہے حضورؐ کو پہنچا دیتے ہیں اور پھر آپ سب کے حق میں جوابی دعا دیتے ہیں۔۔۔۔۔۔۔۔۔ سلام کا جواب دینے کے لئے نبی کی روح لوٹائی جاتی ہے۔" (۲)

لشکر طیبہ والے بھی مردے کی روح دنیا میں لوٹا کر قبر میں اسے زندہ کر دیتے ہیں (۳)۔ اہلحدیثوں کے عقائد بیان کرتے ہوئے یحییٰ گوندلوی صاحب اپنے اسلاف کے ارشاد سے بھلا کیسے انحراف کر سکتے تھے، لہٰذا وہ بھی اس کو بیان کرتے ہیں (۴) لیکن وہ اس میں مزید پیش قدمی کرتے ہوئے نبی ﷺ کے ایک قبر پر ٹہنی گاڑنے کی روایت سے استدلال کرتے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ

"رسول اللہ ﷺ کا یہ مشاہدہ اس بات کی قوی دلیل ہے کہ جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں ان کا معاملہ اسی قبر میں ہوتا ہے جس میں وہ دفن ہوئے ہوتے ہیں۔" (۵)

"البتہ یہ عذاب روح مع الجسد ہوتا ہے۔ جسم کسی بھی حالت میں ہو گل سڑ جائے، کسی کا لقمہ بن جائے تب بھی۔ اللہ اس کے زندہ کرنے پر قادر ہے۔۔۔۔۔۔۔۔۔" (۶)

عبدالرحمٰن کیلانی صاحب نے "روح، سماع موتیٰ اور عذاب قبر" کے موضوع پر ایک کتاب لکھی اور یہی باتیں بیان کیں۔ البتہ دنیاوی قبر میں روح مع الجسد پر عذاب ہونے کی کیفیت کو انہوں نے خواب کی مثال سے تشبیہ دی کہ جس طرح خواب میں کسی تکلیف کا احساس سوئے ہوئے شخص کو ہوتا ہے اسی طرح مردے کو بھی ہوتا ہے۔ (۷)

"شیخ الاسلام" کے اس "علامہ حافظ" شاگرد نے اپنی دوسری کتابوں میں قرآن و حدیث کی مزید "خدمت" فرمائی ہے۔ نبی ﷺ نے تعویذ گنڈوں کو شرک قرار دیا ہے [تفصیل گزشتہ صفحات میں بیان کی جا چکی ہے] لیکن جب علامہ صاحب نے "زاد المعاد" کے نام سے نبی ﷺ کی عظیم سیرت لکھی تو اس میں اپنے مسلکی امام احمد بن حنبل اور استاد ابن تیمیہ سے بخار، ولادت میں آسانی، نکسیر اور گنج پن کے تعویذ بھی لکھ دئے۔ (۸) یہودیوں کی بداعمالیوں میں ایک بدترین حرکت یہ بھی تھی کہ وہ اپنے محسن انبیاء علیہم السلام پر طرح طرح کے جھوٹے الزامات لگا کر ان کے کردار کو داغدار کرنے کی مذموم کوشش کرتے تھے۔ بائبل کی کتاب پیدائش کے مختلف ابواب ان کی اس قبیح حرکت کا ثبوت فراہم کرتے ہیں۔ اللہ کے جلیل القدر نبی داؤد علیہ السلام پر انہوں نے تہمت لگائی (۹)۔ مدینے کے منافقوں نے بھی اسی طرح کی حرکت کی اور رسول اللہ ﷺ کی زینبؓ سے شادی کو بھی یہی رنگ دیا (۱۰)۔ یہ دونوں واقعات بالکل جھوٹے ہیں اور ان پر یقین کرنا عصمت انبیاء پر حملہ اور توہین رسالت کا ارتکاب ہے۔ یہاں صرف اس لئے بیان کئے گئے ہیں کہ اپنے مسلک کو ما انا علیہ و اصحابی قرار دینے والوں اور ان کے ممدوحین کی جرأت ظاہر ہو کہ انہوں نے کس طرح رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کے منہج کے خلاف راہ اپنائی ہے۔ ابن قیم نے اپنی کتاب "الجواب الکافی" میں غیر عورتوں سے عشق و محبت ہو جانے کے ثبوت میں یہ دونوں واقعات بطور دلیل پیش کئے ہیں۔ (۱۱)

ابن تیمیہ اور ابن قیم صاحبان کے معتقد ان کے ہم مذہب سعودی حنابلہ بھی ہیں جن کی خدمات کا اہلحدیث دل سے اعتراف کرتے ہیں۔ ہر چند کہ تقلید سے نفرت کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن احمد بن حنبل کے ان مقلدین سے ان کو قلبی لگاؤ ہے۔ یہ نام نہاد اہلحدیث ان حنبلی علماء کو بڑی عقیدت اور شوق سے پاکستان بلاتے ہیں، ان کی خوب آؤ بھگت کرتے ہیں، ان سے جلسوں میں تقریریں کراتے ہیں جن کی خوب تشہیر کی جاتی ہے۔ تقلید کو شرک کہتے ہیں لیکن ان مقلد حنبلیوں کی اقتداء میں نماز پڑھنے کے لئے بڑے بڑے اجتماعات کا اہتمام کرتے ہیں۔ ان حنبلیوں کے تحقیقی و اشاعتی اداروں میں یہی اہلحدیث نظر آتے ہیں، ان کی تالیفات کے تراجم شائع کرنے والے یہی اہلحدیث ہیں، ان کی یونیورسٹیوں میں سعودی وظیفوں پر "علم و فضل" حاصل کرنے والے یہی اہلحدیث ہیں۔ ان حنبلیوں کے قرآن و حدیث کے خلاف اور قبر پرستی کی بنیاد فراہم کرنے والے عود روح یعنی قبر میں مردے کے زندہ ہو جانے کے کفریہ عقیدے کی گرفت کی جائے تو ان ہستیوں کا دفاع کرنے والے بھی یہی اہلحدیث ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے جب یہ ثابت کیا

(۱) الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطٰن، ص ۔ ۲۰۷، ۱۰۸ ان کی حقیقت ہمارے کتابچوں "یہ مزار یہ میلے" اور "ایمان خالص قسط دوم" میں دیکھی جاسکتی ہے (۲) مطبوعہ مکتبہ الحدیث ٹرسٹ، کراچی، ص ۔ ۳۲ (۳) آسمانی جنت اور درباری جہنم از امیر حمزہ، مدیر الدعوۃ، ص ۔ ۱۳ (۴) عقیدہ و اہلحدیث، ص ۔ ۳۳۱ (۵) ایضاً، ص ۔ ۳۳۳ (۶) ایضاً، ص ۔ ۳۳۳ (۷) مطبوعہ مکتبہ الحدیث ٹرسٹ، کورٹ روڈ، کراچی، ص ۔ ۴۰ (۸) مطبوعہ نفیس اکیڈمی، کراچی، جلد ۳، ص ۔ ۳۶۸ (۹) تفصیل کیلئے بائبل کی کتاب سموئیل دوم، باب ۱۱ اور ۱۲ پڑھئے (۱۰) تفصیل کیلئے تاریخ طبری اور تاریخ ابن اثیر میں پانچ ہجری کے واقعات پڑھئے (۱۱) الجواب الکافی، مطبوعہ مکتبہ قدوسیہ، اردو بازار، لاہور، ص ۔ ۳۳۱، ۳۵۲، ۳۵۳

جائے کہ احمد بن حنبل نے اپنے اہل تعلق کو اس بات کی تلقین کی کہ قبر کے اندر مردے میں روح واپس لوٹ آتی ہے تو وہ ان کے مناقب بیان کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ ان کی زبانیں ان کے ایک اور مقلد محمد بن عبدالوہاب نجدی کی تعریف و توصیف سے بھی تر رہتی ہیں جو توحید کے بیان میں اتنا آگے بڑھ گئے کہ مسند احمد میں اپنے امام کی بیان کردہ غلط روایت کو بنیاد بنا کر آدم و حوا علیہما السلام کو شرک سے متہم کر دیا۔ (۱) یہ نجدی صاحب احمد بن حنبل کے اس قدر غالی مقلد و معتقد تھے کہ اکثر کہا کرتے تھے:

بای لسان اشکر اللہ انہ ... لذو نعمۃ قد اعجزت کل شاکر

حبانی بالاسلام فضلا و نعمۃ ... علی و بالقرآن نور البصائر

وبالنعمۃ العظمیٰ اعتقاد ابن حنبل ... علیہا اعتقادی یوم کشف السرائر

"میں کس زبان سے اللہ کا شکر کروں کہ وہ ایسا صاحب نعمت ہے کہ ہر شکر کرنے والا اس کے شکر سے عاجز ہے۔ اس نے مجھ پر فضل و نعمت فرماتے ہوئے اسلام بخشا اور قرآن کا علم دیا جو آنکھوں کا نور ہے۔ اور سب سے بڑی نعمت یہ کہ ابن حنبل کا عقیدہ دیا۔ یہی میرا عقیدہ اس دن ہو گا جب راز کھل جائیں گے۔" (۲)

اہلحدیث ان نجدی صاحب کے کارناموں کی تعریف و توصیف میں رطب اللسان نظر آتے ہیں اور انہیں "وقت کا عظیم مصلح اور مجدد و شیخ الاسلام" گردانتے ہیں (۳)

"جس کے جذبہ توحید اور ایمانی خلوص نے محمد بن سعود کو شرک و بدعت کے لئے شمشیر بے نیام بنا دیا اور یوں رحمت رحمان نے انیسویں صدی عیسوی کے آغاز میں جزیرہ نمائے عرب کا بہت بڑا حصہ شرک و بدعات کی ظلمتوں سے نکال کر پھر خالص قرآن و سنت کے نور سے جگمگا اٹھا۔" (۴)

ان کا یہ کارنامہ واقعی لائق تحسین ہے کہ انہوں نے اونچی قبریں زمین کے برابر کر دیں اور ان پر تعمیر قبے ڈھا دئے۔ تسویۃ القبور بیشک حکم رسول ہے (۵) جس کی تعمیل بفرمان الٰہی لازم ہے (۶)۔ لیکن جب یہی نجدی صاحب قبے ڈھاتے ہوئے گنبد خضرا پر پہنچے جو کہ نبی ﷺ کے حکم کی خلاف ورزی میں آپ کی وفات کے تقریباً سات سو سال بعد آپ کی قبر پر تعمیر کیا گیا، تو پکار اٹھے کہ [illegible] آپ پر قربان۔ اس کے بعد سے آج تک سعودی عرب کی حنبلی حکومت اس گنبد کی خادم ہے اور اس کے تحفظ اور بقا پر لاکھوں ریال خرچ کرتی ہے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کریں جب کہ ان کے باپ عبدالعزیز آل سعود نے اس کا عزم کیا تھا۔ اہلحدیثوں کے ایک بڑے عالم اور مصنف صلاح الدین یوسف نے "قبر پرستی" کے عنوان سے ایک کتاب تصنیف کی جس میں قبروں کو پختہ کرنے، ان پر عمارات تعمیر کرنے، ان کی پرستش کرنے وغیرہ کی ممانعت کو بڑی تفصیل سے بیان کیا۔ لیکن کتاب کی ابتدا ہی میں بڑے نمایاں طور پر گنبد خضرا کے متعلق وضاحت بیان کرتے ہوئے سلطان عبدالعزیز کا یہ فرمان نقل کیا کہ:

"روضۃ الرسول کے متعلق کسی بحث کی ضرورت نہیں۔ اس کا تحفظ اور بقا ہر مسلمان کے لئے فرض ہے اور جس کی حفاظت کے لئے میں سلطان رہتے ہوئے اپنی جان اور تمام خاندان کو اس پر قربان کر دوں گا۔" (۷)

قرآن و حدیث کی تعلیمات کے خلاف تعمیر کئے جانے والے اس گنبد کی ان نام نہاد اہلحدیثوں کے نزدیک کیا حیثیت ہے؟ اس کا اندازہ ان کے سلف ثناء اللہ امرتسری کے فتوے سے ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ:

"گنبد کے منہدم کرنے [illegible] جانتے ہیں۔" (۸)

حالانکہ یہی امرتسری صاحب اپنے فتوؤں میں ایک دوسری جگہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ:

"۵۷ھ تک تو آنحضرت ﷺ کی قبر مبارک پر کوئی قبہ نہ تھا۔ اس کے بعد ملک منصور صالح کے زمانے میں قبہ بنا۔" (۹)

یہ بات قابل غور ہے کہ جس گنبد کا وجود نبی ﷺ کی وفات کی سات صدیوں تک نہ تھا اور جس کی تعمیر سے نبی ﷺ نے اپنی حیات میں منع بھی فرمایا تھا لیکن حکم رسول کی خلاف ورزی کرتے ہوئے پھر بھی بنا دیا گیا تو اس کا دیکھنا کیسے ثواب ہو سکتا ہے؟ نبی ﷺ نے تو قبروں کو آراستہ و مزین کرنے سے بھی منع فرمایا ہے۔

احمد بن حنبل کی تقلید کرنے والی ابن حنبلی سعودی حکومت کے مفتی اعظم عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز تھے جن کے فتاویٰ کا اہلحدیث اردو ترجمہ کر کے شائع کرتے ہیں۔ یہ اپنے فتاویٰ میں قرآن پڑھنے کی اجرت لینے کو جائز کہتے تھے (۱۰) اگرچہ نبی ﷺ نے اس کو ناجائز قرار دیا (۱۱)۔ یہ مفتی صاحب میت کے لئے کئے جانے والے صدقہ خیرات کا ان کو فائدہ ہونے یعنی ایصال ثواب کے درست ہونے پر بھی فتویٰ دیتے تھے (۱۲)۔ یہ ابن باز صاحب اپنے امام حنبل، ابن تیمیہ اور ابن قیم کی پہلے بیان کردہ خلاف قرآن و حدیث باتیں بیان کرنے سے بھی باز نہ آئے۔ حج و عمرے کے مسائل پر مشتمل ان مفتی صاحب کی مؤلفہ ایک پاکٹ بک سعودی حکومت حاجیوں کو مفت تقسیم کرتی ہے۔ اس کتاب میں اپنے "ائمہ ثلاثہ" کی بیان کردہ موضوع روایات کی بنیاد پر نبی ﷺ کی قبر کی زیارت کے موقع پر کھڑے ہو کر ادب کے ساتھ خطاب کے صیغے میں سلام کرنا، مناجات کرنا، نبی ﷺ کی روح کا لوٹا دیا جانا، سلام کا سننا بیان کیا (۱۳)۔ اور بتایا کہ نبی ﷺ کی قبر کے پاس

(۱) کتاب التوحید مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی ص ۱۳۵ (۲) مقدمہ کتاب التوحید مطبوعہ میر محمد کتب خانہ آرام باغ کراچی (۳) [illegible] ص ۱۵۱ (۴) ایضاً ص ۱۵۲
(۵) مسلم کتاب الجنائز وغیرہ (۶) الحشر ۷، النساء ۶۵ (۷) قبر پرستی مطبوعہ [illegible] (۸) فتاویٰ ثنائیہ [illegible] (۹) ایضاً صفحہ ۳۸ (۱۰) فتاویٰ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز [illegible] (۱۱) تفصیل [illegible] (۱۲) [illegible]
[illegible]

زور سے بات نہ کی جائے کیونکہ اللہ نے سورۃ الحجرات میں نبی ﷺ کے سامنے آواز بلند کرنے سے منع فرمایا ہے۔(۱) اور یہ بھی فرمایا کہ "اس میں شک نہیں رسول اللہ ﷺ اپنی قبر میں برزخی زندگی کے ساتھ زندہ ہیں۔"(۲) اور مزید یہ کہ:

"نبی اپنی قبر میں آرام فرما ہیں اور آپ کی روح مبارک اللہ تعالیٰ کے پاس عزت و کرامت کے اعلیٰ مقام علیین میں ہے۔"(۳)

جب اتنی بڑی حکومت کا سرکاری مفتی نبی ﷺ کا اپنی دنیاوی قبر میں زندہ ہونے کا فتویٰ دے تو پھر جب بدعتی بریلوی لوگ قرآن کی آیت

وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ۝ (النساء:۶۴)

"اور جب انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کرلیا تو اگر وہ آپ کے پاس آتے اور اللہ سے مغفرت چاہتے اور رسول بھی ان کے لئے مغفرت چاہتا تو وہ ضرور اللہ کو توبہ قبول کرنے والا اور رحم کرنے والا پاتے۔"

سے غلط استدلال کرتے ہوئے اپنے گناہوں کی مغفرت کے لئے قبر نبوی پر آہ و زاری کرتے ہیں تو ان کا شرطہ پھر کیوں انہیں منع کرتا ہے؟ ایک غلط فعل کی بنیاد تو خود فراہم کرتے ہیں پھر جب لوگ اس کی بنیاد پر وہ عمل کرنے لگتے ہیں تو اسے غلط سمجھ کر اس سے روکتے ہیں!

حنبلی مسلک کی ایک اور متقدرہ شخصیت عبدالقادر جیلانی صاحب بھی ہیں جن کی کتاب غنیۃ الطالبین وغیرہ کے یہ اہلحدیث لوگ اپنے فاتحہ خلف الامام و رفع الیدین وغیرہ جیسے مخصوص و امتیازی مسائل کے لئے حوالے دیا کرتے ہیں۔(۴) قرآن و حدیث کی پیروی کا دعویٰ کرنے والے یہ لوگ ذرا بتائیں کہ ان کے ممدوح "حضرت پیران پیر شیخ عبدالقادر جیلانی"(۵) کی درج ذیل باتیں قرآن و حدیث کے کن احکامات کے مطابق ہیں:

☆ "جوان عورت کو مرد کا سلام کرنا مکروہ ہے۔ ہاں اگر وہ بے پردہ منہ کھول کر باہر نکلی ہو تو کوئی حرج نہیں۔"(۶)

☆ "کھلے منہ بوڑھی عورت کی چھینک کا جواب دینا مرد کے لئے جائز ہے اور نقاب پوش جوان عورت کی چھینک کا جواب دینا مرد کے لئے ناجائز ہے۔"(۷)

☆ "**روضہ مبارک کی زیارت کے آداب**

...... دعا کرے ...... اللھم انی اتوجہ الیک بنبیک علیہ سلامک نبی الرحمۃ یا رسول اللہ انی اتوجہ بک الی ربی ......"(۸)

[ترجمہ اے اللہ میں تیرے نبی جن پر تیرا سلام ہو اور جو نبی رحمت ہیں، کے طفیل تیری طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ یا رسول اللہ! میں آپ کے وسیلے سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔]

☆ بخار، تکسیر، ولادت میں آسانی، وغیرہ کے تعویذ۔(۹)

☆ نبی ﷺ نے اپنے رب کا گیارہ مرتبہ دیدار کیا۔(۱۰)

☆ "ہمارا یہ بھی ایمان ہے کہ مردے کے پاس جب کوئی زیارت کو آتا ہے تو وہ اس کو پہچانتا ہے۔ جمعہ کے دن طلوع فجر کے بعد سورج نکلنے سے پہلے یہ شناخت زیادہ قوی ہوتی ہے۔"(۱۱)

☆ "روح کو دوبارہ جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔"(۱۲)

☆ "گیارہ مرتبہ قل ھو اللہ وغیرہ پڑھ کر صاحب قبر کو بطور ہدیہ بھیجے اور اللہ سے عرض کرے الٰہی اس سورت کو پڑھنے کا ثواب اگر تو نے میرے لئے مقرر کیا ہے تو میں وہ ثواب اس قبر والے کے لئے ہدیہ کرتا ہوں۔"(۱۳)

☆ ایک فاحشہ و بدکار عورت جو سارا دن بدکاری کراتی، بنی اسرائیل کے سات نبیوں کی ماں بنی۔(۱۴) [معاذ اللہ]

☆ پندرھویں شعبان کی بے حد فضیلت۔(۱۵)

☆ **پندرھویں شعبان کی عبادت:** سو رکعتوں میں ایک ہزار بار سورۃ اخلاص یعنی ہر رکعت میں دس مرتبہ قل ھو اللہ احد کی قرأت کی جائے۔ اس نماز کا نام صلوٰۃ خیر ہے اس کی برکتیں پھیلتی ہیں۔ سلف صالحین یہ نماز جماعت سے پڑھتے تھے۔ اس نماز کی بڑی فضیلت اور کثیر ثواب ہے۔"(۱۶)

☆ "جب حضرت حوا کو اللہ نے حضرت آدم کی بائیں چھوٹی پسلی سے سوتے میں پیدا کیا اور حضرت آدم نے بیدار ہو کر حوا کو پاس بیٹھی ہوئی دیکھا تو پوچھا تو کس کے لئے ہے۔ حوا نے کہا آپ کے لئے۔ حضرت آدم نے ان کو چھونا چاہا۔ حکم ہوا بغیر مہر ادا کئے ہوئے اس کو ہاتھ نہ لگانا۔ آدم نے عرض کیا الٰہی اس کا مہر کیا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ آخر الزماں ﷺ پر دس بار درود پڑھنا اس کا مہر ہے۔"(۱۷)

☆ آخری باب سے پہلے کے دو باب تصوف پر مشتمل ہیں جن میں صوفیوں کی تمام اصطلاحات درج کی گئی ہیں۔ سلوک و ریاضت، مرید و شیخ کے تعلقات، پیری مریدی کے آداب بھی کچھ موجود ہے۔ اس کے بعد مختلف آداب بیان کرتے ہوئے قوالی سننے کے آداب بھی بیان کئے ہیں۔ ابراہیم ادہم، جنید بغدادی، سری سقطی، بایزید بسطامی وغیرہ صوفیوں کے اقوال اور ان کے واقعات بھی بیان کئے ہیں۔ بایزید صاحب کا یہ واقعہ پڑھ کر اندازہ کیجئے کہ قرآن و حدیث کی کون سی خدمت ہو رہی ہے؟ کیا یہ وہی شخصیت ہے جس کے درس میں جن و انس، ملائک اور تمام انبیاء شرکت کرتے تھے اور بقول ظفر علیہ اسلام نجات، فلاح و کامیابی ان کی محفل میں شرکت پر موقوف تھی (۱۸)

ابوموسیٰ دیبلی نے کہا میں نے عبدالرحمٰن بن یحییٰ سے توکل کے بارے میں دریافت کیا تو آپ نے فرمایا کہ تو اژدھے کے منہ میں پہنچے تک بھی ہاتھ ڈال دے تو خدا کی معیت کی وجہ سے کسی سے ہرگز نہ خوف کھائے (اس کو توکل کہتے ہیں)۔ اس کے بعد ابوموسیٰ نے کہا کہ میں ابویزید بسطامی کی جانب توکل کی حقیقت دریافت کرنے نکلا۔ چنانچہ شہر بسطام میں داخل ہوا اور ان کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ (اندر سے) انہوں نے کہا: ابوموسیٰ کیا تمہارے لئے عبدالرحمٰن کا جواب کافی نہیں کہ میرے پاس آئے ہو اور مجھ سے پوچھتے ہو۔ میں نے عرض کیا اے آقا دروازہ کھول دیجئے۔ جواب دیا اگر تم

(۱) پاکٹ بک کلاں ص۔۱۶۲، ۱۶۳ جب حاجی نبی ﷺ کی قبر کی جالیوں کے اوپر یہ آیت نمایاں طور پر آویزاں کی گئی ہے کہ "اے ایمان والو اپنی آوازوں کو نبی کی آواز سے بلند نہ کرو۔ اور ان سے اس طرح زور سے نہ بولو جس طرح تم آپس میں ایک دوسرے سے بولتے ہو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے اعمال برباد ہو جائیں اور تمہیں اس کا شعور بھی نہ ہو۔" (الحجرات:۲) (۲) پاکٹ بک کلاں ص۔۱۹۰ (۳) بدعات مروجہ از عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز مطبوعہ المکتبۃ السلفیہ، لاہور ص۔۱۸ (۴) فاتحہ خلف الامام از خالد گرجاکھی مطبوعہ مکتبہ اہلحدیث ٹرسٹ، کراچی ص۔۱۳، صلوٰۃ الرسول از صادق سیالکوٹی مطبوعہ نعمانی کتب خانہ اردو بازار، لاہور ص۔۲۰۵، ۲۳۵، ۲۳۶ (۵) صلوٰۃ الرسول ص۔۳۳۵ (۶) غنیۃ الطالبین مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، باب اسلامی اخلاق و تہذیب ص۔۳۶ (۷) ایضاً ص۔۳۷ (۸) ایضاً باب مدینے شریف کی زیارت ص۔۳۳ (۹) ایضاً باب اسلامی اخلاق و تہذیب ص۔۶۹ (۱۰) ایضاً باب اللہ کی معرفت اور اس کے دلائل ص۔۱۰۱ (۱۱) ایضاً (۱۲) ص۔۱۰۳ (۱۳) ایضاً باب اسلامی اخلاق و تہذیب ص۔۶۸ (۱۴) ایضاً توبہ کا بیان ص۔۱۹۰ (۱۵) ایضاً پچھلے باب کا آخر (۱۶) ایضاً ص۔۲۵۶ (۱۷) ایضاً باب ابرکتوں والے مہینوں اور دنوں کے فضائل، پانچ پیغمبروں کے لئے دس خاص چیزیں ص۔۲۸۳ (۱۸) اخبار الاخیار از عبدالحق دہلوی مطبوعہ دارالاشاعت اردو بازار کراچی ص۔۳۲ وغیرہ

ملاقاتی کی حیثیت سے آئے ہوتے تو میں خود دروازہ کھول دیتا۔ تم دروازے پر ہی جواب لے لو اور لوٹ جاؤ (توکل یہ ہے کہ) اگر وہ سانپ جو عرش کو حلقہ کئے ہوئے ہے تیری جانب بڑھے تو خدا کی معیت کی بنا پر ذرا بھی خوف نہ کھاؤ۔ ابوموسیٰ نے بیان کیا کہ اس کے بعد میں لوٹ آیا۔ دمشق پہنچا۔ وہاں ایک سال ٹھہرا رہا۔ پھر میں نے ملاقات کا ارادہ کیا۔ اور حضرت ابویزید کی جانب چل نکلا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو مجھ سے فرمایا خوش آمدید۔ آؤ اب تم میرے پاس ملاقاتی کی حیثیت سے آئے ہو۔ اس کے بعد میں ان کے پاس ایک ماہ تک ٹھہرا رہا۔ اس عرصے میں کوئی ایسی بات پیش نہیں آئی جس کی انہوں نے میرے سوال سے قبل خبر نہ دے دی ہو۔ آخر میں نے ان سے کہا ابویزید اب میں جانا چاہتا ہوں اور آپ سے کوئی فائدہ بھی مانا چاہتا ہے۔ فرمایا جان لو مخلوقات کا فائدہ کوئی فائدہ نہیں لہٰذا جاؤ۔ میں نے اسی قول کو فائدہ مانا اور لوٹ آیا۔" (۱)

یہ منابلہ قرآن وحدیث کے خلاف کتنی ہی واہی تباہی باتیں کیوں نہ بنائیں لیکن ستم ظریفی دیکھئے کہ یہ اہلحدیث جو اپنے مسلک کو "ما انا علیہ واصحابی" اور "عین منہج صحابہ" قرار دیتے ہیں، ان لوگوں کی تعریف وتوصیف میں زمین وآسمان کے قلابے ملاتے رہتے ہیں۔ محض اس وجہ سے کہ وہ ان کے مشہور مسائل آمین بالجہر، رفع یدین وغیرہ کے قائل تھے اور جو ان کے پسندیدہ مخصوص مسائل پر عمل نہ کرتا ہو تو یہ اس سے سخت بغض رکھتے ہیں خواہ وہ جلیل القدر صحابیؓ ہی کیوں نہ ہوں۔ جیسے عبداللہ بن مسعودؓ سے انہیں خاص عناد ہے کیونکہ وہ رکوع سے پہلے اور بعد رفع یدین نہ کرتے تھے۔ ان لوگوں کی جرأت دیکھئے کہ یہ انتہائی بے باکی سے اس عظیم المرتبت صحابی کی شان میں دریدہ دہنی کرتے ہوئے انہیں قرآن سے بے بہرہ اور غافل بتاتے ہیں جس کے علوم قرآن میں بڑھے ہوئے ہونے کی خود معلم قرآن ﷺ نے گواہی دی۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ قرآن سیکھنا ہو تو چار صحابیوں سے سیکھو۔ اور ان میں سب سے پہلے انہی عبداللہ بن مسعودؓ کا نام لیا۔ (۲)

تعجب ہوتا ہے کہ حدیث پر عمل کرنے کے بلند بانگ دعوے کرتے ہوئے انہوں نے مناقب صحابہ کی وہ حدیثیں کیوں نہ پڑھیں جن میں نبی ﷺ نے صحابہؓ سے بغض کو نبی سے بغض بتایا اور سخت وعیدیں ارشاد فرمائیں۔ مشکوٰۃ میں مناقب صحابہؓ کے باب میں ایسی متعدد روایتیں موجود ہیں۔

اہلحدیثوں کی تحریریں پڑھنے سے ایک اور بات جو سامنے آتی ہے وہ ہے ان کا دوغلا پن اور تضاد بیانی۔ ان کا ایک عالم ایک بات بیان کرتا ہے اور دوسرا اس کے بالکل برعکس۔ لیکن اس تضاد بیانی پر بھی یہ اس کے ایسے ہی مداح ومعتقد ہوتے ہیں جیسے اس کے برعکس بیان کرنے والے کے۔

تصوف اور اہل تصوف کی مذمت میں اہلحدیثوں کا ہر مقرر اور محرر، عالم ومبتدی کوشاں نظر آتا ہے۔ اس کے رد میں ان کی مستقل تصنیفات ہیں۔ (۳) "اصحاب صفہ" کے نام سے ابن تیمیہ نے، "تلبیس ابلیس" کے نام سے عبدالرحمٰن ابن جوزی نے اور زمانہ حال میں عبدالرحمٰن کیلانی نے "شریعت وطریقت" اور یحییٰ گوندلوی نے "دین تصوف" نامی کتب میں بڑی شدومد کے ساتھ اس "شجر خبیثہ" پر تیشہ زنی کی جس کا خلاصہ موخرالذکر کے الفاظ میں یہ ہے کہ:

> "تصوف کی بنیاد جھوٹی حکایات وروایات پر بنی ہے۔ ان لوگوں نے دل کھول کر آنحضرت ﷺ کی طرف جھوٹی روایات منسوب کیں۔ محدثین کرام نے ان کے اس جھوٹ کی وجہ سے ان سے بیزاری کا اظہار کیا ہے۔ ان کی مشہور کتب موضوع روایات سے بھری ہوتی ہیں ...... آپ اندازہ کیجئے جو لوگ خدا اور رسول پر جھوٹ باندھنے سے گریز نہیں کرتے وہ لوگوں سے کیسے حق وصداقت کے ساتھ پیش آسکتے ہیں۔ جس کی بنیاد جھوٹ پر ہو اس سے خیر وبرکت کی امید کیسے رکھی جاسکتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ تصوف دین اسلام کے مقابلے میں ایک الگ دین ہے جس کے عقائد اسلام کے عقائد سے مختلف ہیں۔" (۴)

لیکن "اسلام کے اس مخالف دین" کے ائمہ ابن عربی، بایزید بسطامی، جنید بغدادی، عبدالقادر جیلانی، شاہ ولی اللہ، خانوادہ چشت وغیرہ ان کے نزدیک پھر بھی اللہ کی رحمت کے مستحق ٹھہرتے ہیں جن کیلئے اپنی کتابوں میں یہ لوگ "رحمۃ اللہ علیہ" وغیرہ کا لاحقہ استعمال کرتے ہیں۔ جبکہ قرآن میں اللہ نے واضح کر دیا ہے کہ اسلام کے سوا کسی اور دین کی چادر تلے والا مردود اور آخرت میں خائب وخاسر ہے۔ (۵)

(۱) تلبیس ابلیس ص ۲۸۸ (۲) بخاری کتاب المناقب باب مناقب سالم مولیٰ ...... (۳) اہلحدیثوں کے لٹریچر کے مطالعے سے یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ صرف انہی صوفیوں اور ان کی تصوف [illegible] کی مخالفت کرتے ہیں جو [illegible] ... [illegible] "کرامات اہلحدیث" [illegible] ... (۴) دین تصوف، مطبوعہ جامع تعلیم القرآن، سیالکوٹ، ص ۱۳۵ (۵) ومن یبتغ غیر الاسلام دینا فلن یقبل منہ وھو فی الآخرۃ من الخسرین۔ ○ آل عمران: ۸۵

ذرا تصوف کے ایک مخالف اہلحدیث کی یہ عبارت بھی دیکھئے جس میں یہی دوغلا اور متضاد انداز اختیار کیا گیا ہے:

''...... خیال رہے تصوف ایسی مہلک بیماری ہے جس نے امت مسلمہ میں افتراق کی خلیج کو وسیع کیا۔ اس کی ترویج و اشاعت سے بدعات کو فروغ حاصل ہوا۔ تاریخ شاہد ہے کہ صوفیوں کی جانب سے ہر دور میں توحید و سنت کے روشن چہرے کو مسخ کرنے کی بھرپور کوششیں کی گئیں۔ اباحیت کے دروازوں کو کھولا گیا۔ چنانچہ تصوف کے حلقوں میں اس شعر کو کتنی شہرت حاصل ہے

بے سجادہ رنگین کن گرت پیر مغاں گوید   کہ سالک بے خبر نہ بود زراہ و رسم منزل ہا

تصوف کو خوشنما انداز میں پیش کیا گیا۔ اس طرح سادہ لوح عوام کو فریب میں مبتلا رکھا گیا۔ اس کی قباحتوں کو نظر سے اوجھل رکھنے کے لئے اس کا نام زہد و عبادات ذکر و فکر طریقت رکھا گیا۔ حالانکہ الحاد و زندقہ وحدت الوجود جیسے مشرکانہ نظریات کے چھپنے کا سبب تصوف ہی ہے .... اس کے ساتھ ساتھ ہم تسلیم کرتے ہیں کہ حضرت جنید بغدادی اور ان کے ہم مشرب بزرگان دین صالح تم کے تصوف پر فائز تھے جسے اسلامی شریعت میں زہد کے لفظ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ انھوں نے بھی اصلاحی کوششیں کیں۔ وہ کتاب و سنت کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے۔ وہ راہ صراط مستقیم پر گامزن رہے ....''(۱)

لیکن آگے چل کر جب تصوف کو کتاب و سنت سے الگ تھلگ اور صوفیاء کو قرآن و حدیث سے لاپرواہ اور بیزار ثابت کرنے پر آتے ہیں تو انہی جنید بغدادی صاحب جو ان کے مطابق ''کتاب و سنت کی رہنمائی میں آگے بڑھتے رہے ...... وہ راہ صراط مستقیم پر گامزن رہے ......'' کے یہ اقوال بھی نقل کرتے ہیں کہ

''علم تصوف کا مدار قیل و قال نہیں یعنی قیل و قال شریعت میں ہے ...... مبتدی کے لئے مستحب ہے کہ اس کا دل تین چیزوں کی آلائش سے بچا رہے ورنہ حالت دگرگوں ہو جائے گی: نہ تو وہ کسی کام میں مشغولیت اختیار کرے، نہ وہ علم حدیث کی طلب کرے، نہ وہ نکاح کرے اور صوفی کے دل کو اس سے بہت زیادہ سکون حاصل ہوگا کہ وہ پڑھنا لکھنا چھوڑ دے۔''(۲)

قاسم خواجہ اہلحدیث نے قبر پرستی کے خلاف ''قبر پرستی اور سماع موتی'' کے نام سے ایک کتاب لکھی اور اس کی ابتداء ان صوفیوں کے لئے ان تعریفی الفاظ سے کی:

''حضرت عبدالقادر جیلانی، حضرت مجدد الف ثانی، حضرت معین الدین اجمیری، حضرت بابا فرید الدین گنج شکر اور حضرت علی ہجویری المعروف داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہم اجمعین''

یحییٰ گوندلوی صاحب نے ''دین تصوف'' نامی کتاب میں مذکورہ بالا شخصیتوں کی کتب سے خلاف قرآن و حدیث عبارتیں نقل کر کے تصوف پر خوب چوٹ کی ہے: جبکہ ان کے سلف امجد نے اس کے خلاف فتویٰ دیا ہے:

''سوال: حضرت سید عبدالقادر جیلانی، حضرت فرید الدین عطار، بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہم اجمعین وغیرہ جو مشہور اولیاء گذرے ہیں، انہوں نے اپنی کسی تصنیف کی ہوئی کتاب میں کوئی مضمون شریعت کے باہر لکھا ہے؟

جواب: یہ لوگ بڑے پابند شریعت اور متبع سنت تھے۔ یہ کیوں شریعت سے باہر لکھتے۔''(۳)

اہلحدیثوں کے ایک دوسرے عالم نے دیوبندی اور بریلوی کتب، مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی کے مکتوبات اور ابن عربی کی فتوحات مکیہ و فصوص الحکم کی عبارتوں میں موجود کسی نئے نبی کے آنے کے امکانات سے متعلق حوالے نقل کرتے ہوئے حنفیوں اور قادیانیوں کو ایک ہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ (۴) لیکن ''مسلک اہلحدیث پر ایک نظر'' کا مصنف ان مجدد صاحب کو اہلحدیث قرار دیتا ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

''اسی طرح شیخ علی مہائمی اور شیخ علی متقی جونپوری اصلاً و برہان پوری مولداً صاحب کنز العمال رحمۃ اللہ علیہ ...... شیخ محمد طاہر شیخ گجراتی صاحب مجمع البحار و تذکرۃ الموضوعات، شیخ وجیہ الدین گجراتی شارح نخبہ اور شیخ احمد سرہندی (مجدد الف ثانی) اور ان کے شیخ الشیخ عبدالرحمن بن فہد فقد کان من کبراء المحدثین بالھند۔''(۵)

اور ان کے سلف امجد ثناء اللہ امرتسری صاحب غیر اللہ کی نذر و نیاز کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہوئے ان مجدد صاحب کے اقوال بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔ (۶)

دنیائے تصوف کی سرکردہ شخصیت محی الدین ابن عربی کی ہے جسے اہل تصوف شیخ اکبر کہتے ہیں۔ ہر صوفی اس سے دلی انسیت رکھتا ہے۔ اس نے اپنی کتابوں فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ میں صریح کفر و شرک پر مبنی عبارتیں لکھی ہیں، مثلاً: میں خاتم الاولیاء ہوں، اولیاء کا مقام انبیاء سے بلند ہے، میں اپنے رب سے دو سال چھوٹا ہوں (۷)۔ یہی وہ شخصیت ہے جس نے تصوف کا نظریہ وحدۃ الوجود اس امت میں رائج کیا جو کہ توحید کی ضد ہے۔ اہلحدیث عالم یحییٰ گوندلوی لکھتے ہیں:

''اسلام سے پہلے یہ نظریہ دنیا کے عام مذاہب میں پایا جاتا تھا مگر اسلام میں اس کی آبیاری کرنے والا ابن عربی الاندلسی ہے جو چھٹی صدی ہجری کا آدمی ہے۔ اس نے افلاطون اور دیگر فلاسفہ متقدمین کے تمام نظریات کو اسلام میں داخل کیا اور اسی سلسلے میں وہ اپنے حلقے میں شیخ اکبر کے لقب سے موسوم ہوا اور اس کی اتنی شہرت ہوئی کہ بعض موحد بھی اس کے نام سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ درحقیقت یہ بہت بڑا زندیق بلکہ کفر کے آخری درجے کا حامل تھا جس کی وجہ سے اسلام میں ایک ایسے نظریے کی اشاعت ہوئی جس سے خالق و مخلوق کے درمیان فرق ختم کرنے کی سعی ہوئی۔ (۸)

لیکن کفر و الحاد و زندقہ کے اس فتوے کے علی الرغم ثناء اللہ امرتسری فتویٰ دیتے ہیں:

''مسئلہ تکفیر شیخ ابن عربی بہت نازک ہے۔ مولانا نواب صاحب بھوپال مرحوم ''تقصار'' میں علامہ شوکانی سے نقل کرتے ہیں کہ میں نے پچیس سال تک شیخ کی تکفیر کی۔ آخر میری رائے غلط معلوم ہوئی تو میں نے رجوع کیا۔ نواب صاحب مرحوم شیخ ممدوح کو عزت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اور مولانا نذیر حسین المعروف حضرت میاں صاحب دہلوی شیخ ممدوح کو ''شیخ اکبر'' لکھتے ہیں۔

حضرت مجدد سرہندی بھی شیخ موصوف کو مقربان الٰہی سے لکھتے ہیں۔ بڑی وجہ آپ کی مخالفت کی مسئلہ وحدت الوجود ہے۔ سو دراصل اس کی تفسیر پر مدار ہے۔ محض اس کی تفسیر کی بجائے دنیا ہی اس کا اثر ہوگا۔ خاکسار کے نزدیک اس کی صحیح تفسیر بھی ہو سکتی ہے جس کا ذکر کبھی کبھی اہل حدیث میں کیا گیا ہے۔ دوسری وجہ خفگی کی ایمان

(۱) انکار صوفی از عبدالرحمن عبدالخالق مطبوعہ ضیاء سنت ادارہ الدعوت والتالیف رحمت آباد، فیصل آباد، ص ۶، ۲۰، ۲۱ اگر پیر کہتا ہے کہ اپنے مصلے کو شراب سے رنگ تو رنگ لینا چاہئے اس لئے کہ رہ منزل کی راہ و رسم سے بے خبر نہیں ہوتا (یعنی جو کچھ وہ کہتا ہے حق ہوتا ہے) دیوان حافظ شیرازی (۲) انکار صوفی، ص ۷۳، ۷۴ (۳) فتاوی ثنائیہ، جلد ۱، ص ۳۴۹ (۴) حنفیت اور مرزائیت از عبدالغفور اثری مطبوعہ اہلحدیث یوتھ فورس، سیالکوٹ، ضلع ۱۳۴ وغیرہ (۵) ترجمہ: یہ ہندوستان کے بڑے محدثوں میں سے تھے (۵) مسلک اہلحدیث پر ایک نظر مطبوعہ اہلحدیث ٹرسٹ، کراچی، ص ۳۳ (۶) فتاوی ثنائیہ، جلد ۱، ص ۱۸۳ (۷) مطالعہ تصوف از غلام قادر لون مطبوعہ دوست ایسوسی ایٹس، لاہور، ص ۳۴۹ (۸) عقیدہ اہلحدیث، ص ۲۰۸

فرعون ہے۔ مگر شیخ کا قول مندرجہ "فتوحات" اس شکی کا ازالہ کرتا ہے۔ شیخ موصوف نے فتوحات میں فرعون کو مدعی الوہیت قرار دے کر ابدی جہنمی لکھا ہے اور کسی مقام پر اس کے خلاف ملتا ہے تو وہ متروک ہے یا ماول۔ اس لئے خاکسار کی ناقص رائے میں بھی شیخ ممدوح قابل عزت لوگوں میں ہے۔ رحمہ اللہ"(۱)

ایک دوسرے اہلحدیث عالم نے ان صریح کفریات سے صرف نظر کرنے کے لئے بالکل اشاعتیوں کے انداز میں حیلہ سازی کی ہے۔ فرماتے ہیں کہ

"بزرگوں کے بارے میں جو غیر بزرگانہ حوالے پائے جاتے ہیں، ان کے متعلق ہمارا رویہ نہ تو اصرار و عناد ہونا چاہئے نہ انکار و تکذیب ہونا چاہئے۔ یعنی نہ تو ان پر ایمان لا کر عمل کریں اور نہ انہیں صحیح تسلیم کر کے بزرگوں کے دشمن بن جائیں بلکہ یہ کہنا چاہئے کہ یہ ہوائی کسی دشمن نے اڑائی ہوگی۔ مگر صورت حال یہ ہے کہ بریلویوں کے نزدیک یہ طلسماتی حوالے بھی صحیح ہیں اور بزرگ بھی صحیح ہیں بلکہ بہت اونچے ہیں۔ اشاعتیوں کے نزدیک حوالے صحیح ہیں بزرگ غلط ہیں۔ ہمارے نزدیک حوالے غلط ہیں بزرگ صحیح ہیں یا یوں سمجھئے قبوریوں نے بزرگوں کو خدا مانا، اشاعتیوں نے بزرگوں کو بزرگ بھی نہ مانا بلکہ مشرک مانا اور ہم نے بزرگوں کو صرف بزرگ مانا جیسا کہ وہ فی الواقع ہیں۔۔۔۔"(۲)

ایک طرف تو حنفیوں اور قادیانیوں کو ایک ثابت کیا جاتا ہے اور اس پر اتنا زور صرف کیا جاتا ہے کہ ایک ضخیم کتاب ہی تصنیف کر دی جاتی ہے (۳)۔ بعض تو اس مماثلت میں شیعوں کو بھی شامل کر کے تینوں کو خونی بھائی بنا دیتے ہیں (۴)۔ لیکن دوسری طرف انہیں اور خود کو ایک ہی تحریک کا ترجمان بتا کر ایک ہی ثابت کیا جاتا ہے (۵)

اہلحدیث پروفیسر طالب الرحمن صاحب نے "دیوبندیت" نامی کتاب میں دیوبندیوں کے عقائد پر تفصیلی بحث کر کے انہیں کفریہ شرکیہ ثابت کیا ہے۔ اپنی دوسری کتاب "بریلوی ۔۔ دیوبندی اصل میں دونوں ایک ہیں" میں ان کی قدر مشترک بیان کرتے ہوئے کتاب کے مقدمے میں فتویٰ صادر کرتے ہیں:

"لہٰذا اگر ان عقائد کی وجہ سے بریلویوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور رشتے ناطے کرنا صحیح نہیں تو دیوبندیوں کے پیچھے نماز پڑھنا اور ان سے رشتے داریاں گانٹھنا کہاں کا انصاف ہے۔ ذرا سوچ کر قدم اٹھایئے۔ آپ کا اٹھایا ہوا قدم جنت کے بجائے جہنم کی طرف بھی اٹھ سکتا ہے۔" (صفحہ ۱)

فاضل مصنف نے اپنی ایک اور کتاب "تبلیغی جماعت کا اسلام" میں تفصیل سے ان کے کفر و شرک کو بیان کیا ہے۔ محمد قاسم خواجہ نے "تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینے میں" اور مرکز الدعوۃ والارشاد نے بھی "تبلیغی جماعت" میں ان پر خوب خوب تنقید کی ہے۔ بدیع الدین راشدی نے تو "امام صحیح العقیدہ ہونا چاہئے" نامی کتاب میں دوٹوک الفاظ میں فرما دیا کہ حنفی مذہب رکھنے والوں کی اقتداء میں نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان کے عقائد میں کفر و شرک ہے (۶)۔ لیکن ان کے امام المبام ثناء اللہ امرتسری صاحب سے جب ان حنفیوں کے متعلق پوچھا گیا کہ آیا وہ کافر ہیں یا نہیں تو انہوں نے جواب دیا کہ

"مجھے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے شرم آتی ہے کہ یہ سوال مجھ جیسے شخص سے کیوں پوچھا گیا جس نے کبھی کسی کے فتویٰ کفر پر دستخط نہیں کئے۔ کیونکہ میرا اس باب میں وہی مسلک ہے جو امام المحتاطین امام ابو حنیفہ وغیرہ کا ہے (لا نکفر اھل القبلۃ)"(۷)

یہ موصوف تقلید کو شرک بھی کہتے تھے (۸)، لیکن مقلد حنفیوں کے پیچھے نماز پڑھنا جائز سمجھتے تھے (۹)، بلکہ وہ تو اس معاملے میں اتنے فیاض تھے کہ ایک سوال کے جواب میں لکھا:

"سوال: جو شخص اس قسم کا عقیدہ رکھتا ہو کہ امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کا آنا بے اصل ہے۔ یہ دونوں باتیں غلط ہیں اور شہادت امام حسین علیہ السلام کا بھی قائل نہیں ہے۔ ایسے شخص کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے جس کو مولوی خیال کرتا اور بزرگ سمجھتا ہے؟

جواب: جو شخص امام مہدی، حضرت عیسیٰ یا امام حسین کی شہادت نہیں مانتا وہ بدعتی ہے۔ اس کو امام نہیں بنانا چاہئے۔ اگر پڑھا رہا ہو تو الظلم وارکعوا مع الراکعین پیچھے پڑھ لینا چاہئے۔"(۱۰)

جب ان موصوف سے پوچھا جاتا کہ نبی ﷺ اپنی قبر میں زندہ ہیں یا نہیں تو فرماتے کہ

"ایک روایت میں ایسا آیا ہے کہ نبی اللہ حی مگر اس حیات کی حقیقت ہم نہیں جانتے۔ اور یہ دنیاوی حیات نہیں ہے۔"(۱۱)

ہاروت و ماروت کو یہ صاحب شیطان بتاتے تھے۔ (۱۲) جبکہ دوسرے اہلحدیث عالم انہیں فرشتہ مانتے ہیں، مثلاً محمد جوناگڑھی اور صلاح الدین یوسف وغیرہ۔ (۱۳)

قرآن خوانی کو یہ موصوف جائز کہتے ہیں۔ (۱۴) جبکہ دوسرا اہلحدیث عالم اسے بدعت بتاتا ہے۔ (۱۵)

ایک صاحب دانے دار تسبیح وغیرہ پر ذکر اللہ کو بلا کراہت جائز کہتے ہیں۔ (۱۶) جبکہ دوسرے صاحب اسے بدعت کہتے ہیں۔ (۱۷)

نبی ﷺ پر صلوٰۃ و سلام سے متعلق ایک صاحب لکھتے ہیں کہ

"الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ، صحابہ سے ثابت ہے۔"(۱۸)

دوسرے صاحب لکھتے ہیں:

"یہ الفاظ کسی صحابی نے نہیں کہے۔ اس لحاظ سے یہ بدعت ہے۔"(۱۹)

اہلحدیثوں کے "تبلیغی نصاب" میں مصنف خالد گرجاکھی لکھتے ہیں:

"قبر سے کیا مراد ہے قبر سے مراد عالم برزخ ہے، نہ کہ گڑھا۔ کئی آدمی جل جاتے ہیں، کئی ڈوب جاتے ہیں، کئی لوگوں کو درندے کھا جاتے ہیں۔ وہ جہاں کہیں ہوں وہی ان کی قبر ہے۔"(۲۰)

ان کے مسلکی بھائی قاسم گرجاکھی کہتے ہیں:

"جہاں تک قبر میں فرشتوں کے آنے، روح کو لوٹانے، میت کو بٹھانے، سوال و جواب کرنے، قبر کو کشادہ یا تنگ کرنے یا عذاب و ثواب کا تعلق ہے تو گذارش ہے کہ

(۱) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۱۸۳ (۲) کراچی کا عثمانی مذہب از محمد قاسم خواجہ مطبوعہ مسجد اقصیٰ گوجرانوالہ ص ۱۰ (۳) حنفیہ اور مرزائیت از محمد الطاف قریشی (۴) تین خونی رشتے مطبوعہ انجمن تحفظ اہل حدیث پاکستان (۵) حیات النبی از اسماعیل سلفی مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس لاہور صفحہ ۱۰ (۶) صفحہ ۳ مطبوعہ جمعیت اہلحدیث سندھ (۷) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ صفحہ ۲۶۳ (۸) ایضاً ص ۲۶۸ (۹) ایضاً ص ۱۳۹، ۲۴۴ (۱۰) ایضاً ۲۹۳ (۱۱) ایضاً ص ۱۸۲ (۱۲) ایضاً ص ۳۴۰ (۱۳) محمد جوناگڑھی کا ترجمہ القرآن، تفسیر احسن البیان، البقرۃ ۱۰۲ (۱۴) فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۳۳، ۵۳ (۱۵) بدعات اور ان کا تعارف از سعید بن یوسف زئی ص ۳۴ (۱۶) شرف الدین دہلوی فتاویٰ ثنائیہ جلد ۱ ص ۵۵۲ (۱۷) سعید بن یوسف زئی بدعات اور ان کا تعارف ص ۱۱۱ (۱۸) قبر کی نماز صلاح الدین یوسف مطبوعہ ضیاء الحدیث لاہور ص ۱۸۶ (۱۹) تفہیم سنت مطبوعہ دارالسلام پبلشرز لاہور ص ۵۲۱ (۲۰) مطبوعہ اہلحدیث ٹرسٹ کراچی ص ۳۴

یہاں قبر سے مراد یہ مٹی کی پکی قبر نہیں۔ یہ کوئی اور جہاں ہے جسے آپ عالم ارواح یا عالم مثال یا عالم برزخ کہہ سکتے ہیں۔ کئی قومیں دفناتی ہی نہیں۔ ہندو سکھ اپنے مردے نذر آتش کر دیتے ہیں۔ کئی ایک کو جانور کھا جاتے ہیں۔ کئی مچھلیوں کی خوراک بن جاتے ہیں۔''(۱)

لیکن اس کے برعکس یحییٰ گوندلوی کہتے ہیں:

''جو قبروں میں دفن ہوتے ہیں ان کا معاملہ اسی قبر میں ہی ہوتا ہے جس میں وہ دفن ہوتے ہیں ... مرنے والا قبر میں دفن ہو یا اسے درندے کھا جائیں یا سمندری جانوروں کا لقمہ بن جائے، جو بھی عذاب کا مستحق ہوگا وہ ضرور اس میں مبتلا ہوگا۔''(۲)

اور کیلانی صاحب بھی یہی کہتے ہیں کہ قبر سے مراد یہی زمینی گڑھا ہے۔(۳)

اور ذرا توحید کے ان دعویداروں کی یہ عبارت بھی ملاحظہ فرمایئے اور بتایئے کہ یہ قرآن وحدیث ماننے والے کسی موحد کی لکھی ہوئی ہے یا ....

''کسی قبر پر جا کر یا کسی بزرگ کا نام لے کر اس طرح دعا کرنا کہ بحرمت فلاں یا فلاں کے صدقے یا اللہ میرا فلاں کام کر دے، میری حاجت پوری فرما دے، فلاں مشکل سے نجات عطا فرما دے۔ یہ صورت مشرکانہ تو نہیں، البتہ مبتدعانہ ضرور ہے یعنی غیر مسنون طریقہ دعا ہے۔''(۴)

شاہ ولی اللہ کو یہ لوگ ہندوستان میں مسلک اہلحدیث کا مجدد گردانتے ہیں، جس کا اظہار ان الفاظ میں کیا جاتا ہے:

''مغلیہ دور کی آخری دہائی میں اللہ تعالیٰ نے امام الہند حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کو پیدا کیا جنہوں نے حدیث رسول کی اشاعت پر کمر باندھی اور تقلید و جمود کے خلاف جہاد کا آغاز کیا جس سے سرزمین ہند میں قرآن وحدیث کی تعلیم و اشاعت کا ایک دروازہ کھل گیا۔ حضرت شاہ صاحب کے بعد ان کے صاحبزادوں اور شاگردوں نے ان کے مشن کو آگے بڑھایا حتیٰ کہ شیخ الکل امام السید میاں نذیر حسین محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ ولی اللہی مسند علمی کے وارث بنے جنہوں نے کتاب و سنت کی تعلیم و اشاعت کے مشن کو اوج ثریا تک پہنچایا۔ حضرت میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی وجہ سے برصغیر میں علم حدیث کا شہرہ بلند ہوا اور خوب ڈنکا بجا۔''(۵)

حنفی عالم یوسف لدھیانوی صاحب کی کتاب ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کا جواب دیتے ہوئے ''صراط مستقیم اور اختلاف امت'' نامی کتاب کے ستر صفحات میں اہل حدیث علماء نے شاہ ولی اللہ کے اہلحدیث ہونے پر طویل بحث کی ہے اور ان کی کتابوں کے اقتباس نقل کر کے ان کا غیر مقلد ہونا ثابت کیا ہے حالانکہ وہ اپنی زبان سے خود کو مقلد کہتے تھے اور بیان کرتے تھے کہ تقلید اختیار کرنے اور اس کے دائرے سے نہ نکلنے کا حکم انہیں خود رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ سے ہوا۔(۶) یہی وجہ ہے کہ بریلوی اور دیوبندی شاہ ولی اللہ کو اپنا ہم مسلک مانتے ہیں۔ ولی اللہی کارناموں کے لئے اہلحدیثوں کا کہنا ہے کہ

''واقعہ یہ ہے کہ شاہ ولی اللہ نے اسلام کی وہ خدمت کی ہے جو سنہری حروف سے لکھنے کے قابل ہے۔''(۷)

اگر شاہ صاحب کی صرف ایک کتاب ''انفاس العارفین'' پڑھ لی جائے تو اندازہ ہو جاتا ہے کہ انہوں نے اسلام کی کیا ''خدمت'' کی ہے۔ اس کتاب میں قرآن وحدیث کا کھلا انکار کیا گیا ہے اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر جھوٹ باندھا گیا ہے۔ تصوف سے متعلق اوپر بیان کردہ یحییٰ گوندلوی صاحب کی رائے اس کتاب میں پوری طرح کارفرما نظر آتی ہے۔ لیکن ان موصوف کو دین کا مجدد بنانے والوں کا تجاہل عارفانہ ملاحظہ فرمایئے، کہتے ہیں:

''آپ نے سفر حجاز کے دوران وہاں کے شیخ ابو طاہر سے علم حدیث حاصل کیا اور ہندوستان میں اس نور کو عام کیا، اسلام کا پرشکوہ اور انقلابی تصور پیش کیا لیکن شاہ صاحب جیسا عظیم مصلح جو حقیقتاً عظیم الامت تھا تصوف سے اپنا پیچھا وہ بھی نہ چھڑا سکے اور ''انفاس العارفین'' جیسی متصوفانہ کتابیں بھی ان کے نام سے ہمیں ملتی ہیں جن کے بارے میں اغلب گمان یہی ہے کہ وہ پہلے کی لکھی ہوئی ہیں۔''(۸)

حالانکہ شہد شاهد من اهلها کے مصداق ان کا اپنا ایک آدمی یہ شہادت دیتا ہے کہ یہ کتاب شاہ صاحب کی آخری تصنیف ہے۔(۹) یعنی اس کے بعد انہوں نے کچھ نہیں لکھا اور اسی پر ان کا خاتمہ ہوا۔ لیکن جب یہ لوگ اپنے پسندیدہ مسئلے فاتحہ خلف الامام کا ثبوت دینے کے لئے اسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں(۱۰) تو پھر انہیں اس میں کوئی خرابی نظر نہیں آتی!

انہی شاہ صاحب کے ایک بیٹے کے مرید سید احمد بریلوی اور ایک پوتے شاہ اسماعیل دہلوی کی سکھوں کے خلاف جہادی سرگرمیوں کا حوالہ دیتے ہوئے آج کل اہلحدیث حلقوں میں جہاد کا بہت غلغلہ ہے۔ ان کا ''مریدکے'' کا ''لشکر طیبہ'' تو اس معاملے میں بہت سرگرم ہے۔ یہ اپنی تحریروں اور تقریروں میں جہاد سے متعلق آیات واحادیث استعمال کر کے اور شاہ اسماعیل اور ان کے پیر سید احمد اور رفقاء مولوی ولایت علی، عنایت علی (دیکھئے کتاب ''اکابر کا مسلک و مشرب'' اور ''قرآن وسنت کا مبلغ ایک مجاہد''...) کے واقعات بیان کر کے نوجوانوں کو کشمیر آزاد کرانے کی ترغیب دلاتے ہیں۔ جہاد کی فضیلت سے کسی کو انکار نہیں۔ لیکن جہاد سمیت ہر حکم الٰہی ایمان خالص کے ساتھ مشروط ہے۔ قرآن وحدیث کے خلاف عقائد و اعمال اختیار کرنے والوں پر جہاد تو کیا کوئی بھی دینی حکم لازم نہیں۔ اور جہاد تو اعلاء کلمۃ اللہ کیلئے کیا جاتا ہے، مزاروں کی بازیابی کیلئے نہیں؛ کفر و شرک کی نشانیوں کو مٹانے کیلئے کیا جاتا ہے، انہیں آباد کرنے کیلئے نہیں؛ دین اسلام کی ترویج کیلئے کیا جاتا ہے، مسلکی دعوت پھیلانے کیلئے نہیں!

اس ''لشکر طیبہ'' کے نقیب رسالے ''الدعوۃ'' کے مدیر امیر حمزہ صاحب ان پیر و مرید صاحبان کے کارنامے بیان کرتے ہوئے اس طرح رنگ آمیزی کرتے ہیں:

''ادھر روح جہاد سے عاری برصغیر کے اکثر علماء جنہوں نے حج کے پر خطر راستوں کا خوف دکھا کر فریضہ حج موقوف کر رکھا تھا اسے زندہ کرنے کے لئے شاہ ولی اللہ کے پوتے شاہ اسماعیل بن شاہ عبدالغنی سید احمد شہید کی امارت میں ایک عظیم الشان قافلہ کو

(۱) قبر پرستی اور سماع موتیٰ، ص ۸۷ (۲) عقیدہ اہلحدیث، ص ۳۳۲ (۳) روح، عذاب قبر اور سماع موتیٰ، مطبوعہ مکتبۃ الاسلام لاہور، صفحہ ۹۳ (۴) قبر پرستی، صلاح الدین یوسف، مطبوعہ مکتبہ ضیاء الحدیث، مصطفیٰ آباد لاہور، ص ۱۷۹ (۵) عقیدہ اہلحدیث، ص ۱۳ (۶) فیوض الحرمین از شاہ ولی اللہ، مطبوعہ دار الاشاعت اردو بازار کراچی، چھبیسواں مشاہدہ، ص ۲۴۷ (۷) آسمانی جنت اور درباری جہنم، ص ۱۵۶۔ ''سنہری حروف سے لکھی جانے کے قابل'' ان کی ''خدمات'' کے کچھ نمونے ہماری کتابوں ایمان خالص قسط اول اور اسلام یا مسلک پرستی میں دیکھے جا سکتے ہیں۔ یہاں طوالت سے بچنے کے لئے نہیں دیے جا رہے۔ (۸) آسمانی جنت اور درباری جہنم، ص ۱۵۶ (۹) عبیداللہ سندھی: شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ، ص ۲۱۵ (۱۰) فاتحہ خلف الامام از خالد گرجاکھی، ص ۱۳

نے کر 1237ء میں حجاز روانہ ہوئے اور فریضہ حج ادا کیا۔ وہاں چودہ ماہ قیام کیا یہ قافلہ جب واپس ہندوستان لوٹا تو شرک کے خلاف توحید کی دعوت کا کام پہلے سے زیادہ سرگرمی کے ساتھ شروع کر دیا گیا۔ شاہ صاحب دہلی شہر کی مساجد، چوراہوں اور گھروں میں جا کر توحید کی دعوت دیتے گئے .... شاہ صاحب نے "تقویۃ الایمان" جیسی ایمان افروز کتاب بھی لکھی جس نے لاکھوں لوگوں کو شرک و بدعت کی دلدل سے نکال کر توحید و سنت کے لہلہاتے باغ میں لا کھڑا کیا۔ شاہ صاحب نے جب پنجاب میں مسلمانوں پر سکھوں کے مظالم سنے تو پورے پنجاب کا دورہ کیا اور پھر وہ لوگ کہ جو اہل توحید بن چکے تھے ان کا ایک لشکر بنایا اور سکھوں کا مقابلہ کرنے کیلئے "سرحد" کو اپنا ٹھکانہ بنایا .... کچھ دیر بعد معرکہ حق و باطل شروع ہو چکا تھا۔ شاہ شہید کی پیشانی جو ہر روز اپنے مالک کے حضور کئی بار سربسجود ہوا کرتی تھی آج حق کی شہادت کے لئے لوگوں کا سامنا کر رہی تھی۔ داڑھی خون سے رنگین تھی اور شاہ شہید یہ کہتے ہوئے آگے بڑھتے چلے گئے کہ میں تو وہیں جاتا ہوں جہاں امیر المومنین ہیں اور ادھر عرش عظیم کا مالک اپنے ان مجاہدوں کے استقبال کے لئے اپنے فرشتے بھیج رہا ہوگا۔ حوریں آ رہی جاتی ہوں گی اور یہ لوگ تھوڑی دیر بعد بالاکوٹ سے اپنے اللہ کے بالاخانوں میں آرام فرما ہوں گے۔ (انشاء اللہ) (۱)

کاش یہ لوگ یہ قلابے ملانے سے پہلے ان "شاہ شہید" کی دوسری کتابیں بھی پڑھ لیتے۔ ان کی ایک کتاب "عبقات" ہے جو صوفیانہ عقائد کے اثبات میں ہے۔ یہ کتاب شروع سے آخر تک اسلامی عقائد کی نفی کرتی ہے جس طرح ان کے دادا کی کتابیں انفاس العارفین، فیوض الحرمین، درثمین وغیرہ کرتی ہیں۔ ان کی دوسری کتاب "صراط مستقیم" ہے جس میں انہوں نے اپنے پیر سید احمد صاحب کے ملفوظات نقل کئے ہیں اور جو الوہیت کا مقام حاصل کرنے کے عملی طریقوں کی تعلیم سے پُر ہے۔ اور یہ کتاب "تقویۃ الایمان" جسے یہ "ایمان افروز" یعنی ایمان بڑھانے والی کہتے ہیں، بھی توحید کے بیان کے ساتھ شرک سے خالی نہیں۔ ویسے کا شرک اس میں بھی موجود ہے۔ شاہ صاحب لکھتے ہیں:

"یہ جو لوگوں میں ایک ختم مشہور ہے کہ اس میں یوں پڑھتے ہیں یا عبدالقادر شیئا للہ یعنی اے شیخ عبدالقادر دو ہم اللہ کے واسطے، یہ شرک ہے ہاں اگر یوں کہے کہ یا اللہ کچھ دے شیخ عبدالقادر کے واسطے تو جائز ہے۔" (۲)

شاہ ولی اللہ کی "خدمات" کو سنہری حروف سے لکھے جانے کے قابل سمجھنے والے ان کی کتاب "القول الجمیل" بھی ضرور پڑھیں جس میں انہوں نے طرح طرح کے تعویذ گنڈوں، جھاڑ پھونک کے ساتھ ساتھ صوفیانہ چلے، مراقبے، وظیفے، تصور شیخ، پاس انفاس، کشف قبور، ہر قسم کی حاجت براری کے لئے نماز کن فیکون، وغیرہ کے طریقے بھی بتائے ہیں جبکہ قرآن و حدیث ان باتوں کی نفی کرتے ہیں۔

تعویذات کی حلت و حرمت سے متعلق بھی اہلحدیثوں میں تضاد بیانی پائی جاتی ہے۔ پروفیسر اکرم نسیم بجہ نے اپنی کتاب "تفہیم سنت" میں تعویذ کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ (۳) جماعت اہلحدیث کے نسیم احمد سلفی صاحب تعویذات کی حرمت میں احادیث بیان کر کے ایک عمومی اصول بیان کرتے ہیں:

"ان نصوص سے یہ بات واضح طور سے ثابت ہوتی ہے کہ تعویذ گنڈے کوڑی و گھونگھے وغیرہ لٹکانا حرام ہے اور یہ نصوص عام ہیں ہر طرح کی تعویذ گنڈے وغیرہ کو شامل ہیں۔ خواہ قرآنی آیات اور اذکار مسنونہ پر مشتمل ہوں یا دوسرے کلمات۔ خواہ ان گرہوں میں قرآن پڑھ کر پھونکا گیا ہو یا غیر قرآن کو ...... رسول اللہ ﷺ نے تعویذ لٹکانے کی عام ممانعت فرمائی ہے۔ قرآن اور غیر قرآن کی کوئی تخصیص وارد نہیں۔ اگر قرآنی تعویذ لٹکانا جائز ہوتا تو آپ اس کی تخصیص ضرور فرماتے ...... (۴) "اگرچہ تعویذ قرآنی آیات اور دعاء ماثورہ ہی کیوں نہ مشتمل ہو پھر بھی جائز نہیں۔" (۵)

"آپ سے کوئی ایسا استثناء ثابت نہیں کہ قرآنی تعویذ جائز اور غیر قرآنی تعویذ ناجائز بلکہ آپ کا ارشاد بالکل واضح اور عام ہے۔ قرآنی و غیر قرآنی تعویذ سب کو شامل ہے۔ یہ شرکیہ اعمال ہیں۔ ان کو لٹکانے والا شرک کا ارتکاب کرتا ہے۔" (۶)

لیکن دراسات اسلامیہ، راولپنڈی کے پروفیسر طالب الرحمٰن صاحب تعویذ کو نہ صرف جائز بلکہ رسول اللہ ﷺ کا حکم قرار دیتے ہیں۔ (۷)

قرآن و حدیث کی دعوت کو عام کرنے اور جہاد کا غلغلہ مچانے والے مرکز الدعوۃ والارشاد نے بھی یہی موقف اختیار کیا ہے اور یہ لوگ بھی تمیمہ کا مطلب منکے ہی لیتے ہیں۔ البتہ اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ

"یہ تعویذ جس کا تذکرہ پہلے ہو گا گلے میں ڈالا تو اس کا وجود رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں معلوم نہیں۔ یہ چیز بعد میں شروع ہوئی ہے۔" (۸)

تاہم ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ

"البتہ اگر کوئی شخص اللہ کا نام یا قرآن مجید کی آیت لکھ کر گلے میں لٹکائے تو اسے شرک کہنا درست نہیں، کیونکہ اس میں اس نے کسی غیر سے مدد نہیں مانگی ...... جو لوگ اسے شرک قرار دیتے ہیں ان کی بات بالکل بے دلیل ہے اور وہ غلو کا ارتکاب کر رہے ہیں۔"

ستم ظریفی دیکھئے کہ تعویذ کے شرک ہونے کے فرمان رسول کو بیان کرنا ان کے نزدیک "غلو" ہے لیکن حدیث پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے کے نبی ﷺ کے لئے حضور، آنحضور، حضرت، آنحضرت، سرور کونین، سرورِ کائنات، وغیرہ جیسے الفاظ استعمال کرنا جو کسی حدیث میں نہیں آئے انہیں "غلو" نہیں نظر آتے جبکہ نبی ﷺ نے اپنی تعظیم میں مبالغہ کرنے سے منع بھی فرمایا ہے۔ (۹) اور تو اور اپنے علماء کو "مولانا" "امام" وغیرہ کہنے کے ساتھ ساتھ (جو یہ بھی خلاف حدیث ہے) اس قسم کے مبالغہ آمیز القابات بھی دیتے ہیں جو کہ ان کے مخالف مقلد بریلویوں، دیوبندیوں کی تحریروں میں نظر آتے ہیں، مثلاً

ناصر السنة النبوية ناصر العقيدة السلفية قامع البدعة المجاهد لاعلاء كلمة الله الصلب في السنة

(۱) آ جالی جعفر و بداری عظیم، ص ۱۵۷-۱۵۹ (۲) تقویۃ الایمان، مطبوعہ مرکنٹائل پرنٹنگ پریس بیاز الحجر ری دہلی ۱۳۳۱ھ، بحسب فرمائش آل انڈیا اہلحدیث کانفرنس دہلی، مطبوعہ ملک سراج الدین اینڈ سنز، لاہور ۱۹۵۳ء (۳) صفحہ ۵۰۲ وغیرہ (۴) تعویذ گنڈہ کی حقیقت، ص ۱۳-۱۵ (۵) ایضاً، ص ۲۷ (۶) ایضاً، ص ۲۹ (۷) تعویذ کی شرعی حیثیت، ص ۱۰-۔ پروفیسر صاحب جن احادیث سے استدلال کر کے تعویذ کو حکم رسول قرار دیتے ہیں ان میں "تعوذ" یعنی اللہ سے پناہ چاہنے کا ذکر ہے جبکہ نہ ہی ان کا جس کو نبی ﷺ شرک قرار دیا ہے۔ لیکن پروفیسر صاحب تمیمہ کا مطلب تعویذ نہیں بلکہ کوڑیاں منکے کرتے ہیں۔ اور اس طرح کوڑیاں لٹکانے کو شرک سمجھتے ہیں لیکن تعویذ لٹکانے کو جائز بلکہ حکم رسول کہتے ہیں (۸) الدعوۃ، اگست ۱۹۹۹ء، ص ۳۱ (۹) بخاری: کتاب بدء الخلق، احادیث الانبیاء، باب واذکر فی الکتاب مریم

الملازم للعبادة العالم الفاضل المحدث الفقیہ رئیس المحققین العلامۃ الشیخ السید بدیع الدین الشاہ السندی الراشدی.........

شیخ الکل امام المتقین سید المحدثین تاج الفقہاء علم العلماء جامع العلوم النقلیۃ و العقلیۃ ناصر السنۃ النبویۃ عمدۃ العاملین زبدۃ الکاملین حجۃ اللّٰہ علی الخلق مجدد القرن الامام المحدث الفقیہ الاصولی الشیخ شیخنا السید نذیر حسین.........

رئیس المفسرین شیخ المحدثین امام المناظرین ابن تیمیۃ زمان شوکانی دوران سردار اہلحدیث فی الہند شیخنا الشیخ الامام المتقی النقی العامل الورع الکامل محب السنۃ محسود اہل البدعۃ بقیۃ السلف عمدۃ الخلف مجدد القرن ابوالوفاء ثناء اللّٰہ بن محمد بن خضر الکشمیری الاصل ثم الامرتسری.........

نواب معلی القاب مرجع العلماء و عمدۃ الکملاء و منبع الفیوض الرحمانیۃ ناشر السنۃ النبویۃ المحدث الفقیہ العلامۃ السید صدیق بن حسن بن علی الحسینی البخاری القنوجی البوفالی.........

شیخنا العلامۃ المحدث استاذ العلماء افضل الفضلاء الصابر الشاکر الشیخ الحافظ عبداللّٰہ روشن دین الرویری الامرتسری اللاہوری.........(۱)

تعویذ کے شرک ہونے کے متعلق فرمان رسول ﷺ میں قرآنی تعویذات کو شامل کرنے کو "غلو" کہنے والے "الشرطیہ" کا یہ عمل بھی دیکھئے اور بتایئے کہ یہ مال بٹورنے میں "غلو" ہے یا کسی حدیث رسول ﷺ کی اتباع و پیروی: یہ اللہ کی راہ میں جہاد کرنے اور مال خرچ کرنے کے فضائل بیان کر کے ہر فرقہ و مسلک کے لوگوں سے زکوٰۃ، صدقات، چندہ، خیرات لے کر انہیں ثواب اور جنت کی خوشخبری دے دیتے ہیں خواہ وہ دیوبندی ہو یا بریلوی، شیعہ ہو یا قادیانی۔ انہیں اس سے غرض نہیں۔ بس مال آنا چاہیے خواہ کہیں سے بھی آئے! رمضان کے مہینے میں تو زکوٰۃ و فطرہ اور بقرعید میں جہاد کے نام پر کھالیں جمع کرنے کے لئے تو ایک "جہاد" برپا ہوتا ہے۔ یعنی جن پر بدعقیدگی کی وجہ سے زکوٰۃ و قربانی فرض نہیں، ان سے زکوٰۃ اور قربانی کی کھال وصول کی جاتی ہے!

نبی ﷺ کی خواب میں زیارت کرنے سے متعلق شبان غرباء اہلحدیث کے ناظم اعلیٰ علامہ سعید احمد یوسف زئی فرماتے ہیں:

"میرا یہ ایمان ہے کہ اول تو نبی کے خوابوں کے دعویدار جھوٹے، کذاب، مفتری، دجال کی اولاد اور شیطان کی ذریت ہیں ۔ انہوں نے نبی کی ذات پر تہمتیں باندھی ہیں۔ نبی ﷺ نہ تو کسی کے خواب میں آتے ہیں اور نہ ہی آسکتے ہیں، ان افتراء پردازوں کے خوابوں میں اگر کوئی آیا ہے تو وہ ابلیس لعین کے علاوہ کوئی نہیں۔ اس لئے افتراق امت، انتشار امت اور اختلاف امت اسی کے مشاغل ہیں۔ تمام فرقوں کا بانی و مبانی وہی ہے۔ وہی ان فرقوں کو قائم و آباد رکھنے کے لئے اور قرآن و حدیث سے لوگوں کو دور رکھنے میں کوشاں ہے۔ وہی وحدت امت کا دشمن ہے اور وہی یہ چاہتا ہے کہ امت مسلمہ کا افتراق کبھی ختم نہ ہو، چنانچہ اس مقصد کے لئے وہ دیوبندی کے خواب میں آکر اسے دیوبندیت پر پختہ کرتا ہے اور بریلوی کے خواب میں آکر اسے بریلویت پر پختہ کرتا ہے۔ پھر اس کے یہ متبعین بیدار ہو کر اس کی تابعداری کرتے ہوئے یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ ہمارے خواب میں جناب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے ہیں اور انہوں نے فلاں فلاں تعلیم دی۔ پھر ان خوابوں کو یہ لوگ "مسلمانوں کے لئے ایک اہم انتباہ" یا اس جیسے دوسرے ناموں سے شائع کراتے ہیں۔" (۲)

لیکن ایک دوسرے علامہ صاحب (فضل الرحمن کلیم) نے دوسرے اہلحدیثوں کی طرح اپنے اسلاف کی طرف سے صرف نظر کرلیا۔ جس ذات کے متعلق علامہ یوسف زئی ارشاد فرما رہے ہیں کہ وہ بریلویوں اور دیوبندیوں کے خوابوں میں آکر انہیں باور کراتا ہے کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی زیارت کی اور یہ یہ تعلیم دی، وہ "ذات شریف" ان اہلحدیثوں کے گھر بھی تو تشریف لاتی ہے! لیکن اس وقت یہ نہیں کہا جاتا کہ انہوں نے شیطان کو خواب میں دیکھا۔ بلکہ اس وقت تو یہ کہا جاتا ہے کہ

"اگر کوئی خواب کتاب و سنت کے مطابق ہے تو خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ اس نے حضورؐ کی زیارت نصیب کی لیکن اگر وہ اس کے خلاف ہے تو اس کو رد کر دینا چاہیے .... اور اگر مطابقت پائی جاتی ہو تو پھر زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ انہوں نے خواب میں حضورؐ کی زیارت کی ہے اور بڑے ہی خوش نصیب ہیں۔" (۳)

قادیانیوں کے خلاف کتاب لکھنے پر علامہ احسان الٰہی ظہیر صاحب کے اپنے تاثرات ملاحظہ ہوں: پڑھ کر اندازہ لگایئے کہ یہ کسی بریلوی دیوبندی کی غلو آمیز تحریر ہے یا حدیث کے ایک عالم کی:

"اور شاید اس سے بھی خوشنودی رب کا وہ پروانہ مل جائے جو مرزائیت پر عربی مقالات کو جمع کرنے کے بعد ملا تھا کہ جب ۱۹۶۹ء کے رمضان مبارک کی ستائیسویں شب مسجد نبویؐ کے پڑوس میں اپنی کتاب "القادیانیہ" کو مکمل کر کے سویا تو کیا دیکھتا ہوں، سحرگاہ دعائے نیم شبی لبوں پر لئے، باب جبرئیل کے راستے [کہ دیار حبیب علیہ السلام میں میرا مکان اسی جانب تھا] مسجد نبویؐ کے اندر داخل ہوتا ہوں، لیکن روضہ اطہر کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک جاتا ہوں کہ آج خلاف معمول روضہ معلی کے دروازے وا ہیں اور پہرے دار خندہ رو، استقبالیہ انداز میں منتظر ہیں، میں اندر بڑھ جاتا ہوں کہ سامنے سرور کونین، رحمت عالم محمد اکرم ﷺ رعنائیوں اور زیبائیوں کے جھرمٹ میں صدیق اکبرؓ اور فاروق اعظمؓ کی معیت میں نماز ادا فرما رہے ہیں۔ دل خوشیوں سے لبریز اور دماغ مسرتوں سے معمور ہو جاتا ہے اور جب میں دیر کے بعد باہر نکلتا ہوں تو دربان سے

(۱) ہدایۃ المستفید، ج ۱، ص ۳۲، ۱۰۰، ۱۰۵، بحوالہ حدیث اور اہلحدیث، ص ۱۳۲، ۱۳۵ (۲) خوابوں میں دیدار رسول ﷺ کی حقیقت، مطبوعہ پاک اکیڈمی آرام باغ کراچی، ص ۱۲۶، ۱۲۷ (۳) روزہ عاکرے کا اسلامی تصور از فضل الرحمن کلیم، صفحہ ۲۰۳

سوال کرتا ہوں یہ دروازے تم روزانہ کیوں نہیں کھولتے؟ اور جواب ملتا ہے۔

''یہ دروازے روزانہ نہیں کھلا کرتے۔''

''یہ دروازے روزانہ نہیں کھلا کرتے۔''

اور آنکھ کھلی تو مسجد نبوی کے میناروں سے یہ دلکش ترانے گونج رہے تھے:

اشهد ان محمدا رسول الله - اشهد ان محمدا رسول الله

اور صبح جب میں نے مدینہ یونیورسٹی کے چانسلر کو ماجرا سنایا تو انہوں نے فرمایا تمہیں مبارک ہو کہ ختم نبوت کی چوکھٹ کی چوکیداری میں خاتم النبیین کے رب نے تمہاری کاوش کو پسند فرمالیا ہے اور کون جانے میرا رب اسے بھی رسالت مآب علیہ السلام کی خدمت شمار فرمالے۔''(۱)

یہ تو ان علامہ صاحب کا اپنا واقعہ تھا۔ اہلحدیثوں کی قربانیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے جناب نے ''امیر المجاہدین مولانا یحییٰ علی'' کا واقعہ بیان کیا کہ انگریزوں نے ان کے مکانات مسمار کرادئے اور ان کے بزرگوں کی قبریں بھی کھدوا دالیں۔ یحییٰ علی کو جب اس واقعے کا علم ہوا تو گھر والوں کو لکھا:

''آج شب سرور کائنات ﷺ کی زیارت ہوئی۔ آپ نے تبسم فرماتے ہوئے اس آیت کریمہ کی تلاوت فرمائی: وبشر الصبرين الذين اذا اصابتهم مصيبة قالوا انا لله وانا اليه راجعون اولئك عليهم صلوت من ربهم ورحمة واولئك هم المهتدون۔''(۲)

ان کے اسلاف میں سے ابراہیم سیالکوٹی صاحب نے بھی قادیانیوں کے خلاف ''شہادت القرآن'' نامی کتاب لکھی تھی جس میں رفع عیسیٰ کو ثابت کرتے ہوئے قرآن وحدیث کے دلائل کے ساتھ ساتھ یہ بھی بیان کیا کہ انہیں خواب میں نبی ﷺ کی طرف سے ایک کاغذ عنایت کیا گیا جس پر لکھا تھا کہ عیسیٰ علیہ السلام بے شک آسمان میں زندہ موجود ہیں اور وہ قیامت کے قریب ضرور اتریں گے۔ (صفحہ ۱) صرف یہی نہیں بلکہ عیسیٰ علیہ السلام بھی ان کے خواب میں آکر مرزا قادیانی کے متعلق فرماتے ہیں کہ

''کوئی خطرے کی بات نہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کو جلد ہلاک کرے گا۔'' (صفحہ ۱۰)

اہلحدیثوں کی تضاد بیانی وتضاد عملی کی ایک مثال یہ بھی ہے کہ ہفت روزہ اہلحدیث، لاہور اپنے ۷ فروری ۱۹۸۹ء کے شمارے میں ''سعودی علماء کبار کا متفقہ فتویٰ'' شائع کرتا ہے کہ سلام پھیرنے کے بعد امام کا ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اور اس کے پیچھے مقتدیوں کا بھی ہاتھ اٹھا کر آمین آمین کہنا کتاب وسنت سے ثابت نہیں۔ لہٰذا

''اس کی کوئی حقیقت نہیں بلکہ وہ ناقابل قبول اور مردود ہے۔'' (ص ۳)

لیکن یہ خلاف سنت ''ناقابل قبول اور مردود'' عمل اہلحدیثوں کی مسجدوں میں کثرت سے دیکھنے میں آتا ہے۔ جس کے لئے وہ کہتے ہیں کہ

''ہاتھ اٹھا کر بعد نماز فرض کے دعا مانگنا درست ہے۔'' (۳)

''احادیث سے صرف فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جلدی یا دیر سے جائز ہے۔''(۴)

''اس قدر ثابت ہوتا ہے کہ فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا سنت ہے۔''(۵)

''فرض نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا جائز ہے۔''(۶)

جبکہ ان کے اپنے کچھ علماء اور ان کے ممدوح سعودی علماء بھی اس کو بدعت قرار دیتے ہیں

''بلاشبہ ہر فرض نماز کے بعد بالاستمرار اور بالتقید واجتماعی دعا کرنا صریح بدعت ہے۔''(۷)

''ہر نماز کے بعد عادت بنا کر اجتماعی دعا مروجہ طریقے سے کرنا صریح بدعت ہے۔''(۸)

''بعض لوگ فرض نماز کے بعد اپنے ہاتھ اٹھاتے ہیں یہ بدعت ہے جس کی کوئی اصل نہیں۔''(۹)

حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کا ایک رخ یہ بھی ملاحظہ فرمائیے کہ یہ اپنے عقیدے وعمل کے ثبوت کے لئے من گھڑت اور ضعیف روایت سے استدلال کرنے میں بھی نہیں چوکتے۔ ان کے اکثر مشہور مسائل کی بنیاد اسی قسم کی روایات پر ہے۔ ان کے دنیاوی قبر میں مردے کی روح کے لوٹ آنے، زندہ ہو کر زائرین کا سلام سن کر جواب دینے کے عقائد کا پیچھے ذکر ہو چکا ہے جس کی بنیاد ابن حنبل، ابن تیمیہ، ابن قیم وغیرہ کی بیان کردہ ضعیف اور موضوع روایات ہیں۔ نبی ﷺ کے ہر جگہ حاضر وناظر ہونے اور آپ کی روح کے گشت کرنے کے بریلوی عقیدے کو رد کرتے ہوئے ہندوستان میں مسلک اہلحدیث کو رواج دینے والے میاں نذیر دہلوی صاحب ملائکہ سیاحین اور قبر میں درود سننے کی موضوع روایات سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ نبی ﷺ ہر جگہ نہیں بلکہ اپنی قبر میں حاضر وناظر ہیں اور وہیں زائرین کا درود وسلام سنتے ہیں۔ علاوہ اسی حاضر ناظر کے مسئلے کے رد میں ''حضرت العلام محدث روپڑی'' یا ساریة الجبل والی موضوع روایت سے استدلال کرتے ہوئے ثابت کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نبی ﷺ پر درود پہنچا دیتا ہے جس طرح عمرؓ کو ساریہؓ کی آواز پہنچا دی۔(۱۰) اندازہ یہ ہوتا ہے کہ یہ ساریہ والی موضوع روایت سے استدلال صرف اس لئے کرتے ہیں کہ ان کے ''شیخ الاسلام'' ابن تیمیہ نے بھی اپنے رسالے ''الفرقان بين اولياء الرحمن واولياء الشيطان'' میں صحابہ کرام ودیگر کی کرامات کے جھوٹے قصے بیان کرتے ہوئے اسے بھی لکھا ہے۔(۱۱) اور تو اور ناصر الدین البانی صاحب، جنہیں یہ اہلحدیث آج کا مجدد، محدث العصر اور نہ جانے کیا کیا کہتے ہیں، وہ بھی اس جھوٹے قصے کو درست قرار دیتے ہیں۔(۱۲)

لیکن بعض باتیں تو یہ ایسی بیان کر دیتے ہیں جس کے ثبوت میں کوئی موضوع روایت بھی نہیں ہوتی مثال کے طور پر صادق سیالکوٹی صاحب کی کتاب ''صلوٰۃ الرسول'' میں بیان کردہ وظائف۔ حالانکہ یہ وہ کتاب ہے جس کے سرورق پر یہ لفاظی کی گئی ہے:

(۱) امیر زادیت اور اسلام، ص ۲۳، ۲۵ (۲) ایضاً، ص ۲۲۸، ۲۲۹ (۳) فتاویٰ ثنائیہ، جلد ۱، صفحہ ۵۰۱ (۴) ایضاً، ص ۵۱۸ (۵) ایضاً (۶) ... (۷) ... (۸) ... (۹) ... (۱۰) ... (۱۱) ... (۱۲) ...

''جس کے نورانی اوراق میں وہ درآبدار منتشر ہیں جو وحی الٰہی کے یم ہدیٰ سے رسالت کی غواصی نے پائے ہیں اور جن کی تابانی اور درخشانی کا نور جویان خدا کو ضیعف و عصیاں کی ظلمت سے نکال کر بارگاہ ایزدی میں پہنچاتا ہے۔''

اور اس کے اگلے صفحے پر اس طرح دعویٰ کیا گیا ہے:

''کتاب ھذا کا یہ ایڈیشن بڑی چھان بین، تحقیق اور حک و اضافہ کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ جو صحت، استدلال اور دیگر خوبیوں کے لحاظ سے ہر طرح مکمل بر دوش ہے۔ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

محمد صادق''

اور جس کے متعدد تبصرہ نگاروں میں اہلحدیثوں کا نقیب مجلّہ ''الاعتصام'' لاہور کا بھی یہ تبصرہ دیا گیا ہے:

''..........سب سے خوشی کی بات یہ ہے کہ مسائل میں احادیث سے استشہاد کیا گیا ہے۔ سنت صحیحہ سے اس باب میں جو چیزیں ثابت ہیں، قاری کو اس کتاب میں مل سکتی ہیں۔''(۱)

لیکن ان سب مبالغہ آرائیوں کے باوجود بغیر کسی سند و حوالے، ثبوت و دلیل کے قرآنی آیت لا الٰہ الا انت سبحٰنک انی کنت من الظٰلمین کے متعلق فرماتے ہیں:

تمام مطالب و حوائج کے لئے ایک مجرب التاثیر وظیفہ

دعائے یونس علیہ السلام ....جس قرآن وحدیث سے یہ معلوم ہوا کہ یہ دعا بڑا بھاری وظیفہ ہے۔ ہر قسم کی تکلیفوں، مصیبتوں، دکھوں، دردوں اور اندوہوں سے نجات پانے کے لئے بڑا کامیاب وظیفہ ہے۔ نہایت مجرب التاثیر اور نہایت سریع الاثر دعوت ہے۔ تمام اولیاء اللہ اور صلحائے امت کا اس کی سرعت تاثیر اور عدم تخلف پر اجماع اور اتفاق ہے۔

پڑھنے کا طریقہ اس کے پڑھنے کے طریقے اپنے اپنے احوال و اشغال کے لحاظ سے مختلف ہیں۔ ایک طریق تو یہ ہے کہ ہر روز رات کو بعد نماز عشاء ایک ہزار بار پڑھیں، اول آخر تین بار درود شریف بھی (قعدہ تشہد والا) ضرور پڑھیں۔ بارہ روز تک پڑھیں۔ انشاء اللہ اکل حلال اور صدق مقال کی پابندی سے پڑھنے پر کام ہو جائے گا۔ ورنہ چالیس روز تک پڑھیں، لیلائے مرام سے ہم آغوش ہو جائیں گے۔

دوسرا طریق یہ ہے کہ اس دعا کو چالیس روز میں سوا لاکھ بار کریں جس کی صورت یہ ہے کہ ہر روز تین ہزار ایک سو پچیس (۳۱۲۵) بار پڑھیں۔ اول آخر چند بار درود شریف ضرور ہو۔ خدا کے فضل سے شب غم کی تاریکیوں سے صبح فرح کے انوار ضیاء بار ہوں گے۔

تیسرا طریق اس کے پڑھنے کا یہ ہے کہ نماز عشاء کے بعد تاریک مکان میں بیٹھ کر ایک پانی کا پیالہ بھر کر آگے رکھ لیں۔ اس طرح حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ کے اندھیرے اور دریا کے پانی کا نقشہ کھنچ جائے گا۔ اور بدن اور کپڑوں کی طہارت کے ساتھ باوضو قبلہ رخ بیٹھ کر نہایت عاجزی، زاری، خضوع اور استحضار کے ساتھ یہ دعا تین سو بار پڑھیں۔ اور پڑھنے کے دوران میں ہر سو بار کے خاتمے پر پانی میں ہاتھ ڈال کر منہ اور بدن پر پھیرتے رہیں۔ جب پڑھ چکیں تو اکتالیس بار درود شریف بھی پڑھیں۔ اسی طرح اکتالیس روز تک یہ عمل جاری رکھیں۔ خدا کی مہربانی سے ہموم و غموم کے بادل چھٹ کر مطلع امید نظر آ جائے گا اور کوئی مشکل اور مصیبت ایسی نہیں جو دور نہ ہو۔ انشاء اللہ الغفار (۲)

اس کے بعد ''مخلوق کے شر سے بچنے کا حصار'' اور ''فراخی رزق کے اعمال'' کے خود ساختہ عملیات بھی بیان کئے ہیں۔

حدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کا خلاف حدیث ایک عمل ان کا خود کو ''اہلحدیث'' کہلانا بھی ہے۔ ان کے علماء اپنی تحریروں اور تقریروں میں اس بات کو درست ثابت کرنے پر پورا زور صرف کر دیتے ہیں۔ یہ ان تمام آیات جن میں لفظ ''حدیث'' آیا ہے، اور نبی ﷺ کے وہ فرامین جن میں لفظ ''حدیث'' استعمال ہوا ہے، سے استدلال کرتے ہوئے خود کو ''اہلحدیث'' کہلانا درست جانتے ہیں اور ان کی پیروی کا دعویٰ کرتے ہوئے اپنے مسلک کو منزل من اللہ [اللہ کی طرف سے نازل شدہ] بتاتے ہیں۔(۳) اور یہ کہ

''قرآن کا نام بھی حدیث ہے اور اللہ کے رسول کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی بات کا نام بھی حدیث ہے تو اہل حدیث کی نسبت ہوئی اس سرچشمے کی طرف جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے پھوٹتا ہے اور انہی سرچشموں کے اثرات اہل حدیث حضرات میں پائے جاتے ہیں۔''(۴)

''اہلحدیث کا نام رکھنے کی معقول وجہ یہ تھی کہ حدیث کا لفظ قرآن و حدیث پر مشترکہ بولا جاتا ہے۔''(۵)

نیز

''یہ نام من جانب اللہ ہمیں دربار رسالت سے ملا ہے۔ صحابہ و تابعین اور تبع تابعین سب اہل حدیث کہلاتے تھے۔''(۶)

لیکن افسوس کہ یہ ''معقول وجہ'' صحابہؓ کی سمجھ میں نہ آئی جو ان دونوں قسم کی حدیثوں [فرمان الٰہی، فرمان رسولؐ] پر ساری زندگی عمل کرتے رہے۔ انہوں نے کبھی خود کو اہلحدیث نہیں کہلوایا۔ وہ اسی نام پر قانع رہے جو اللہ نے ان کے لئے تجویز کیا یعنی ''مسلم'' [الحج:۷۸]۔ جو لوگ صحابہ کا طریقہ چھوڑ دیں، غیر سبیل المومنین کی اتباع کریں [النساء:۱۱۵] تو کیا ان کا ما انا علیہ و اصحابی ہونے اور منہج صحابہ پر ہونے کا دعویٰ درست ہو سکتا ہے؟ نیز کلام الٰہی میں قرآن کے لئے آنے والے لفظ ''حدیث'' سے استدلال کرتے ہوئے خود کو اہلحدیث کہلانے والے بتائیں کہ قرآن مجید میں اللہ نے قرآن کو ''الذکر'' اور ''الکتاب'' بھی کہا ہے، تو کیا قرآن کو ماننے کا دعویٰ کرنے والا اپنا نام ''اہل ذکر''، ''اہل کتاب'' وغیرہ بھی رکھ سکتا ہے؟

قرآن وحدیث پر عمل کرنے کے دعویداروں کا قرآن وحدیث کے ہی خلاف ایک عمل دین کو پیشہ بنانا بھی ہے۔ شاید ہی کوئی اہلحدیث امام و مؤذن، معلم و مدرس اور نکاح خواں ایسا ہو جو نماز پڑھانے، اذان دینے، قرآن پڑھانے، دین کی تعلیم دینے اور نکاح پڑھانے کی اجرت نہ وصول کرتا ہو حالانکہ قرآن وحدیث کی رو سے ایسا کرنا ناجائز اور حرام ہے۔(۷)

(۱) صلوٰۃ الرسول از صادق سیالکوٹی، مطبوعہ نعمانی کتب خانہ، اردو بازار، لاہور (۲) ایضاً ص ۳۴۹، ۳۵۰، ۳۵۱ (۳) صادق سیالکوٹی مجلہ اہلحدیث، کراچی، ۱-۱۶ ستمبر ۱۹۹۹ء، ص ۱۷ (۴) آسانی جنت اور درباری جہنم ص ۱۷۰ (۵) عقیدہ اہلحدیث، ص ۲۸ (۶) ہفت روزہ الاعتصام لاہور، ۲۵ محرم ۱۴۱۲ھ، ص ۱۰ (۷) تفصیل ہمارے کتابچے ''دین داری یا دکان داری'' میں دیکھیے

یہ مضمون اس وقت تک نامکمل رہے گا جب تک کہ ان اہلحدیثوں کی کرامات کا ذکر نہ کیا جائے۔ ایک اہلحدیث عالم عبدالمجید سوہدروی جو اہلحدیثوں کے سابقون الاولون میں سے مولوی ابراہیم سیالکوٹی کے شاگرد ہیں، اپنی کتاب ''کرامات اہلحدیث'' میں لکھتے ہیں:

''چونکہ کرامات کا ظہور عام طور پر اولیاء اللہ ہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے اس لئے عوام میں یہ مشہور ہو گیا ہے کہ جماعت اہلحدیث میں کوئی ولی نہیں ہوا، اسی لئے تو وہ کرامات کو مانتے ہیں اور نہ ان میں کوئی اہل کرامت ہوا ہے۔ اہلحدیث چونکہ عام طور پر جھوٹے ولیوں کی کرامت کا انکار کرتے ہیں اور ان کی استدراجی و شیطانی حرکات کو کرامت قرار نہیں دیتے، اس لئے عوام بھی ان سے بدظن ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ کے منکر ہیں اور ان کی کرامات کے بھی قائل نہیں ہیں .... بلفظہ جماعت اہلحدیث میں بے شمار افراد اہل کرامت ہوئے ہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنے حضرات اہلحدیث میں اہل کرامت ہوئے ہیں، اتنے کسی اور جماعت میں نہیں ہوئے۔''
(ص۔۱۰)

''عقیدۃ السلفیہ'' کے نام سے ترجمہ کی جانے والی ابن تیمیہ کی کتاب ''عقیدۃ الواسطیہ'' میں لکھا ہے کہ:

''اور اہل سنت کے اصولوں میں سے ہے کہ وہ اولیاء کی کرامات اور جو اللہ تعالیٰ ان کے ہاتھوں پر خارق عادت ظاہر کرتے ہیں وہ ان سب کی تصدیق کرتے ہیں۔ وہ کرامات علوم اور مکاشف کی قسم سے ہوں یا قدرت کے اور تاثرات کی قسم سے اور ان پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو پہلی امتوں کے متعلق سورۃ کہف وغیرہ میں مذکور ہیں یا اس امت کے پہلے لوگوں صحابہ اور تابعین سے اور ان کے بعد امت کے مختلف افراد سے صادر ہوتی ہوں اور وہ اس امت میں قیامت تک باقی رہیں گی۔ (ص۔۲۰۲،۲۰۳)

یحیٰی گوندلوی صاحب کہتے ہیں:

''ہم بلاشبہ اولیاء اللہ سے سرزد ایسی کرامات کو جو صحیح نقل کے ساتھ ثابت ہوں تسلیم کرتے ہیں، مگر کرامات کو کتاب و سنت کے ترازو میں تولتے ہیں۔ اگر وہ عقیدہ و اسلام کے موافق ہیں تو قابل قبول ورنہ ہم اسے شعبدہ بازی یا پھر کذب پر محمول کرکے ترک کرنا ضروری سمجھتے ہیں کیونکہ قرآن و حدیث کے میزان کے جو خلاف ہے وہ کرامت نہیں۔'' (عقیدۃ اہلحدیث، ص۔۳۱۰)

ذرا گوندلوی صاحب اور ان کے متعلقین اپنی اس ترازو میں تول کر بتائیں کہ اہلحدیث ''اولیاء'' کی درج ذیل کرامات قرآن کی کس آیت اور رسول ﷺ کی کس حدیث کے مضمون کی موافقت کر رہی ہیں:

۱۔ مولوی عبدالرحمٰن لکھوی صاحب حج کے لئے روانہ ہوئے اور جہاز کا ٹکٹ خرید لیا۔ جہاز چلنے کو تھا کہ آپ نے منع کر دیا اور ٹکٹ واپس کروا دیا۔ ایک ہفتے بعد دوسرے جہاز کا ٹکٹ خریدا اور اس کے چلنے سے پہلے اس کا ٹکٹ بھی واپس کر دیا۔ پھر تیسرے جہاز پر سوار ہو کر جدہ پہنچے۔ وہاں جا کر ہم راہیوں کو معلوم ہوا کہ پہلے دونوں جہازوں میں بیماری پھیل گئی اور حکومت نے دوسری جگہ انہیں روک دیا۔ (کرامات اہلحدیث، ص۔۱۲)

۲۔ مولوی غلام رسول قلعوی صاحب قلعہ میاں سنگھ میں ایک حجام سے حجامت بنوا رہے تھے۔ اس نے شکایت کی حضور میرا بیٹا کئی سال سے باہر گیا ہوا ہے جس کا کچھ پتہ نہیں کہ کہاں ہے، زندہ ہے یا مر گیا ہے۔ بس ایک ہی بیٹا تھا اس کے غم میں ہم تو مرے جا رہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر خاموش رہے پھر فرمایا میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے اور روٹی کھا رہا ہے، جاؤ دیکھ کر جا کر دیکھ لو۔ حجام گھر گیا تو بیٹا آیا ہوا تھا اور کھانا کھا رہا تھا۔ بیٹے سے ماجرا پوچھا تو اس نے کہا کہ ابھی ابھی میں ملک سندھ میں تھا۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہوا اور کیونکر طرفۃ العین میں یہاں پہنچ گیا۔ (ایضاً ص۔۱۲،۱۳)

۳۔ ''صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خان شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے تو سرہند جانے کے لئے قاضی محمد سلیمان کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لئے بیٹھے تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو اور ان سے الگ ہو جانا چاہئے۔ ابھی آپ جی میں یہ خیال کر کے اٹھے ہی تھے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا اور فرمایا کہ سلیمان بیٹھے رہو، ہم کوئی بات تم سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں بلکہ بیداری کا ہے۔'' (ایضاً ص۔۱۹)

۴۔ مولانا عبداللہ المعروف غلام نبی الربانی سوہدروی کا بیان ہے کہ ایک بار ایک شخص .... نے عبداللہ غزنوی صاحب کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ حضور میں نے مجاہدین کو ایک چٹھی بھیجی تھی جو راستے میں پکڑی گئی۔ چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں اور وہ چٹھی میرے افسروں کے پاس پہنچ گئی ہے اس لئے اب مجھ پر مقدمہ چلے گا اور صرف ملازمت ہی سے برطرف کر دیا جاؤں گا بلکہ سخت سزا بھی دی جائے گی۔ خدا کے لئے دعا کیجئے اور مجھے اس مصیبت سے بچایئے۔ راوی کا بیان ہے کہ میرے سامنے عبداللہ صاحب نے مراقبہ کیا اور تھوڑی دیر کے بعد سر اٹھایا اور بغل سے وہ چٹھی نکال کر اس شخص کو دی اور پوچھا کہ کیا یہی ہے؟ اس نے کہا ہاں حضور یہی ہے جس کی بنا پر مقدمہ چل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا جاؤ اب مقدمہ نہیں چل سکے گا۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا اور وہ افسر میری چٹھی پیش نہیں کر سکا تو مجھے بری کر دیا گیا۔''

(ایضاً ص۔۲۶،۲۷)

۵۔ ایک نواب صاحب کی بچی سخت بیمار تھی، اس نے مولوی محمد سلیمان روڑی سے دم کرانے کے لئے آدمی بھیجا۔ مولوی صاحب جانے کے لئے تیار ہوئے، سواری منگوائی گئی۔ معاً فرمایا اب جانا فضول ہے، لڑکی کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ آدمی جب واپس گیا تو معلوم ہوا کہ ٹھیک اسی وقت جب مولوی صاحب نے فرمایا تھا، اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی۔ (ایضاً ص۔۴۸)

یہ صرف پانچ ''کرامات'' ہیں ورنہ اس کتاب میں ان ''شیخ تن'' کے ایسے پچاس سے زیادہ واقعات ہیں۔ مزید یہ کہ مؤلف صاحب آخری سطر میں لکھتے ہیں:

''اگرچہ کرامات اہلحدیث کے ضمن میں بہت سے بزرگوں کی کرامات میرے پاس جمع ہو گئی ہیں مگر فی الحال اسی پر اکتفا کرتا ہوں، یار زندہ صحبت باقی۔''

اپنے مسلک کو منزل من اللہ اور منہج صحابہ قرار دینے، خود کو ما انا علیہ و اصحابی کا مصداق سمجھنے اور اپنی جماعت کو نجات یافتہ ماننے کے دعویدار بتائیں کہ گزشتہ صفحات کے مرقومات ان کے دعوے کو صحیح ثابت کرتے ہیں یا باطل ٹھہراتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ گروہی و مسلکی تعصبات کی عینک اتار کر، صریح فریب کاری اور تضادات پر مبنی اس صورتحال پر سنجیدگی و ہوشمندی کے ساتھ غور و فکر کرکے کتاب و سنت کی تعلیمات کی روشنی میں اپنے عقائد کی اصلاح کرکے صحیح راہ عمل اختیار کرنے کی ہمت و توفیق سے نوازے۔ آمین

موسیٰ علیہ السلام

گزشتہ سے پیوستہ

نسیم الدین خرم

مصر میں قیام کے دوران موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ پیش آنے والے واقعات کا خلاصہ حبل اللہ کے پچھلے شمارے میں پیش کیا گیا تھا۔ اس کے مطالعے سے معرکۂ حق و باطل کا ایک واضح منظر سامنے آتا ہے جس میں غور وفکر کرنے والوں کے لئے نصیحت وعبرت کا سامان ہے۔ حامل کتاب قوم بنی اسرائیل کتاب اللہ کی تعلیمات سے منہ پھیر کر دنیا پرستی، اللہ کی نافرمانی اور انبیاء علیہم السلام کو جھٹلانے، ان کا مذاق اڑانے اور سرکشی کی وجہ سے قہر الٰہی سے دوچار ہوئی، فرعون کے ظلم وستم کا نشانہ بنی۔ اللہ تعالیٰ نے پھر انہیں سنبھلنے کا موقعہ عنایت فرمایا۔ وہ موسیٰ علیہ السلام کا ساتھ دینے والوں میں شامل ہوئے تو اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حقدار بنے اور بالآخر اللہ کی رحمت سے انہیں فرعون کے ظلم وجور سے نجات ملی۔ اللہ کے حکم سے بحر احمر نے موسیٰ علیہ السلام اور بنی اسرائیل کو ساحل تک پہنچنے کا راستہ فراہم کیا جبکہ فرعون اور اس کے عظیم الشان لشکر کو غرق کر دیا۔ جس عظیم الشان سلطنت اور جاہ وحشمت نے فرعون کو غرور وتکبر کے نشے میں اندھا کر کے حق سے ٹکرانے پر آمادہ کیا تھا، اب اس کی بے حقیقتی کو اس نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا۔ اب چشم بصیرت سے غفلت کا پردہ ہٹا لیکن امتحان کا وقت تو گذر چکا تھا اور انجام سامنے تھا۔ یہ واقعات تاریخ کا مطالعہ کرنے والوں کے لئے تو سبق آموز ہیں ہی لیکن آنکھوں سے دیکھنے والوں کی عبرت کے لئے یقیناً کافی تھے!

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو دنیا والوں کی عبرت نگاہی کے لئے باقی رکھا، وہ مصر کے عجائب گھر میں موجود ہے اور سورہ مومن میں اعلان کر دیا کہ صبح وشام قوم فرعون کو آگ کا عذاب ہو رہا ہے اور ان کو واضح کیا جاتا ہے کہ قیامت قائم ہونے کے بعد وہ شدید عذاب میں ڈال دیے جائیں گے۔ [سورۃ المومن:۴۶] یہ ہے اللہ کے باغی نافرمانوں کا عبرتناک انجام! سورۃ المومن کی یہ آیت عالم برزخ میں عذاب کا ناقابل تردید ثبوت ہے۔ اب یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا زبردست نمونہ ہے کہ صبر کے ساتھ موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ جتے رہنے پر بنی اسرائیل جیسی پست اور کمزور قوم کو فرعون جیسے طاقتور، جابر وظالم حکمراں کے مقابلے میں بغیر جنگ و خونریزی ایسی کامیابی وکامرانی حاصل ہوئی کہ دشمنان حق کو صفحۂ ہستی ہی سے نیست ونابود کر دیا گیا [الاعراف:۱۳۶، ۱۳۷]۔

حق وباطل کی اس معرکہ آرائی میں ہمارے سامنے دو متضاد کردار ابھر کر سامنے آتے ہیں۔ ایک طرف یہودی قارون ہے جو مال وزر کی ہوس کا شکار ہو کر اپنی قوم سے کٹ جاتا ہے اور فرعون وہامان وغیرہ کا دست وبازو بن جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے چھوٹ ملنے پر فخر وریا میں حد سے گذر جاتا ہے۔ انجام کار اللہ کے عذاب کا کوڑا برستا ہے، اپنے خزانوں کے ساتھ زمین میں دھنسا دیا جاتا ہے اور دنیا والوں کے لئے عبرت نگاہی کا سامان بن جاتا ہے۔ دیکھنے والوں نے دیکھ لیا کہ یہ ہے ان خزانوں کی حقیقت جن پر وہ اتراتا تھا دوسری طرف قوم فرعون کا ''مرد مومن'' ہے جو ایمان لا کر پوری طرح حق کا ساتھ دیتا ہے۔ حکمت کے ساتھ موقع اور محل کے لحاظ سے جابر حکمراں کو مکروفریب اور ظلم میں حد سے تجاوز کرنے پر بھرے دربار میں ٹوکتا ہے، نتائج سے بے پرواہ ہو کر مجاہدانہ انداز میں فرعون اور اس کے درباریوں کو جھنجوڑتا ہے اور ان کو آخرت کے عذاب سے ڈراتا ہے۔ اس کی دلگداز اور معرکۃ الآراء تقریر سورۃ المومن کے تقریباً دو رکوع پر مشتمل ہے۔ بلاشبہ اس ''رجل مومن'' کی شخصیت صبر واستقامت اور توکل علی اللہ کے داعیانہ اوصاف کے حامل اور باطل سے بے باکانہ ٹکر لینے والے مرد مجاہد کا بہترین نمونہ پیش کرتی ہے۔ مکی دور کے حالات کے لحاظ سے ان آیات میں بیان کردہ واقعات صحابہ کرامؓ کی تربیت کا مؤثر ذریعہ ہے۔

بنی اسرائیل کی آزمائش کا دوسرا مرحلہ

الغرض یہ معرکۂ حق وباطل اس طرح اختتام پذیر ہوا کہ فرعون اور اس کی قوم غرق ہوئی اور موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ساتھ ساحل پر پہنچ گئے۔ فرعون کے جور وستم سے بھرپور دور غلامی سے نکل کر بنی اسرائیل کو اب ایک آزاد وباوقار قوم کی حیثیت سے زندگی گذارنے کا موقعہ ملا۔ اس طرح وہ اب آزمائش کے دوسرے مرحلے میں داخل ہوئے۔ موسیٰ علیہ السلام نے شکر گذاری کے لئے یوم عاشورہ (دس محرم) کا روزہ رکھا۔ نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد دیکھا کہ بنی اسرائیل بطور یوم نجات دس محرم کا روزہ رکھتے ہیں۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ میں ان کی نسبت موسیٰ علیہ السلام سے زیادہ قریب ہوں۔ لہٰذا آپؐ نے یوم عاشورہ کا روزہ رکھا اور صحابہ کرامؓ کو اس کا حکم دیا [بخاری: کتاب الانبیاء]۔

بحر احمر کو عبور کرنے کے بعد موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے ہمراہ جزیرہ نما میں وادی سینا (تیہ)☆ کی طرف روانہ ہوئے۔ راہ میں ایک ایسی قوم سے گذر ہوا جو بتوں کو پوجنے میں لگے ہوئے تھے، ان کو دیکھ کر وہ لوگ موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے:

"ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک معبود بنا دیجئے جیسے ان کے معبود ہیں ...."

[الاعراف ۱۳۸]

یہ ہے اس عجیب و غریب فطرت کی حامل ناشکری اور احسان فراموش قوم کے سیرت و کردار کی تصویر کہ صدہا سال غلامی، پستی و بدحالی میں سسکتے رہنے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نظر عنایت ہوئی، اس صورتحال سے نجات ملی اور قوم فرعون کی عبرتناک ہلاکت کو اپنی آنکھوں سے دیکھا، پھر بھی ان کے اندر کوئی تبدیلی نہ آئی، موقع ملتے ہی اپنے نجات دہندہ مالک حقیقی کی بغاوت پر آمادہ ہو گئے! موسیٰ علیہ السلام نے جواب دیا:

"تم بڑے جاہل لوگ ہو۔ یہ لوگ جس کام میں لگے ہوئے ہیں، یہ سب برباد ہوگا اور جو کچھ یہ کر رہے ہیں سراسر باطل ہے۔ کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور معبود تلاش کر لاؤں حالانکہ اسی نے تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی ہے۔" [الاعراف ۱۳۸-۱۴۰]

اللہ کے نبی تو شرک کی جڑ کاٹنے، شخصیت پرستی اور بناوٹی معبودوں کی بندگی سے انسانیت کو پاک کرنے آتے ہیں نہ کہ اس نجاست سے انہیں آلودہ کرنے۔ کیا ایسا مطالبہ کرنے والے بنی اسرائیل اس حقیقت سے ناواقف تھے، اور مصر میں طویل حق و باطل کی کشمکش کے بعد بھی ان میں اس کا احساس نہ پیدا ہو سکا تھا؟ دراصل ان کی دنیا پرست اور خود غرض طبیعت اور غلامانہ ذہنیت نے ان کو قطعی بے حس کر دیا تھا۔ اس احساس کو ابھارنے کے لئے اللہ تعالیٰ کے احسانات اور نعمتوں کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی کہا گیا کہ تمہیں اہل عالم پر فضیلت دی گئی ہے۔ یہ کوئی قومی یا نسلی فضیلت نہ تھی بلکہ منصبی فضیلت تھی لیکن انہوں نے خود کو اس فضیلت کا اہل ثابت نہیں کیا۔ سورۃ الجمعہ میں فرمایا کہ ان [یہود و نصاریٰ] نے حامل تورات ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔ بطور یاد دہانی قرآن میں متعدد مقامات پر یہ ذکر نعمت کیا گیا ہے۔ سورہ ابراہیم [آیات ۵-۶] میں اس یاد دہانی کے بعد تنبیہ فرمائی:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَىِٕنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِیْدَنَّكُمْ وَلَىِٕنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ [ابراھیم ۷]

"اور جب تمہارے رب نے متنبہ کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گذاری (کی روش اختیار) کرو گے تو تمہیں اور زیادہ دوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو بیشک میرا عذاب بھی بہت شدید ہے۔"

سورۃ ابراہیم کی یہ آیت ایک اہم قانون کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے اور حق کا ساتھ دینے والے بھی اسی وقت تک اللہ کی رحمت و نصرت کے حقدار رہتے ہیں جب تک وہ رسول کی اطاعت اور اپنے رب کی عبادت و شکر گزاری کی روش پر قائم رہیں اور کفر و شرک یا روگردانی کی روش اختیار نہ کریں۔ بالفاظ دیگر وہ عباد اللہ [یا اللہ والے] بن کر رہیں، اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اللہ کے دین کو پوری طرح نافذ کریں اور دین حق کی مکمل دعوت دیتے رہیں۔ اگر ایسا کرتے رہے تو اللہ کی رحمت شامل حال ہوگی۔ اس کے برعکس اگر حامل کتاب ہو کر روگردانی کی اور اللہ کی نافرمانی کی روش اختیار کی تو اللہ کی رحمت سے محروم ہو کر اس کے قہر و غضب کے مستحق ٹھہریں گے۔ پھر ان کے معاملات بگڑتے جائیں گے، حتیٰ کہ فکری، عملی پستی کا شکار ہو کر دوسری قوموں کے محتاج بلکہ محکوم ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ قانون بنی اسرائیل کے لئے ہی مخصوص نہیں بلکہ ہر حامل کتاب قوم کے لئے ہے خواہ وہ ماضی کی حامل کتاب ہو یا حال کی۔

اللہ تعالیٰ کی نوازشات

وادی سینا گرم و خشک علاقہ ہے جہاں دور دور تک پانی نہ تھا چنانچہ بنی اسرائیل نے پانی کا مطالبہ کیا تو موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہ ربانی میں التجا کی، وحی کے ذریعہ جواب ملا کہ "پتھر پر اپنا عصا مارو"۔ موسیٰ علیہ السلام نے پتھر پر عصا مارا تو فوراً ہی بارہ چشمے پھوٹ پڑے جو بنی اسرائیل کے بارہ قبیلوں کے لئے کافی ہوئے۔ اللہ تعالیٰ نے کھلے میدان میں دھوپ وغیرہ سے بچاؤ کے لئے ابر کا سایہ فراہم کیا اور کھانے کیلئے "من و سلویٰ" نازل فرمایا [البقرۃ ۵۷-۶۰]۔ بخاری، کتاب التفسیر میں "من" کو صمغ یا گوند بتایا گیا ہے اور سعید بن زید کی روایت میں یہ وضاحت ہے کہ کماۃ (یا کھنبی) بھی "من" کی قسم سے ہے، اور اس کا پانی آنکھ کی بیماریوں میں مفید ہے۔ "سلویٰ" "کچھ چھوٹے پرندے تھے [بٹیر کے مشابہ]"۔ اللہ تعالیٰ کی پیہم نوازشات و عنایات کا نزول ان کے اندر جذبہ تشکر کے لئے کافی ہونا چاہئے تھا لیکن یہ تو بے حد احسان فراموش قوم تھی جس کی فطرت میں کفران نعمت اور سرکشی رچ بس گئی تھی۔ تھوڑے دن بعد موسیٰ علیہ السلام سے ایک اور مطالبہ کر دیا کہ "ہم ایک ہی طرح کے کھانے پر گذارہ نہ کر سکیں گے، آپ اپنے رب سے دعا کریں کہ وہ ہمارے لئے زمینی پیداوار، ساگ، ککڑی، گیہوں، مسور، پیاز اگا دے۔" موسیٰ علیہ السلام نے (حیرت و ناراضگی سے) کہا کہ تم عمدہ چیز کے بدلے گھٹیا قسم کی اشیاء کے خواہشمند ہو تو پھر کسی شہر میں چلے جاؤ وہاں تمہیں وہ سب مل جائے گا جو تم چاہتے ہو [البقرۃ ۶۱]۔

اللہ تعالیٰ نے ان نوازشات کے ساتھ ان کو تنبیہ بھی فرما دی تھی کہ "ہماری عطا کردہ پاک چیزیں کھاؤ لیکن حد سے تجاوز نہ کرنا (یعنی نافرمانی اور کفران نعمت کی روش میں حد سے نہ بڑھنا) ورنہ میرا غیظ و غضب تم پر نازل ہوگا، اور (یاد رکھو) جس پر میرا غضب نازل ہوا تو وہ ہلاک و برباد ہو گیا۔" [طٰہٰ ۸۱]

کوہ طور پر بلاوا:

فرعون کی غلامی سے رہائی پانے کے بعد بنی اسرائیل کو ایک آزاد اور باعزت قوم کی حیثیت سے رہنے کا موقع ملا تھا اور اب ان کو ایک مسلم معاشرے کے طرز پر زندگی بسر کرنے کے لئے ہدایت و رہنمائی، معاشرتی قوانین اور نظام عدل اور عبادات وغیرہ کے لئے شریعت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ مصر سے نکلتے وقت اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کے لئے ایک دن مقرر کیا تھا جب انہیں قوم کے لئے شریعت

☆ لفظ "تیہ" کی وضاحت بعد میں کر دی گئی ہے۔

حاصل کرنے "طور کے بائیں جانب" پہنچنا تھا (شاید اسی مقدس مقام پر جہاں انہیں نبوت عطا کی گئی تھی)۔ [سورۃ طٰہٰ ۸۰] وعدے کے مطابق موسیٰ علیہ السلام کو تیس راتوں کے لئے کوہ طور پر بلایا، پھر اس میں دس راتوں کا اضافہ کر کے اس دورانیے کو چالیس کر دیا۔ یہ ایک نبی کو شریعت عطا کرنے کا مخصوص انداز تھا، اس سے صوفیا، اپنے چلہ کشی کے لئے جو جواز نکالتے ہیں وہ بالکل بے بنیاد ہے۔ نبی علیہ السلام اور آپ کے صحابہ کرامؓ نے کبھی چلہ کشی نہیں کی، بلاشبہ وہ اللہ کے سچے ولی تھے اور امت میں دین کو سب سے زیادہ سمجھنے والے تھے۔ وہاں جاتے ہوئے موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی (اور اللہ کے نبی) ہارون علیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کر دیا اور ہدایت دی کہ وہ بنی اسرائیل کی رشد و ہدایت اور اصلاح کا کام کرتے رہیں اور ان کو ہر قسم کے فتنہ و فساد سے بچائے رکھیں۔

جب کوہ طور کی میقات یعنی مقررہ مقام پر موسیٰ علیہ السلام پہنچے تو وہاں اللہ تعالیٰ نے ان کو ہم کلامی کا شرف عطا فرمایا اور براہ راست گفتگو کی۔ رب کی عنایات و نوازشات کے ان لمحات میں موسیٰ علیہ السلام کے دل میں دیدار الٰہی کا شوق پیدا ہوا چنانچہ اللہ تعالیٰ سے درخواست کی کہ "اے میرے رب! مجھے اپنے دیدار سے مشرف فرمائیے کہ میں ایک نظر آپ کو دیکھ لوں۔" اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ "تم مجھے ہرگز نہ دیکھ سکو گے۔ لیکن تم ذرا اس پہاڑ کو دیکھو، اگر وہ اپنی جگہ پر برقرار رہا تو تم مجھے دیکھ سکو گے۔" اللہ تعالیٰ نے جب پہاڑ پر تجلی فرمائی تو اس کے پرخچے اڑ گئے اور موسیٰ علیہ السلام بے ہوش کر گر پڑے۔ پھر جب ہوش میں آئے تو عرض کیا:

"(اے رب) آپ کی ذات پاک ہے، میں آپ کی بارگاہ میں توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں ہوں۔" [الاعراف ۱۴۳]

ارشاد باری تعالیٰ ہوا کہ

"اے موسیٰ! میں نے تمہیں ہم کلامی اور منصب نبوت میں لوگوں پر فضیلت عطا کی ہے، جو کچھ میں نے تمہیں دیا ہے اس کو لو اور شکر گذاری کرتے رہو۔" [سورۃ الاعراف ۱۴۴]

یہ بات غور طلب ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے دنیا ہی میں رب کو دیکھنے کی خواہش کی تھی جو پوری نہ ہوئی بلکہ تنبیہ کی گئی اور جب ان کو معلوم ہو گیا کہ یہ ممکن نہیں تو پھر آپ نے توبہ کی اور رجوع الی اللہ کر کے ایمان بالغیب کا بھرپور اقرار کر لیا۔ یہاں یہ بات ذہن نشین کر لی جائے کہ اس دنیا میں رب کا دیدار ممکن نہیں، یہاں تو ایمان بالغیب ہی دین کی اساس ہے۔ دیدار الٰہی آخرت کا تحفہ ہے جس کا جنتیوں کے لئے وعدہ ہے۔ لوگوں کا یہ عقیدہ کہ نبی ﷺ نے معراج میں اللہ تعالیٰ کو دیکھا، قرآن و صحیح احادیث کے صریحاً خلاف ہے۔ [ملاحظہ ہو سورۃ الانعام، سورۃ الشوریٰ اور صحیح مسلم کتاب الایمان]

شاید بعض لوگوں کو اس بات پر حیرت ہو کہ صوفیاء تو اکثر و بیشتر اللہ تعالیٰ سے خواب میں ملاقات اور رسول اللہ ﷺ سے خواب و بیداری میں ملاقات کا دعویٰ کرتے رہتے ہیں! دراصل صوفیاء کا دین طریقت تو سارے کا سارا قرآن و حدیث کی خلاف ورزی بلکہ اللہ اور رسول پر افتراء پردازی ہی پر مبنی ہے!!

بخاری، کتاب الانبیاء میں "وواعدنا موسیٰ ثلثین لیلۃ........" کے باب کے تحت ایک روایت لائے ہیں جس میں نبی علیہ السلام کا یہ فرمان نقل کیا گیا ہے کہ "قیامت کے دن سب لوگ بے ہوش ہو جائیں گے اور میں سب سے پہلے ہوش میں آؤں گا تو میں موسیٰ کو دیکھوں گا کہ وہ عرش کا پایہ پکڑے ہوئے ہیں۔ یہ تو مجھے معلوم نہیں کہ وہ مجھ سے پہلے ہوش میں آ جائیں گے یا انہیں طور کی بے ہوشی کا بدلہ دیا جائے گا (اور وہ اس وقت بے ہوش نہ ہوں گے)۔"

تورات کا نزول

بالآخر (طور پر) موسیٰ علیہ السلام کو چند تختیوں کی شکل میں تورات عطا ہوئی جس میں ہر قسم کی نصیحت اور ہر چیز کی تفصیل لکھ کر موسیٰ علیہ السلام کو عطا کر دی گئی۔ سورۃ البقرۃ میں بھی موسیٰ علیہ السلام کو "کتاب و فرقان" کے عطا کرنے کا بیان ہے [البقرۃ ۵۳]۔ ساتھ ہی موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا گیا:

"ان کو پوری قوت سے تھام لو اور اپنی قوم کو حکم دو کہ وہ اچھی طرح ان پر عمل پیرا ہوں، میں عنقریب تمہیں نافرمانوں کی بستی دکھلاؤں گا۔" [الاعراف ۱۴۵]

نافرمانوں کے گھر (بستی) سے مراد غالباً وہ آثار قدیمہ یا کھنڈرات ہیں جو ان قوموں کی یادگار ہیں جنہوں نے ہدایت کے راستے کو چھوڑ کر نافرمانی کی روش اختیار کی اور اللہ کے عذاب کا شکار ہوئے۔ یہ بعد والوں کیلئے عبرت نگاہی کا سامان ہے، جو قوم بھی سرکشی کی روش اختیار کرے اس کا انجام یہی ہوتا ہے، اللہ تعالیٰ کا قانون سب قوموں کیلئے یکساں ہے۔ الغرض تورات عطا کر کے اس کے احکامات کی پیروی کرنے کی ہدایت کر دی گئی اور اس بات پر شدت سے متنبہ کر دیا گیا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکامات کی پابندی کے ساتھ پیروی کرتے رہیں اور ان احکامات میں تغیر نہ پیدا کریں اور اس کے عذاب سے دوچار ہونے والی نافرمان و متکبر قوموں کی روش اختیار کرنے سے بچیں جو حق آ جانے کے بعد بھی حق کو پالینے سے محروم رہتے ہیں۔ دراصل ان کی متکبرانہ سرکشی کی روش قبول حق کی صلاحیت کو بروئے کار نہیں آنے دیتی اور وہ منفی نفسیات کے حامل ہو جاتے ہیں۔ تمام نشانیاں دیکھ کر بھی راہ حق کی طرف نہیں آتے لیکن گمراہی دیکھ کر فوراً ہی اپنا لیتے ہیں۔ [سورۃ الاعراف ۱۴۶]

بنی اسرائیل کی سرکشی

ادھر کوہ طور پر موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے ہدایات حاصل کر رہے تھے تاکہ اپنی قوم کو گمراہی و ہلاکت سے بچائیں اور فلاح و کامرانی کی راہ پر لگائیں جبکہ ان کے پیچھے ان کی قوم دامن طور میں گوسالہ پرستی کی لعنت میں گرفتار ہو کر گمراہی میں آگے بڑھے جا رہی تھی۔ بدنصیب انسان کی کج فکری کی انتہا دیکھئے کہ مالک حقیقی کی طرف سے تو ایک جامع منصوبے کے تحت ان کی رہنمائی کا مکمل اہتمام کیا جا رہا ہے اور اللہ کا اولوالعزم رسول ان کے ہمراہ ہے، معجزے پر معجزے آنکھوں کے سامنے رونما ہو رہے ہیں، معرکۂ حق و باطل میں مختلف مراحل سے گذر چکے ہیں، پھر بھی کفران نعمت اور مالک کی نافرمانی اور سرکشی کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے!

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے بے شمار دلائل کانوں سے سن لینے اور آنکھوں سے دیکھ لینے کے باوجود گوسالہ پرستی کا ذوق قلب و ذہن پر طاری ہے۔ قرآن میں فرمایا:

''تمہارے پاس تو موسیٰ (واضح) دلائل لے کر آئے تم پھر بھی بچھڑا پوجنے لگ گئے۔'' (البقرہ: ۹۲)

بنو اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کے بے انتہا احسانات کا تقاضا تو یہ تھا کہ ان کے دل اپنے مالک کی محبت و عقیدت کے جذبات سے سرشار ہوتے اور دل و جان سے اس کی عبادت، اطاعت و فرمانبرداری میں لگ جاتے۔ لیکن اس کے برعکس ان کے دلوں میں تو ان کے بناوٹی معبود بچھڑے کی محبت رچ بس گئی تھی!

''ان کے کفر کے سبب ان کے دلوں میں بچھڑا رچ بس گیا تھا۔'' (البقرہ: ۹۳)

اور یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ جس دل میں معبود غیر اللہ کی محبت و عقیدت رچی بسی ہو اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت تو داخل ہو ہی نہیں سکتی۔ ایمان باللہ کے لئے قلب و ذہن کو اس لعنت و نجاست سے پاک کر لینا از حد ضروری ہے۔

الغرض کوہ طور کے دامن میں بنی اسرائیل نے اپنے زیوروں سے بچھڑا بنا کر اس کو معبود ٹھہرا لیا۔ سامری نے ان کو یہی سبق پڑھایا تھا۔ دراصل یہ بھی فرعون و ہامان و قارون کے بعد ایک طاغوت تھا جس سے موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ایماندار ساتھیوں کو سابقہ پڑا۔ ہارون علیہ السلام نے ان کو باز رکھنے کی پوری کوشش کی لیکن وہ نہ مانے۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت موسیٰ علیہ السلام کو اس صورتحال سے آگاہ کر دیا۔ سورۃ طٰہٰ میں ہے:

''اے موسیٰ تجھے اپنی قوم سے کون سی چیز جلدی لے آئی۔''

موسیٰ علیہ السلام نے کہا:

''وہ لوگ بھی میرے پیچھے ہی چلے آ رہے ہیں۔ اور اے رب! میں نے تیری طرف آنے میں جلدی اس لئے کی کہ تو راضی ہو جائے۔''

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''ہم نے تیری قوم کو تیرے پیچھے آزمائش میں ڈال دیا اور انہیں سامری نے گمراہ کر دیا۔'' (طٰہٰ: ۸۳-۸۵)

پھر موسیٰ علیہ السلام قوم کی اس مذموم روش پر افسوس کرتے ہوئے غیظ و غضب کی حالت میں واپس لوٹے اور اپنی قوم کو ڈانٹا:

''اے میری قوم کے لوگو! کیا تمہارے رب نے تم سے نیک وعدہ نہیں کیا تھا؟ کیا یہ وعدہ کی مدت تم پر طویل گذری؟ یا تم یہ چاہتے ہو کہ تم پر تمہارے رب کا غضب نازل ہو جائے اس لئے تم نے میرے وعدے کی خلاف ورزی کی۔''

انہوں نے جواب دیا:

''ہم نے اپنے اختیار سے آپ کے ساتھ کئے ہوئے وعدے کی خلاف ورزی نہیں کی بلکہ ہم پر قوم کے زیورات کے بوجھ لادے گئے۔ ہم نے انہی کو (آگ میں) ڈال دیا اور اسی طرح سامری نے (ان کو آگ میں) ڈال دیا۔ پھر اس نے ان کے لئے ایک بچھڑا بنا کھڑا کیا یعنی ایک بچھڑے کی مورتی جس میں گائے کی سی آواز تھی۔ پھر وہ کہنے لگے کہ یہی تمہارا معبود ہے اور موسیٰ کا بھی لیکن موسیٰ بھول گیا۔ ان (طٰہٰ)

لوگوں نے یہ بھی نہ سوچا کہ وہ نہ تو ان سے بات کر سکتا تھا اور نہ ہی ان کو ہدایت دے سکتا تھا۔ انہوں نے اس کو معبود بنا لیا اور وہ تھے ہی ظالم۔'' (الاعراف: ۱۴۸)

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ موسیٰ علیہ السلام رب سے ملاقات کے شوق میں قوم کو پیچھے چھوڑ کر وقت مقررہ سے کچھ پہلے ہی اس مقام پر پہنچ گئے تھے۔ قوم میں شرپسند لوگوں کا ایک گروہ بھی موجود تھا جس کا سرغنہ سامری تھا۔ جو بظاہر تو مسلم ہو گیا تھا لیکن اس کے دل میں کفر و شرک کی نجاست بھری ہوئی تھی اور وہ مصریوں کی مجسمہ سازی کی صنعت میں بھی ماہر تھا۔ اس نے اس موقعہ سے فائدہ اٹھایا اور لوگوں کو گمراہ کرنے کی بھرپور کوشش کی۔ اس کام میں اس کے ہم نواؤں نے اس کا ساتھ دیا۔ بنی اسرائیل قوم پر مصریوں کے مشرکانہ ماحول اور رسومات کا رنگ اس قدر چڑھ گیا تھا کہ ایک انقلابی کشمکش سے گذرنے اور اس ماحول سے نکل آنے کے بعد بھی ان کے اندر وہ اثرات بڑی حد تک باقی رہ گئے تھے۔ انسانی تاریخ گواہ ہے کہ جب بھی کوئی قوم دنیا پرستی اور آخرت سے غفلت کے نتیجے میں بگاڑ کی طرف مائل ہوتی ہے تو ہر دور میں عوام کو فریب دینے والے ''سامری'' قوم میں ہی سے نکل آتے ہیں۔ بنی اسرائیل کا یہ گروہ سورۃ اعراف کی آیت ۱۴۶ میں بیان کردہ اوصاف کا حامل معلوم ہوتا ہے کہ ''تمام نشانیاں دیکھ کر بھی دعوت حق پر ایمان نہ لائیں لیکن گمراہی دیکھیں تو فوراً اسے اپنا لیں۔''

اللہ کا نبی ایمان میں کامل اور اللہ کی محبت میں انتہائی شدید ہوتا ہے۔ اس کے لئے شرک ناقابل برداشت ہوتا ہے۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے انتہائی غم و غصے کی حالت میں اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کا شدت سے محاسبہ کیا اور وہ تختیاں (الواح) جن میں ہدایات درج تھیں ایک طرف رکھ دیں۔ قرآن میں ہارون علیہ السلام کی داڑھی اور ان کا سر پکڑنے کا ذکر ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے غصے کے عالم میں پوچھا:

''اے ہارون! جب تم نے انہیں گمراہ ہوتے ہوئے دیکھا تو تمہیں کس چیز نے روکا کہ تم میرے پیچھے نہ آئے۔ کیا تم نے بھی میرے حکم کی نافرمانی کی؟'' (طٰہٰ: ۹۲-۹۳)

قرآن بتاتا ہے کہ ہارون علیہ السلام نے پہلے ہی بنی اسرائیل کو گمراہی سے باز رکھنے کی کوشش کی تھی اور سمجھایا تھا کہ:

''اے میری قوم! اس بچھڑے کے ذریعے تمہاری آزمائش کی گئی ہے تمہارا حقیقی رب تو رحمٰن ہی ہے۔ پس تم میری بات مانو اور میری اطاعت کرتے رہو۔'' (طٰہٰ: ۹۰)

لیکن اس بگڑی ہوئی قوم نے اپنے اس سچے بہی خواہ کی بات نہ مانی۔ نافرمانی کی روش پر ڈٹے رہے اور ہارون علیہ السلام کو یہ جواب دیا:

''ہم تو موسیٰ کی واپسی تک اسی کے مجاور بنے رہیں گے یہاں تک کہ موسیٰ (علیہ السلام) ہم میں واپس لوٹ آئیں۔'' (طٰہٰ: ۹۱)

ہارون علیہ السلام برابر ان کو سمجھاتے رہے اور کسی قسم کی مداہنت نہ کی۔ البتہ محاذ آرائی کی اس فتنہ انگیز صورتحال میں ہارون علیہ السلام نے پوری طرح حکمت و مصلحت سے کام لیا اور ان کو کفر و شرک سے باز رکھنے کے لئے اس حد تک نہ گئے کہ

جنگ و جدال کا راستہ اختیار کر لیتے۔ اس سے آپ نے گریز کیا اور موسیٰ علیہ السلام کے آنے کا انتظار کیا۔ چنانچہ اب موسیٰ علیہ السلام کی جواب طلبی پر انہوں نے یہی جواب دیا:

"اے میرے ماں جائے! ان لوگوں نے مجھے کمزور سمجھا (میری بات کو اہمیت نہ دی) اور قریب تھا کہ مجھے قتل کر دیتے، اور مجھے یہ بھی اندیشہ تھا کہ (جنگ و جدال کی صورت میں) آپ یہ نہ کہیں کہ میں نے بنی اسرائیل میں تفرقہ ڈال دیا (اور ان کو لڑا دیا) اور میں نے آپ کی بات کا لحاظ نہ کیا۔" (الاعراف ۱۵۰، طٰہٰ ۹۴)

موسیٰ علیہ السلام اپنے بھائی ہارون علیہ السلام کے اس جواب پر مطمئن ہو گئے اور اللہ تعالیٰ سے اپنے لئے اور بھائی کے لئے مغفرت و رحمت کی دعا فرمائی۔ اللہ تعالیٰ نے بچھڑے کو معبود بنانے والوں پر اپنے غضب کا اظہار فرماتے ہوئے ان کو عذاب کی وعید سنائی، اور دین کے نام پر بے دینی پھیلانے والوں کو "مفتری" قرار دیا (یعنی اللہ پر جھوٹ گھڑنے والے)۔ (الاعراف ۱۵۱، ۱۵۲) پھر موسیٰ علیہ السلام نے سامری کی طرف رخ فرمایا اور اس سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"اے سامری! تیرا کیا معاملہ ہے (یعنی تو نے یہ کیا ڈھونگ رچایا ہے)۔ اس نے کہا میں نے تو وہ چیز دیکھی تھی جو دوسروں نے نہیں دیکھی، یعنی رسول کے نقش قدم سے ایک مٹھی بھر لی اور وہ اس میں ڈال دی۔ اور میرے دل نے میرے لئے یہی بات بھلی بنا دی۔" (طٰہٰ ۹۶،۹۵)

موسیٰ علیہ السلام نے اس کی چال کو اسی پر لوٹا دیا اور کہا:

"دور ہو جا اب (دنیاوی) زندگی میں تیرے لئے یہ سزا ہے کہ تو کہتا رہے گا "لا مساس" (یعنی مجھے نہ چھونا)۔ اور ایک اور وعدہ بھی تیرے ساتھ ہے (آخرت کے عذاب کا) جو ہرگز نہ ٹلے گا۔ اور اب تو اپنے معبود کو بھی دیکھ لینا جس کا تو گرویدہ بنا ہوا تھا، ہم اس کو جلا کر خاک کر دیں گے اور راکھ دریا میں اڑا دیں گے۔" (طٰہٰ ۹۷)

سامری تو تھا ہی بڑا شاطر۔ اس نے اپنا دفاع کرنے اور لوگوں کو مغالطے میں ڈالنے کے لئے ایک نفسیاتی چال چلی تھی۔ اس نے اس طرح بات بنائی جو اگرچہ بالکل بے بنیاد و بے سروپا تھی لیکن ان لوگوں پر اثر کرنے والی تھی۔ اللہ اور اس کے رسول نے تو اس کو کوئی اہمیت نہ دی اور نہ ہی قابل وضاحت سمجھا لیکن ہمارے مفسرین کے دل کو اچھی لگی اور انہوں نے سامری کے مکر و فریب کو گویا سچ تسلیم کر کے "رسول کے نقش قدم" پر قیاس آرائیوں کے ڈھیر لگا دئے! سامری نے وقت کے نبی کے ساتھ بھی یہ شاطرانہ انداز اختیار کر کے بات بنانے کی جو کوشش کی وہ اللہ کے عذاب سے بے خوفی اور دین کے معاملے میں انتہائی غیر سنجیدہ روش کا اظہار ہے۔ چنانچہ وہ سب سے زیادہ شدید عذاب کا مستحق ٹھہرا جو موسیٰ علیہ السلام کی بددعا کے روپ میں ظاہر ہوا۔ ان کے بناوٹی معبود کے ساتھ بھی جو کچھ کیا گیا وہ سامری اور اس کے ساتھیوں کی رسوائی اور دوسروں کی عبرت نگاہی کا سامان تھا۔

بنی اسرائیل کو جب اپنی گمراہی کا احساس ہوا تو وہ نادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے معافی کی درخواست کی:

"وہ کہنے لگے کہ اگر ہمارا رب ہم پر رحم نہ کرے اور ہمارا گناہ معاف نہ کرے تو ہم بڑے خسارے میں پڑ جائیں گے۔" (الاعراف ۱۴۹)

لیکن یہ کوئی معمولی خطا تو نہ تھی جس پر اتنی آسانی سے بخشش ہو جاتی۔ موسیٰ علیہ السلام نے بطور کفارہ جانوں کو قتل کرنے کا حکم دیا۔ سورۃ البقرۃ میں ہے:

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم! بچھڑے کو معبود بنا کر تم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے۔ اب تم اپنے خالق کی بارگاہ میں توبہ کرو اور اپنی جانوں کو ہلاک کرو۔ تمہارے خالق کے نزدیک اسی میں تمہارے لئے خیر ہے۔ پھر اس نے تمہاری توبہ قبول کی، بلاشبہ وہ توبہ قبول کرنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔" (البقرۃ ۵۴)

سرکشی پر سرکشی

اس طرح سرکشوں اور نافرمانوں کی ہلاکت کے بعد جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کی معافی کا اعلان ہو گیا تو موسیٰ علیہ السلام نے نفاذ شریعت کا آغاز فرمانا چاہا۔ وہ تختیاں (الواح) اٹھائیں جن میں احکام شریعت تھے اور اللہ سے ڈرنے والوں کے لئے سامان ہدایت و رحمت تھا، ان کو بنی اسرائیل پر پیش کیا اور ان پر ایمان لانے کو کہا۔ پھر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے ستر نمائندے منتخب کئے اور ان کو مقررہ وقت پر اپنے ساتھ کوہ طور پر لے گئے تاکہ ان کو اللہ تعالیٰ کی نشانیاں دکھائیں (الاعراف ۱۵۵)۔ لیکن ان کی بدنصیبی کہ واضح نشانیاں دیکھ کر بھی ان کی سرکش و شرپسند طبیعت قابو میں نہ آئی اور موسیٰ علیہ السلام سے مطالبہ کر ڈالا:

"اے موسیٰ! ہم ہرگز تمہاری باتوں پر ایمان نہ لائیں گے جب تک اپنی آنکھوں سے اعلانیہ اللہ تعالیٰ کو نہ دیکھ لیں۔ اس وقت تمہاری نظروں کے سامنے ایک صاعقہ (زوردار کڑاکے) نے تمہیں آ لیا۔ پھر (اس طرح) موت سے ہمکنار کرنے کے بعد ہم نے تمہیں دوبارہ زندہ کر دیا تاکہ تم شکر گذاری کرو۔" (البقرۃ ۵۶،۵۵)

سورۃ الاعراف میں ہے:

"جب ان کو ایک زلزلے نے آ لیا۔" (آیت ۱۵۵)

اس طرح وہ ہلاک کر دئے گئے۔ پھر موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں عاجزانہ التجا کی:

"اے میرے رب! اگر تیری مشیت یہی تھی تو اس سے قبل تو ان کو اور مجھے ہلاک کر دیتا۔ (اے ہمارے رب) کیا ہم میں سے کچھ بے وقوفوں کی حرکت پر تو ہم سب کو ہلاک کر دے گا؟ یہ تو تیری طرف سے محض ایک آزمائش ہے، اور ایسی آزمائش کے ذریعے تو جس کو چاہے گمراہی میں ڈال دے اور جس کو چاہے ہدایت پر رکھے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے، ہماری مغفرت فرما اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بڑھ کر مغفرت فرمانے والا ہے۔ اور ہمارے لئے اس دنیا میں بھی اچھائی لکھ دے اور آخرت میں بھی، ہم نے تیری ہی طرف رجوع کر لیا ہے۔" (الاعراف ۱۵۶،۱۵۵)

سورۃ البقرۃ میں "صاعقہ" (بجلی کے کڑاکے) اور سورۃ الاعراف میں "رجفہ" (زلزلے) سے موت واقع ہونے کا ذکر ہے۔ عین ممکن ہے دونوں حوادث ایک ساتھ رونما ہوئے ہوں۔ بہر حال موسیٰ علیہ السلام کی دعا کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان کو دوبارہ زندگی عطا فرمائی اور توبہ کر کے اصلاح احوال اور شکر گذاری کا موقعہ عنایت فرمایا، لیکن ساتھ ہی بطور تنبیہ اپنی سنت اور اپنے اصول کو بھی واضح فرما دیا:

"فرمایا میں جس پر چاہتا ہوں اپنا عذاب اس پر واقع کرتا ہوں۔ اور میری رحمت ہر شے پر چھائی ہوئی ہے۔ اور رحمت میں ان لوگوں کے نام لکھوں گا جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور زکوٰۃ دیتے ہیں اور جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں۔" [الاعراف ۱۵۶]

یہ آیت بھی ایک اصول وضابطے کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کی ازلی وابدی صفت ہے، چنانچہ فرمایا:

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ (الانعام ۱۲)

"اس نے رحمت کو اپنے اوپر واجب کر لیا ہے۔"

لیکن اس کا عذاب انتہائی نافرمانی اور سرکشی کی صورتحال میں ہی واقع ہوتا ہے۔ اس کی رحمت اللہ سے ڈرنے والوں اور ایمان کے تقاضے پورے کرنے والوں کے لئے تو عام ہے ہی لیکن گناہوں اور خطاؤں کے بعد توبہ کر کے رجوع کرنے والوں پر بھی وہ رحمت ومغفرت فرمانے والا ہے۔ بنی اسرائیل کی مسلسل نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرماتا رہا اور ان کو معاف فرماتا رہا۔ ان کی سرکشی اور باغیانہ روش پر "صاعقہ اور رجفہ" نے ان کو ہلاک کر ڈالا لیکن پھر دوبارہ زندہ کر کے اٹھایا تاکہ سنبھل جائیں اور شکر گذاری کی روش اپنالیں۔

کوہ طور کا سائبان اور میثاق

اللہ تعالیٰ نے کوہ طور کو اٹھا کر بنی اسرائیل کے اوپر چھتری یا سائبان کی طرح معلق کر دیا اور اس حالت میں ان سے پختہ عہد لیا:

"اور یاد کرو) جب ہم نے تم سے عہد لیا تھا اور تم پر کوہ طور کو معلق کر دیا تھا کہ ہم نے جو احکامات تمہیں دئے ہیں انہیں مضبوطی سے تھامے رہنا اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد رکھنا (عمل پیرا رہنا) تاکہ تم تقویٰ کی روش پر رہو۔" [البقرۃ ۶۳، الاعراف ۱۷۱]

اس طرح اس فقیدالمثال معجزے نے زبان حال سے موسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور توریت کی حقانیت کی حسی دلیل فراہم کر کے اتمام حجت کر دیا اور اس سے انکار یا کسی قسم کے پس وپیش کی ذرا بھی گنجائش نہ چھوڑی۔ لہٰذا بنی اسرائیل کو فوری طور سے اقرار کر لینا ہی پڑا لیکن ان کی نیت اطاعت کرنے کی نہ تھی، جیسا کہ قرآن میں ان کی اس روش کا ذکر کیا گیا: وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا (انہوں نے کہا کہ ہم نے سنا اور نافرمانی کی) (البقرۃ ۹۳) دراصل ان کے قلب وذہن میں تو اللہ تعالیٰ کی محبت وعظمت کی جگہ بچھڑے کی محبت وعقیدت رچی بسی تھی، پھر وہ اللہ کے رسول کی تعظیم وتابعداری بھلا کیسے کرتے؟ چنانچہ انہوں نے جلد ہی کتاب اللہ سے روگردانی کا رویہ اختیار کر لیا:

"پھر اس کے بعد تم نے (توریت سے) روگردانی کی لیکن اگر اللہ کا فضل تم پر نہ ہوتا اور اس کی رحمت بھی، تو بلاشبہ تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔" [البقرۃ ۶۴]

یہاں ایک نکتہ اور قابل غور ہے۔ بنی اسرائیل کی سخت دلی کا ذکر کرتے ہوئے قرآن میں اس کو "فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً" کہا گیا، یعنی ان کے دل پتھر کی طرح سخت ہوئے یا اس سے بھی زیادہ سخت۔ اب دیکھئے کہ پتھروں کی سمع وطاعت کا تو یہ حال ہے کہ کوہ طور اپنے رب کے حکم پر اپنی جگہ سے ہل کر بنی اسرائیل کے سروں پر سائبان کی طرح معلق ہو جاتا ہے! لیکن جب انسان کا دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے یا اس سے بھی زیادہ، تو پیغام ہدایت، نصیحت وموعظت کا اس پر اثر کرنا ناممکن ہو جاتا ہے اور پھر وہ اپنے مالک کی نافرمانی میں حد سے ہی گذر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس صورتحال سے بچائے۔ کتاب اللہ کی آیات میں بڑی عبرت ونصیحت ہے۔

میثاق کے اہم پہلو

بنی اسرائیل سے جو عہد لیا گیا تھا اس کے مندرجہ ذیل اہم پہلوؤں کا ذکر سورۃ البقرۃ (آیات ۸۳-۸۵) میں کیا گیا ہے:

۱۔ عبادت صرف اللہ ہی کی ہوگی، کسی اور کی نہ ہوگی
۲۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک
۳۔ قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ بھی حسن سلوک
۴۔ لوگوں سے اچھی باتیں کہنا (یعنی حسن گفتار اور حسن اخلاق سے پیش آنا)
۵۔ صلوٰۃ قائم کرنا
۶۔ زکوٰۃ دیتے رہنا
۷۔ آپس میں ایک دوسرے کا خون نہ بہانا
۸۔ آپس میں ایک دوسرے کو جلاوطن (بے گھر) نہ کرنا

سب سے پہلے اللہ واحد کی بندگی پر زور دیا گیا ہے اور یہ ہر نبی کی دعوت کا اولین، بنیادی اور مرکزی مضمون رہا ہے۔ سورۃ الانبیاء میں فرمایا کہ:

"تم سے پہلے جو رسول بھی ہم نے بھیجا اس کی طرف ہم نے یہی وحی نازل فرمائی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں، پس تم سب میری عبادت کرو۔" [الانبیاء ۲۵]

اسی طرح سورۃ النحل (آیت ۳۶) میں اس بات کو انبیاء علیہم السلام کی بعثت کے مقصد کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ قرآن میں متعدد مقامات پر اس اہم مسئلۂ توحید کو بیان کیا گیا ہے کیونکہ توحید خالص یا ہر قسم کے شرک سے پاک ایمان وعمل ہی دین اسلام کی روح اور بنیاد ہے اور اگر ایمان میں ذرا سی بھی شرک کی آمیزش ہو تو سراسر بے دینی ہو جاتی ہے اور پھر تمام اعمال بے کار ہو جاتے ہیں۔

اس کے بعد جس بات پر زور دیا گیا ہے وہ والدین کے ساتھ حسن سلوک ہے۔ حقوق العباد میں یہ سب سے اہم معاملہ ہے چنانچہ قرآن میں کئی جگہ اس کا پرزور انداز میں ذکر کیا گیا ہے [ملاحظہ ہو سورۃ بنی اسرائیل، سورۃ العنکبوت، سورۃ لقمان وغیرہ]۔ احادیث میں بھی والدین کی خدمت واطاعت کی تاکید پرزور الفاظ میں کی گئی ہے لیکن یہ بات ذہن نشین رہے کہ والدین کی اطاعت اس حد تک ہے کہ وہ دین کی راہ میں رکاوٹ نہ بن سکیں، اولاد کو شرک پر مجبور نہ کریں۔ اگر ایسا ہو تو ان کی اطاعت نہ کرنا لازم ہے [العنکبوت ۸، لقمان ۱۵]۔

بنی اسرائیل سے لئے گئے درج بالا عہد میں کچھ بنیادی ارکان ہیں جن کو پچھلی

شریعتوں میں بھی لازم قرار دیا گیا تھا اور بقیہ کا تعلق حقوق العباد سے ہے جو مسلم اجتماعیت کو برقرار و منظم رکھنے اور مسلم معاشرے کو مثالی بنانے کے لئے اشد ضروری ہیں۔ نبی علیہ السلام اور خلافت راشدہ کے دور میں جب ان زریں اصولوں کو پوری طرح نافذ العمل کیا گیا تو وہ خطہ زمین امن وسکون اور عدل وانصاف کا گہوارہ بن گیا تھا۔ اس دور میں مسکین، نادار و یتیم کی عزت نفس کا جس طرح تحفظ کیا گیا اس کی مثال انسانی تاریخ میں نہیں ملتی۔ نظام زکوٰۃ و صدقات کے ذریعے غریبوں اور ناداروں کو ان کے پیروں پر کھڑا ہونے کے لائق بنایا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی عرصے میں غربت وافلاس کا خاتمہ ہو گیا۔

ارض مقدس میں داخلے کا حکم

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو موسیٰ علیہ السلام کی سرکردگی میں صحرائے سینا میں لا کر ایک ہی مقصد کے لئے ٹھہرایا تھا تاکہ وہ تعیش اور تن آسانی کے ماحول سے نکل کر مشقت اور سخت جانی کے صحرائی ماحول کے عادی ہوں اور اپنے اندر مجاہدانہ اوصاف پیدا کر سکیں، اور یہ کہ صحرائی زندگی کی سختیاں برداشت کر لینے کے بعد ان کے دلوں میں پھر سہولیات والی بستی میں داخل ہونے کا شوق بھی پیدا ہو جائے۔ چنانچہ اس ابتدائی مرحلے کے بعد ان کو اس ارض مقدس (فلسطین) میں داخلے کا حکم ملا جو ان کے آباء و اجداد ابراہیم، اسحاق، یعقوب علیہم السلام کا مسکن رہ چکی تھی اور اس میں داخلہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے پہلے ہی سے مقدر فرما دیا تھا۔ اس وقت فلسطین میں جو مشرک قوم (عمالقہ) آباد تھی بنو اسرائیل کو ان سے جہاد و قتال کے لئے تیار کرنے کے لئے موسیٰ علیہ السلام نے ان سے دشت فاران میں خطاب فرمایا:

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا، اے میری قوم کے لوگو! اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کو یاد کرو جو اس نے تمہیں عطا فرمائی، اس نے تم میں انبیاء کو مبعوث فرمایا اور تم کو بادشاہ بنایا اور تم کو وہ کچھ عطا کیا جو دنیا والوں میں سے کسی کو بھی نہ دیا تھا۔ اے میری قوم تم اس مقدس سرزمین میں داخل ہو جاؤ جو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے لکھ دی ہے، اور (اللہ کے حکم سے) پیٹھ نہ پھیرو ورنہ ناکام و نامراد ہو کر پلٹو گے۔ انہوں نے کہا اے موسیٰ! وہاں تو بڑے زور آور لوگ رہتے ہیں، ہم وہاں ہرگز نہ داخل ہوں گے جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں، البتہ اگر وہ وہاں سے نکل جائیں تو ہم وہاں (بخوشی) داخل ہو جائیں گے۔" [المائدۃ: ۲۰-۲۲]

اس قوم کی اکثریت دنیا پرست اور بزدل تھی، اور ان میں سے چند ہی بہادر و جفاکش تھے جو دین کا صحیح شعور، آخرت پر یقین اور اللہ پر توکل رکھتے تھے۔ ان میں سے دو افراد نے قوم کو جہاد پر اکسایا:

"اللہ سے ڈرنے والوں میں سے دو آدمیوں نے جن پر اللہ نے انعام فرمایا تھا، کہا کہ تم ان کے مقابلے میں دروازے میں تو داخل ہو، اگر تم اس میں داخل ہو گئے تو تم ہی غالب رہو گے، اور اللہ پر بھروسہ رکھو اگر تم (واقعی) مومن ہو۔ انہوں نے کہا: اے موسیٰ! ہم تو وہاں کبھی نہ جائیں گے جب تک وہ لوگ وہاں موجود ہیں، اب آپ اور آپ کا رب وہاں جائیں اور جنگ کریں، ہم تو بس یہیں بیٹھے رہیں گے۔" [المائدۃ: ۲۳-۲۴]

ملاحظہ کیجئے کہ وہ بزدل اور ڈھیٹ قوم کس طرح مسلسل رب کی نافرمانی کی روش پر بھی رہی۔ ان کے دلوں میں نہ اپنے رب کی کوئی عظمت تھی اور نہ ہی قوم کے محسن، اللہ کے اولوالعزم پیغمبر کی تعظیم واحترام کا جذبہ۔ وہ آخرت کی جوابدہی سے غافل اور سمع و طاعت کی صفت سے بالکل ہی محروم تھے۔ اللہ کے نبی تو بے انتہا صبر و برداشت والے ہوتے ہیں، گلہ و شکوہ تو ان کے شایان شان ہوتا ہی نہیں، بلکہ انتہائی پریشان کن حالات میں بھی وہ اپنے رب ہی کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اندازہ کیجئے کہ ان لوگوں کے اس انتہائی ناشائستہ اور بیہودہ جواب پر موسیٰ علیہ السلام کو کتنا افسوس ہوا ہوگا لیکن انہوں نے اللہ تعالیٰ سے صرف اتنی دعا فرمائی:

"اے میرے رب مجھے سوائے اپنے اور اپنے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں۔ پس آپ ہمیں ان نافرمانوں سے الگ ہی کر دیں۔" [المائدۃ: ۲۵]

الغرض بنی اسرائیل اپنی ہٹ دھرمی اور سرکشی کی سزا میں صحرا میں بھٹکتے رہے اور فلسطین میں ان کو داخلہ نصیب نہ ہوا۔ البتہ موسیٰ علیہ السلام نے برابر رشد و ہدایت کی تعلیم اور ان کی تربیت کا کام جاری رکھا تاکہ کچھ بوڑھے بھی اصلاح کر لیں اور راہ ہدایت پا لیں اور نئی نسل صحرائی ماحول میں ہمت و جرأت کی حامل تیار ہو۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے کچھ عرصے بعد یوشع بن نون کی سربراہی میں بنی اسرائیل فلسطین میں داخل ہوئے۔ بنی اسرائیل پر اللہ تعالیٰ کی عنایات کا سلسلہ تو جاری رہا لیکن انہوں نے اپنے طور طریقے نہ بدلے۔ چنانچہ بخاری میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کو یہ حکم ہوا تھا کہ وہ دروازے سے جھکتے ہوئے یعنی عاجزی وانکساری کے ساتھ داخل ہوں اور "حطة" کہتے جائیں (یعنی مغفرت طلب کرتے جائیں) لیکن وہ سرین کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور کلمہ بھی بدل دیا، "حطة" کی جگہ "حبة في شعرة" (یعنی دانہ بالی کے اندر) کہا۔" [بخاری کتاب التفسیر]

پھر اللہ کا عذاب ان پر نازل ہوا جیسا کہ قرآن میں فرمایا:

"پھر ان ظالموں نے اس بات کو جو ان سے کہی گئی تھی بدل ڈالا، پس ہم نے ان ظالموں پر ان کی نافرمانی کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کر دیا۔" [البقرۃ: ۵۹]

یہ ہے تصویر اس بے حس قوم کی جو زوال پذیری اور انحطاط کی انتہا کو پہنچ گئی، اور اس نے اللہ کی نعمتوں کی شکرگزاری کی بجائے نافرمانی اور سرکشی کی روش اختیار کی اور اپنے محسن نبی کی مسلسل وعظ و نصیحت پر ذرا بھی کان نہ دھرے، پھر بھی اس کے افراد بخشش اور مغفرت کے دعویدار بنے پھرتے تھے!

سخت دلی کی انتہا (ذبح بقرۃ)

موسیٰ علیہ السلام کے اثر انگیز خطاب نے ان بے حسوں پر کوئی اثر نہ کیا اور نہ ہی قوم کے ان دو مخلص مجاہدوں کی ترغیب پر وہ اپنی جگہ سے ہلے، ایسی مجبوری اور بے بسی کی صورتحال میں موسیٰ علیہ السلام نے بالآخر قوم سے برأت کا اظہار کر دیا۔ اس وقت اللہ تعالیٰ کے فیصلے کا اعلان ہوا:

"اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تو اب وہ (خطہ زمین) چالیس سال تک ان پر حرام ہے۔ یہ (اسی طرح) زمین میں مارے مارے پھرتے رہیں گے، تم اس نافرمان قوم (کی بدحالی) پر غم نہ کرنا۔" [المائدۃ: ۲۶]

قرآن میں میدان سینا میں ان کے "مارے مارے پھرنے یا بھٹکتے رہنے" کے لئے "یتیھون فی الارض" کے الفاظ آئے ہیں۔ تاہ، یتیہ کے معنی بھٹکنے کے ہیں۔ اسی مناسبت سے وادی سینا کو "وادی تیہ" کہا جاتا ہے (یعنی وہ میدان جہاں کوئی بھٹکتا پھرے)۔ الغرض بنی اسرائیل میدان سینا (تیہ) میں رہے اور موسیٰ علیہ السلام اور ہارون علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وہاں رہے تا کہ بنی اسرائیل کے کم رسیدہ لوگ رشد و ہدایت سے محروم نہ رہیں اور نئی نسل کی تربیت و تزکیہ نفس کا کام جاری رہے اور ان کے اندر مومنانہ و مجاہدانہ اوصاف کی نشوونما ہوتی رہے۔

درج بالا واقعات ہمارے سامنے یہ نقشہ پیش کرتے ہیں کہ بنی اسرائیل کی جانب سے پیہم نافرمانیوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کو بار بار اصلاح احوال کے مواقع عطا فرمائے۔ لیکن یہ ان کی بدنصیبی کہ اللہ تعالیٰ کی عنایات اور اس کے بے حساب احسانات نے ان کی سرکشی اور نافرمانی میں اضافہ ہی کیا! قرآن میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے جس سے ان کی معاشرتی بے راہ روی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس قوم میں ایک قتل ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اللہ کے عذاب سے بے پرواہ ہو کر شہادت کے چھپانے کی کوشش کی اور قاتل کا پتہ نہ چلنے دیا۔ چنانچہ ایک دوسرے پر شبہات اور الزام تراشی نے جھگڑے کی شکل اختیار کی تو اللہ کی طرف سے موسیٰ علیہ السلام کو حکم ملا کہ وہ ان لوگوں کو ایک گائے ذبح کرنے کا حکم دیں۔ انہیں جب اللہ کا حکم سنایا گیا تو انہوں نے ٹال مٹول کی روش اپنائی اور گائے کے بارے میں سوالات پوچھنے شروع کر دیے کہ کیسی گائے ہو، کیسا رنگ ہو وغیرہ اور زور دینے لگے کہ انہیں جزوی تفصیلات سے آگاہ کیا جائے تا کہ کوئی اشتباہ باقی نہ رہے۔ اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے تمام وضاحتیں بیان کر دیں کہ مطلوبہ گائے جوان، زرد رنگ کی خوشنما گائے ہو گی جو نہ کھیتی باڑی میں سیرابی کے لئے استعمال ہوئی ہو اور نہ ہی ہل وغیرہ میں بلکہ بالکل ہی بے داغ گائے ہو۔ اب مزید حیلہ جوئی کا موقع نہ رہا تو تعمیل حکم پر مجبور ہو گئے اور نہ چاہتے ہوئے بھی ایسی گائے ذبح کرنا پڑی جو ان کی عقیدت کا مرکز رہی ہو گی (البقرۃ ۶۷ تا ۷۱)۔ پھر حکم ملا کہ گائے کے ایک حصے کو مقتول کے جسم سے لگایا جائے۔ چنانچہ مقتول نے زندہ ہو کر قاتل اور واقعہ قتل کی معلومات فراہم کر دیں۔ اس طرح ایک اٹھنے والے فتنے کا سدباب ہو گیا، اور اس کے ساتھ ہی گوسالہ پرستی کے شائقین کی گائے کے ساتھ عقیدت کے جذبات کا بھی قلع قمع کر دیا گیا۔ ایک اہم پہلو یہ بھی ہے کہ مدنی دور میں نازل شدہ سورۃ البقرۃ میں اس واقعے کو بیان کر کے قوم یہود کی تاریخ کے چند ابواب ان کے سامنے پیش کر کے ان کو آئینہ دکھا دیا گیا کہ یہ ہے تمہاری تاریخ، تم ایسی گمراہ اور ہٹ دھرم قوم سے تعلق رکھتے ہو جو بے شمار معجزات دیکھ کر بھی نہ سنبھلی، پھر بھی تمہاری ستم ظریفی کہ انتہائی سفیہانہ خوش فہمی اور تفاخر کا شکار ہو اور زعم باطل میں مبتلا ہو کہ

نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ .... [المائدۃ ۱۸]

"ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں"

اس کے علاوہ جو لوگ "بعث بعد الموت" (مرنے کے بعد اٹھائے جانے) کے عقیدے کے بارے میں شک و شبہ میں مبتلا تھے ان کے لئے بھی اس واقعہ نے دلیل فراہم کر دی کہ اللہ تعالیٰ اسی طرح اپنی قدرت کاملہ سے مُردوں کو زندہ کر کے اٹھا کھڑا کرے گا

كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى .... [البقرۃ ۷۳]

"اللہ تعالیٰ اس طرح مُردوں کو زندہ کرتا ہے۔"

اس سورۃ البقرۃ میں اور بھی کئی مقامات پر "بعث بعد الموت" کی دلیل کے طور پر اس قسم کی مثالیں بیان کی گئی ہیں (ملاحظہ ہوں آیات ۲۵۹، ۲۶۰)۔

موسیٰؑ و خضرؑ

قرآن میں موسیٰ علیہ السلام کے جو واقعات بیان کئے گئے ہیں ان میں خضر علیہ السلام کے ساتھ آپ کی ملاقات بھی بہت اہمیت رکھتی ہے۔ قرآن میں اس واقعہ کو سورۃ الکھف کے نویں اور دسویں رکوع میں تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور بعض جزئیات بخاری کی کتاب التفسیر اور کتاب الانبیاء میں مذکور ہیں۔ سعید بن جبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباسؓ سے عرض کیا گیا کہ نوف البکالی کہتا ہے کہ خضر سے ملاقات کرنے والے موسیٰ بنی اسرائیل والے موسیٰ علیہ السلام نہیں تھے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا کہ "وہ اللہ کا دشمن جھوٹ کہتا ہے، مجھ سے ابی بن کعبؓ نے بیان کیا کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا:

"موسیٰ علیہ السلام اللہ کے رسول تھے انہوں نے لوگوں کو وعظ و نصیحت فرمائی یہاں تک کہ لوگوں کی آنکھیں اشکبار ہو گئیں اور دلوں میں رقت پیدا ہو گئی۔ جب آپ واپس جانے لگے تو ایک شخص نے عرض کیا اے اللہ کے رسول! کیا اس زمین میں کوئی آپ سے بڑا عالم ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا نہیں۔ (اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند نہ آئی) اور اس پر عتاب فرمایا کہ آپ نے علم کو اللہ تعالیٰ کی طرف کیوں نہ منسوب کیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کیوں نہیں (تم سے زیادہ علم والا) ہمارا ایک بندہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ وہ کہاں ہے۔ فرمایا مجمع البحرین* یعنی دو سمندروں کے ملنے کی جگہ پر۔ موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا کہ اے میرے رب ان تک پہنچنے کی میرے لئے کوئی نشانی مقرر کر دیجئے کہ میں (ان کو پہچان لوں اور) ان سے علم حاصل کروں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جہاں تمہاری مچھلی تم سے جدا ہو جائے [دوسرا قول یہ بیان کیا گیا کہ ایک مری ہوئی مچھلی لے لو پھر جہاں اس میں جان پڑ جائے اور وہ تم سے جدا ہو جائے بس وہی مقام ہے جہاں خضر تمہیں ملیں گے]۔ چنانچہ موسیٰ علیہ السلام نے مچھلی تھیلے میں ڈال لی اور اپنے خادم یوشع بن نون کے ہمراہ روانہ ہوئے۔ ان سے کہا کہ میں چلتا رہوں گا حتیٰ کہ دو دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچ جاؤں، یا اسی طرح برسوں چلتا رہوں۔ یوشع بن نون سے یہ بھی کہا کہ تمہیں صرف اتنی تکلیف دوں گا کہ جہاں بھی مچھلی گم ہو جائے مجھے بتا دینا۔ یوشع نے کہا کہ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں۔ پس وہ دونوں چلتے رہے اور جب دریاؤں کے ملنے کی جگہ پہنچے تو اپنی مچھلی کو بھول گئے، اور مچھلی تڑپ کر نکل گئی اور اس نے دریا میں راہ لی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت پانی کو روک کر مچھلی کے راستے میں سرنگ جیسا نشان بنا دیا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام اور یوشع بن نون چٹان (الصخرہ) کے سائے میں ٹھہرے اور موسیٰ علیہ السلام وہاں تھوڑی دیر کے لئے سو گئے تھے۔ پھر وہ دور آگے بڑھے تو موسیٰ علیہ السلام نے اپنے خادم سے کہا کہ ہمارا کھانا لاؤ ہمیں تو اپنے

* [illegible] مقام موجودہ [illegible] خلیج عقبہ [illegible] ملتے ہیں۔

اس سفر سے تکان ہوگئی۔ یوشع نے کہا: کیا آپ نے دیکھا کہ جب ہم اس چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی کو بھول گیا تھا اور مجھ کو شیطان ہی نے بھلا دیا کہ میں آپ سے اس کا ذکر کرتا اور مچھلی تو عجیب ہی طریقے سے نکل کر دریا میں چلی گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: یہی وہ موقعہ ہے جس کی ہمیں تلاش تھی۔ پھر وہ دونوں اپنے قدموں کے نشانات پر واپس لوٹے تو انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندے (خضرؑ) کو پایا جسے ہم نے اپنے پاس سے رحمت عطا کی تھی اور اپنے پاس سے علم عطا فرمایا تھا۔ موسیٰ علیہ السلام نے انہیں سلام کیا تو انہوں نے کہا: اس سرزمین میں سلام! پھر انہوں نے کہا کہ آپ کون ہیں؟ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میں موسیٰ ہوں۔ انہوں نے پوچھا: کیا بنی اسرائیل کے موسیٰ؟ فرمایا: ہاں۔ پوچھا آپ کس لئے آئے ہیں؟ فرمایا: میں اس لئے آیا ہوں کہ آپ کے ساتھ رہوں اور آپ مجھے وہ علم سکھائیں جو آپ کو عطا کیا گیا ہے۔ پوچھا: کیا آپ کے لئے یہ کافی نہیں کہ آپ کے پاس تورات ہے اور آپ پر وحی آتی ہے؟ پھر انہوں نے کہا: اے موسیٰ! مجھے جو علم حاصل ہے اس کا سیکھنا آپ کے لئے مناسب نہیں اور جو علم آپ کے پاس ہے اس کا سیکھنا میرے لئے مناسب نہیں [یعنی میرا اور آپ کا دائرہ کار ایک دوسرے سے مختلف ہے]۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میں آپ کے ساتھ رہوں گا۔ اس دوران [ایک روایت میں ہے کہ بعد میں کشتی میں سفر کے دوران] ایک چڑیا نے اپنی چونچ میں دریا سے پانی لیا۔ خضرؑ نے کہا: اے موسیٰ! واللہ ہمارا اور تمہارا علم اللہ کے علم کے سامنے ایسا ہی ہے جیسے وہ پانی جو اس چڑیا نے اپنی چونچ میں سمندر سے لیا ہے۔ پھر انہوں نے کہا: آپ میرے ساتھ صبر نہیں کرسکیں گے۔ اور آپ ان چیزوں پر صبر کر بھی کیسے سکتے ہیں جو آپ کے دائرہ علم سے باہر ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: آپ مجھے صبر کرنے والا پائیں گے، اور میں کسی معاملے میں آپ کی نافرمانی نہ کروں گا۔ انہوں نے کہا: اگر آپ میرے ساتھ چلتے ہیں تو مجھ سے کسی بات کے بارے میں سوال نہ کرنا، جب تک میں آپ سے خود ہی اس کا تذکرہ نہ کروں۔ پھر وہ دونوں چلے اور آگے جاکر (دریا میں) ایک کشتی میں سوار ہوگئے جو لوگوں کو ادھر سے ادھر [ایک ساحل سے دوسرے ساحل تک] لے جاتی تھی۔ کشتی والوں نے خضرؑ کو پہچان لیا اور بغیر اجرت کشتی میں بٹھالیا۔ پھر دور جاکر خضر علیہ السلام نے کشتی کے تختے کو توڑ دیا۔ اس پر موسیٰ کو بہت تعجب ہوا اور انہوں نے ان سے کہا: کیا آپ نے تختہ اس لئے توڑا ہے کہ آپ کشتی والوں کو ڈبو دیں؟ یہ تو آپ نے بہت نازیبا کام کر دیا۔ خضرؑ نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے کہا: میری بھول پر میری گرفت نہ کیجئے، اور نہ میرے معاملے میں سختی کیجئے۔ پھر وہ دونوں چلے، کشتی نے ساحل پر اتارا تو وہاں سے وہ ایک سمت چلے تو ایک میدان میں پہنچے جہاں لڑکے کھیل رہے تھے، تو خضرؑ نے ان میں سے ایک لڑکے کو مار ڈالا۔ یہ بات پہلے سے بھی زیادہ شدید تھی، اس لئے موسیٰ علیہ السلام ضبط نہ کرسکے اور انہوں نے خضرؑ سے کہا: کیا آپ نے ایک معصوم جان ناحق لے لی؟ یہ تو بلاشبہ آپ نے ایک ناپسندیدہ کام کیا۔ خضرؑ نے کہا: کیا میں نے آپ سے نہیں کہا تھا کہ آپ میرے ساتھ صبر نہ کرسکیں گے؟ موسیٰ علیہ السلام نے پھر ایک مرتبہ عذر کیا اور کہا: اگر میں اس کے بعد آپ سے کسی چیز کے بارے میں سوال کروں تو آپ مجھے ساتھ نہ رکھیں، آپ میری طرف سے عذر کی حد تک پہنچ گئے۔ پھر وہ دونوں چلے یہاں تک کہ ایک بستی والوں کے پاس پہنچ گئے، جن سے انہوں نے کھانا طلب کیا لیکن انہوں نے ان کی میزبانی سے انکار کر دیا۔ وہاں ان کو ایک دیوار ملی جو گرنے کے قریب تھی۔ خضرؑ نے اسے سیدھا کر دیا۔ موسیٰ علیہ السلام سے نہ رہا گیا اور انہوں نے خضرؑ سے کہا: اگر آپ چاہتے تو اس کام پر اجرت لے لیتے [تاکہ اس سے کھانے کا انتظام ہو جاتا]۔ خضر علیہ السلام نے کہا: بس اب میرے اور آپ کے درمیان جدائی کا موقعہ آ گیا۔ میں آپ کو ان باتوں کی اصل حقیقت سے آگاہ کروں گا جن پر آپ صبر نہ کرسکے تھے: وہ کشتی تو چند مسکین لوگوں کی تھی جو سمندر میں کام کاج کرتے تھے۔ میں نے چاہا کہ اس کو عیب دار کردوں کیونکہ آگے ایک بادشاہ تھا جو ہر کشتی کو غصب کر لیتا تھا، اور یہ میں نے اس لئے کیا تھا کہ وہ کشتی کو عیب دار پاکر چھوڑ دے اور کشتی والے اسے بعد میں ٹھیک کرکے چلائیں۔ اور لڑکے کا معاملہ یہ ہے کہ اس کے والدین مومن تھے، تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ بڑا ہو کر اپنی سرکشی اور کفر سے ان کو اذیت دے گا۔ پس ہم نے چاہا کہ ان کا رب ان کو اس کے بدلے میں اس سے بہتر، پاکیزہ اور زیادہ محبت کرنے والی اولاد عنایت فرمائے۔ اور دیوار کا قصہ یہ ہے کہ وہ شہر کے (رہائش پذیر) دو لڑکوں کی تھی اور اس دیوار کے نیچے ان کا خزانہ دفن تھا، اور ان کا باپ ایک نیک آدمی تھا۔ پس ہم نے چاہا کہ وہ دونوں اپنی جوانی کو پہنچیں اور اپنا خزانہ نکالیں۔ ان پر یہ آپ کے رب کی رحمت تھی، اور اس کو میں نے اپنے اختیار سے نہیں کیا۔ یہ ہے حقیقت ان باتوں کی جن پر آپ صبر نہ کرسکے تھے۔" [سورۃ الکہف، رکوع ۹، ۱۰/ بخاری، کتاب التفسیر، واقعہ خضر و موسیٰ علیہما السلام]

خضر علیہ السلام بشر تھے یا فرشتہ

قرآن میں خضر علیہ السلام کا تعارف "عبدًا مّن عبادنا" [ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ: الکھف ۶۵] کہہ کر کرایا گیا اور بخاری و مسلم کی روایات میں خضر کہہ کر ان کا ذکر کیا گیا ہے، اور ان روایات سے یہ بات بھی واضح ہوگئی کہ خضر ہی وہ "اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے" ہیں جن کے پاس موسیٰ علیہ السلام کو علم حاصل کرنے بھیجا گیا تھا۔ قرآن و حدیث کی اس تعارفی وضاحت کے بعد نام و لقب وغیرہ کے بارے میں غیر ضروری قیاس آرائیوں کی تو کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی، البتہ اس واقعہ کا یہ پہلو قابل غور ہے کہ خضر بشر تھے یا فرشتہ۔ اس سلسلے میں قرآن و حدیث کے درج ذیل پہلوؤں پر غور کرلینا کافی ہوگا:

۱۔ خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام سے کہا: "جو علم آپ کے پاس ہے اس کا سیکھنا میرے لئے مناسب نہیں اور جو علم مجھے حاصل ہے اس کا حاصل کرنا آپ کے لئے مناسب نہیں۔" اس طرح نبی اور فرشتے کے دائرہ کار اور ذمہ داری کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ انبیاء کی ذمہ داری اس حد تک ہوتی ہے کہ جو شریعت ان کو عطا کی گئی ہے وہ اس پر خود پوری طرح عمل کریں اور شریعت کے علوم و احکامات کی اپنی امت کو تعلیم دیں اور ان سے عمل کرائیں۔

۲۔ نبی کا ہر امتی اسی شریعت کے تابع ہوتا ہے اور علم دین کے حصول کے لئے وہ نبی کے ماتحت بلکہ اس کا شاگرد ہوتا ہے۔ نبی کے علم کا ذریعہ وحی الٰہی ہوتا ہے جبکہ امتی کے علم کا ذریعہ یا تو خود نبی ہوتا ہے یا نبی کا کوئی امتی۔ پھر کسی امتی کا علم یا فہم دین بھلا نبی سے بڑھ کر کیسے ہوسکتا ہے؟

۳۔ نبی کی امت کا ہر فرد اصول و احکام شریعت کا پابند ہوتا ہے اور خلاف ورزی پر قابل سزا ٹھہرتا ہے۔ پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ کوئی کسی کی کشتی کو عیب دار بنادے اور اس کی گرفت نہ ہو، کوئی کسی کو ناحق قتل کردے اور اس کے خلاف "جان کے بدلے جان" یا قصاص و دیت کا فیصلہ نہ ہو؟

۴۔ قرآن میں خضر کے جن کاموں کا ذکر کیا گیا ہے، وہ تکوینی امور ہی ہوسکتے ہیں نہ کہ بشری کام۔ ان امور کو اس علم کے تحت سرانجام دیا گیا جو براہ راست اللہ تعالیٰ کی

طرف سے عطا کیا گیا تھا جیسا کہ قرآن میں بتایا گیا: وَعَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا (اور جس کو اپنے پاس سے ہم نے علم سکھایا تھا) (الکہف:۶۵)۔ اور خضر علیہ السلام نے بھی موسیٰ علیہ السلام سے کہا: وَمَا فَعَلْتُهٗ عَنْ اَمْرِیْ (میں نے اس کام کو اپنی رائے اور اپنے اختیار سے نہیں کیا۔ یعنی اللہ کے حکم سے ہی سرانجام دیا ہے) (الکہف:۸۲)۔ تکوینی امور تو فرشتوں ہی کی ذمہ داری ہوتے ہیں نہ کہ انسانوں کی، اور فرشتوں پر براہ راست ہی اللہ کے احکامات صادر ہوتے ہیں۔ یہ امور انبیاء کے دائرہ کار سے یکسر باہر ہوتے ہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ موقف قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے کہ خضر علیہ السلام بشر نہ تھے (نہ نبی اور نہ غیر نبی) بلکہ وہ فرشتہ ہی تھے۔ واللہ اعلم بالصواب!

بہرحال یہ بات تو شک وشبہ سے بالاتر ہے کہ اس بے انتہا وسیع وعریض کائنات میں ایسے بے شمار تکوینی امور انجام پا رہے ہیں جو ہمارے لئے پردہ غیب میں ہیں۔ رب ذوالجلال نے اپنی حکمت کے تحت موسیٰ علیہ السلام کو اس طرح کے کچھ امور کے پیچھے کارفرما وجوہات سے آگاہی عطا فرمادی تاکہ ان کو اس بات کا پورا پورا احساس ہوجائے کہ اللہ ہی علیم وخبیر ہے اور علم کے ہر معاملے کو اسی کی طرف منسوب کرنا چاہئے، اور یہ کہ منصب نبوت پر فائز کرکے اللہ تعالیٰ نے ان کو علوم شریعت تو عطا فرمائے ہیں لیکن تکوینی امور ان کی نظر سے پوشیدہ ہیں۔ ایسے کچھ اور واقعات بھی قرآن میں مذکور ہیں۔ تخلیق آدم علیہ السلام کے موقع پر فرشتوں کو بھی یہ احساس دلایا گیا (البقرہ:۳۰-۳۳)؛ کفار مکہ نے نبی علیہ السلام سے چند سوالات کئے تو آپ نے وحی کی توقع میں جواب دینے کا وعدہ تو فرمالیا لیکن ان شاء اللہ نہ کہا تو اس پر آپ ﷺ کو تنبیہ کردی گئی کہ اس طرح نہ کہا کریں (الکہف:۲۳)۔ انبیاء علیہم السلام کے ان واقعات کو قرآن میں بیان کرنے کا یہ مقصد بھی ہوسکتا ہے کہ ان کی بشریت ثابت کردی جائے تاکہ ان کو اللہ کا "ند" یعنی مدمقابل ٹھہرانے کے لئے فوق البشر، عالم الغیب اور الوہی صفات سے متصف کرنے کے جو شیطانی حربے استعمال کئے جاتے ہیں ان کا سدباب ہوسکے۔ اللہ کا شکر ہے کہ قرآن میں جہاں دعوتی انداز میں توحید کے اہم گوشے واضح کئے گئے ہیں وہاں اس قسم کے واقعات میں بھی کچھ پہلوؤں کو نمایاں کردیا گیا ہے۔

بنی اسرائیل کی ایذارسانیاں

بنی اسرائیل قومی زوال وپستی کی انتہا کو پہنچ گئے تھے۔ ایمان کا اقرار کرنا اور بار بار عہد شکنی کرنا، بدعہدی و نافرمانی کی صفات ان کا طرہ امتیاز بن گئی تھیں، اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناشکری اور احکامات سے پیہم روگردانی کی روش اپنا کر اللہ کے قہر وغضب کو دعوت دیتے رہتے تھے۔ اس مضمون کے پچھلے صفحات میں جن واقعات کو بیان کیا گیا ہے ان میں گوسالہ پرستی اور بچھڑے سے عقیدت، من وسلویٰ جیسی نعمتوں کی ناشکری، تورات کا احکامات کی پیروی سے گریز، اللہ تعالیٰ کو آنکھوں سے دیکھے بغیر موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے سے انکار، ارض مقدس میں داخل ہونے سے قطعاً انکار، کو قرآن میں بیان کیا گیا ہے۔ سورہ صف اور احزاب میں تو خاص طور سے ان کی ایذارسانی کا تذکرہ ہے۔ سورہ صف میں فرمایا:

"اور جب موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم تم لوگ مجھے کیوں ستاتے ہو، حالانکہ تمہیں معلوم ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تمہاری طرف بھیجا گیا ہوں۔ پھر جب انہوں نے کج روی اختیار کی تو اللہ نے ان کے دلوں ہی کو ٹیڑھا کردیا (یعنی قبول حق کی صلاحیت سلب کرلی)۔ اللہ تعالیٰ نافرمان لوگوں کو ہدایت نہیں دیتا۔" [الصف:۵]

ان ظالموں نے سرکشی کی حدود سے تجاوز کرتے ہوئے اللہ کے رسول پر الزام تراشی اور ان کی شخصیت پر حملوں سے بھی گریز نہ کیا، جس کا احادیث میں تفصیلی ذکر ہے۔ سورۃ الاحزاب میں اس طرف یوں اشارہ ہے:

"اے ایمان والو تم ان لوگوں کی روش نہ اپناؤ جنہوں نے موسیٰ کو اذیت پہنچائی تو اللہ نے ان کو ان لوگوں کی باتوں سے بری ثابت کردیا، وہ تو اللہ کے نزدیک باعزت اور باوقار تھے۔" [الاحزاب:۶۹]

قرآن میں ایذارسانی کا تذکرہ تو کیا گیا ہے لیکن مذکورہ واقعات کے علاوہ کوئی اور واقعہ بیان نہیں کیا، جبکہ احادیث میں متعدد واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ ان میں سے ایک بخاری ومسلم میں ابوہریرہؓ سے مروی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی حیا وغیرت میں شدت کے حوالے سے ہے۔ اسی طرح بخاری ومسلم میں ایک واقعہ بیان کیا گیا ہے جس کا اس آیت کے شان نزول سے قریبی تعلق ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کہ نبی علیہ السلام کے پاس مدینہ میں کچھ مال آیا، آپؐ نے اس کو لوگوں میں تقسیم کردیا۔ انصار میں سے ایک شخص نے دوسرے سے کہا کہ "اللہ کی قسم اس تقسیم سے محمد نے اللہ کی رضا اور آخرت کا گھر نہیں چاہا ہے۔" عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ جب انہوں نے نبی ﷺ کو اس سے مطلع کیا تو آپ کا چہرہ سرخ ہوگیا اور آپ نے فرمایا: "اللہ کی رحمت ہو موسیٰ پر، ان کو اس سے بہت زیادہ اذیت دی گئی مگر انہوں نے صبر کیا۔"

یہاں طوالت سے بچتے ہوئے قرآن وحدیث میں بیان کئے گئے واقعات وحالات میں سے صرف چند پر ہی اکتفا کیا گیا ہے جو صورتحال کو واضح کرنے کے لئے کافی ہیں۔ یوں تو موسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے بعد پوری ہی زندگی مجاہدانہ کشمکش اور شدید آزمائشوں سے بھرپور ہے، لیکن بنی اسرائیل کی قوم جو بے حسی، خود غرضی اور دنیا پرستی میں اپنا جواب نہ رکھتی تھی، اس کی طرف سے ایذارسانیوں کے نہ ختم ہونے والے سلسلے نے صورتحال کو کس قدر ناقابل برداشت بنادیا ہوگا، اس کا اندازہ ان واقعات سے بخوبی ہوجاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہزاروں، لاکھوں رحمتیں ہوں اللہ کے اس بندے اور اولوالعزم رسول پر جس نے پورے عزم اور صبر کے ساتھ ان حالات کا مقابلہ کیا۔ مصر میں فرعون جیسے طاغوت سے نمٹنے کے بعد وہاں سے نکلے تو صحرائی زندگی میں بنی اسرائیل جیسی سرکش قوم کو دین کی دعوت، رشد وہدایت کی تلقین اور ان کی تربیت میں پوری طرح سرگرم رہے۔ تمام تر کوشش کے باوجود قوم تو ٹس سے مس

نہ ہوئی، سوائے چند صالح افراد کے۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام کے عزم و حوصلہ میں کمی نہ آئی۔ آپ کے بھائی ہارون علیہ السلام نے آپ کا تمام مراحل میں بھرپور ساتھ دیا، یہاں تک کہ ان کی وفات ہوگئی۔

وفات موسیٰ علیہ السلام

ہارون علیہ السلام کی وفات کا قرآن و حدیث میں ذکر نہیں ملتا، مفسرین نے تورات کے حوالے ہی سے تفصیلات بیان کی ہیں۔ موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ احادیث میں موجود ہے۔ بخاری و مسلم میں ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو فرشتہ اجل (انسانی شکل میں) آپ کے پاس آیا اور کہا کہ آپ مرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ موسیٰ علیہ السلام نے طیش میں آکر اس کے طمانچہ رسید کر دیا، اس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو آپ کے پاس بھیجا اور یہ پیغام دیا:

"کسی بیل کی کمر پر اپنا ہاتھ رکھ دو، جتنے بال تمہاری مٹھی میں آجائیں گے ہم ہر بال کے عوض تمہاری زندگی میں ایک ایک سال کا اضافہ کر دیں گے۔"

لیکن اب موسیٰ کو یہ احساس ہو گیا کہ اس کے بعد بھی موت تو بہر حال برحق ہے تو پھر تاخیر سے کیا فائدہ؟ تو آپ نے اپنے رب کے فیصلے کو پوری خوشدلی سے قبول کر لیا۔ آخری وقت میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ انہیں ارض مقدس سے اتنا قریب کر دے کہ اگر کوئی پتھر پھینکنے والا پتھر پھینکے تو وہ وہاں پہنچ جائے۔ ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر میں اس جگہ ہوتا تو تم کو موسیٰؑ کی قبر کا نشان دکھاتا کہ وہ کثیب احمر (سرخ ٹیلے) کے قریب اس جگہ دفن ہیں۔

موسیٰ علیہ السلام کو سرخ ٹیلے کے پاس دفن کیا گیا تھا، اور بخاری کی روایت کے مطابق نبی ﷺ نے معراج کے موقعہ پر ان کو دیکھا: "وہ گٹھے ہوئے بدن کے تھے، بال گھنگریالے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ قبیلہ شنوءۃ کے فرد ہوں۔" (بخاری، کتاب الانبیاء، باب قول اللہ تعالیٰ وھل اتاک حدیث موسیٰ)۔ نبی ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کو چھٹے آسمان پر دیکھا اور ان سے صلوٰۃ کے معاملے پر گفتگو ہوئی۔ یہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انبیاء علیہم السلام جنت الفردوس میں حیات ہیں، دنیاوی قبور میں نہیں۔

ان صفحات میں موسیٰ علیہ السلام کی حیات طیبہ کا مختصر خاکہ پیش کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی بنی اسرائیل کی عبرت انگیز تاریخ کے ایک اہم باب پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی داستان حیات دراصل حق و باطل کی طویل کشمکش کی ایک دلچسپ اور مؤثر روداد ہے، اللہ کے دین اور اس کے دعوتی مشن کے لئے اپنی زندگی کو پوری طرح وقف کر دینے والے عظیم مجاہد کی داستان، جو قوت و ہمت، عزم صمیم اور صبر و استقامت کی اعلیٰ صفات کے ساتھ محض اپنے رب پر توکل سے مسلح ہو کر بڑی قوت و جبروت والے طاغوت سے ٹکر لیتا ہے۔ فرعون جب بھرے دربار میں موسیٰ علیہ السلام سے بارعب انداز میں کہتا ہے:

"اے موسیٰ! میں تو تجھے سحر زدہ ہی سمجھتا ہوں۔" [بنی اسرائیل: ۱۰۱]

تو کسی بھی قسم کے خوف یا مرعوبیت کے بغیر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے مدلل و بے جھجک جواب دیا جاتا ہے:

"تو خوب جانتا ہے کہ ان (آیات) کو آسمان و زمین کے رب ہی نے بصیرت و عبرت بنا کر نازل فرمایا ہے، اور اے فرعون! میں تو تجھے ہلاکت زدہ ہی خیال کرتا ہوں۔" [بنی اسرائیل: ۱۰۲]

حقیقت تو یہ ہے کہ جب اللہ کا بندہ اپنے رب پر توکل اور اس کی تائید و نصرت پر بھرپور یقین رکھنے والا ہو تو پھر اس کے دل میں اللہ کے علاوہ کسی اور کا خوف اور رعب جگہ نہیں پا سکتا۔ اور پھر تائید غیبی سے حالات کو اس کے موافق بنا دیا جاتا ہے، راہ کی رکاوٹوں کو دور کر دیا جاتا ہے اور پائے ثبات کو قوت عطا کر دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے:

إِن تَنصُرُوا اللَّهَ يَنصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ أَقْدَامَكُمْ (محمد: ۷)

"اگر تم اللہ (کے دین) کی نصرت کرو گے تو اللہ تمہاری نصرت فرمائے گا اور تمہارے قدم جما دے گا۔"

جب فرعون موسیٰ علیہ السلام کو بھرے دربار میں قتل کی دھمکی دیتا ہے تو موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہر متکبر اور جابر سے اللہ ہی کی پناہ میں آجانے کا اعلان ہوتا ہے اور پھر قوم فرعون ہی سے ایک مرد مومن حق کی حمایت کے لئے اٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور اس متکبر کو جو نشہ اقتدار میں سرمست ہے اسی دربار میں للکارتا ہے اور آخرت کی بدانجامی سے ڈراتا ہے۔ اس طرح موسیٰ علیہ السلام اس طاغوت کے مقابلے میں فکری و نظری کامیابی حاصل کر کے اللہ کے حکم سے بنی اسرائیل کو لے کر مصر سے نکل جاتے ہیں اور فرعون اپنے لاؤ لشکر کے باوجود ان کا راستہ روکنے میں ناکام و نامراد ہوتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ عملی جامہ پہن لیتے ہیں اور فرعون اپنی قوم کے ساتھ "ہلاکت زدہ" ہو کر رہ جاتا ہے۔

پھر تصویر کا دوسرا رخ سامنے آتا ہے۔ اس بے آب و گیاہ صحرا میں ان مہمانوں کے لئے کھانے اور پینے کا انتظام معجزانہ طور پر کر دیا جاتا ہے۔ لیکن سخت دل لوگ شکر گذاری کے بجائے سرکشی و نافرمانی کی روش پر جمے رہتے ہیں۔ معجزے دیکھنے کے باوجود رب کو آنکھوں سے دیکھنے پر اصرار کرتے ہیں تو ایک زوردار صاعقہ ان کو ہلاک کر دیتا ہے۔ لیکن پھر ان کو زندہ کر کے دوبارہ موقعہ دیا جاتا ہے۔ اس سے 'بعث بعد الموت یا خلق جدید' کا صریح ثبوت ملتا ہے۔ پھر مسلسل نافرمانی کی روش پر اڑے رہنے والے ناشکرے اور بے حس بنی اسرائیل کے سروں پر کوہ طور کو معلق کر کے ان سے عہد و میثاق لیا جاتا ہے۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ یہ جبر و اکراہ کا معاملہ ہے۔ یہ معجزے محض اس لئے دکھائے گئے کہ پستی و زوال کی شکار اس مردہ دل قوم کے اندر فطری احساس اور غور و فکر کی صلاحیتوں کو ابھارا جائے۔ الغرض، کتنی ہی انہونی باتوں اور معجزات پر معجزات کو بنی اسرائیل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے لیکن پھر بھی اس قوم نے سوائے چند صالح افراد کے اس سب کا کوئی اثر قبول نہیں کیا۔ بنی اسرائیل کی پوری تاریخ ایسے ہی واقعات سے بھری ہوئی ہے جس کا خلاصہ قرآن میں بڑے ہی

جامع و دلنشین انداز میں پیش کر دیا گیا ہے۔ بالآخر ان کیلئے اللہ تعالیٰ کا فیصلہ صادر ہوتا ہے:

"اور جب تمہارے رب نے اعلان کر دیا کہ (اگر بنی اسرائیل باز نہ آئے تو) وہ قیامت تک ان پر ایسے لوگوں کو مسلط کرتا رہے گا جو ان کو بدترین عذاب سے دوچار کرتے رہیں۔" (الاعراف ۱۶۷)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ ظالم نہیں ہے، یہ قوم اسی کی سزاوار ہے۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ کیا اللہ تعالیٰ کا یہ فیصلہ بنی اسرائیل تک ہی محدود ہے؟ نہیں، بلکہ جو قوم بھی اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کی ناقدری و ناشکری کے ساتھ نافرمانی کی روش اختیار کرے گی، اس پر اللہ کا فیصلہ اسی طرح نافذ ہو کر رہے گا جیسا کہ بیان کر دیا گیا:

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ (ابراہیم:۷)

"اور جب تمہارے رب نے خبردار کر دیا تھا کہ اگر تم شکر گزاری کی روش اختیار کرو گے تو میں تمہیں اور زیادہ نوازوں گا اور اگر ناشکری کرو گے تو یقیناً میرا عذاب بھی بہت شدید ہے۔"

البتہ جو لوگ کتاب اللہ کی ہدایات پر عمل پیرا رہیں گے تو اللہ تعالیٰ ایسے مصلحین کے اجر کو ضائع نہ کرے گا (الاعراف ۱۷۰)۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں ایسے ہی لوگوں کے راستے پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بقیہ: مالکم لا ترجون للہ وقارا

"اصل بات یہ ہے کہ عذاب قبر کا تعلق دنیوی زندگی سے نہیں بلکہ اخروی زندگی سے ہے۔ اور میت کے جلائے عذاب ہونے کے باوجود بھی یہ تمام کاروائی ہماری نگاہ سے پوشیدہ رہتی ہے۔ کیونکہ قبری زندگی اور دنیاوی زندگی کے درمیان برزخ حائل ہوتی ہے۔" (الدین الخالص، دوسری قسط، صفحہ ۲۱۳)

موصوف نے اس بات کو اپنی کتابوں میں مختلف الفاظ سے بار بار دہرایا ہے۔ ایک طرف موصوف کا دعویٰ یہ ہے کہ اسی قبر میں یہی مردہ زندہ ہو جاتا ہے، سنتا ہے، دیکھتا ہے، سمجھتا ہے، احساس و شعور رکھتا ہے مگر یہ سارا معاملہ غیب کا ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے۔ ہمارے اور اس کے درمیان برزخ حائل ہے۔ دوسری طرف یہی موصوف عمرو بن العاصؓ سے غلط طور سے منسوب ان الفاظ کی صحت پر مصر ہیں جس میں ہے کہ انہوں نے وصیت کی کہ دفن کے بعد میری قبر پر اتنی دیر ٹھہرنا کہ جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کر کے آنے والے فرشتوں کے صحیح جواب دے سکوں۔ جب قبر کا معاملہ غیب میں سے ہے، اس کا تعلق آخرت سے ہے، مرنے والے اور زندوں کے درمیان برزخ حائل ہے، تو پھر مردے کا دفن کرنے والوں سے انس حاصل کرنا چہ معنی دارد؟ کیا غیب غیب نہ رہا؟ کیا برزخ کا پردہ اٹھ گیا؟ سچ تو یہ ہے کہ پیشہ ور مولوی کیلئے سب کچھ ہی جائز ہے، سیاہ کو سفید ثابت کرنا اور مطلب براری کے بعد پھر اس کو سیاہ بنا دینا!

درج بالا سطور سے یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ اپنی پسندیدہ شخصیات اور ان کے باطل عقائد کا دفاع کرتے ہوئے یہ پیشہ ور ماہرین کس طرح مکمل حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اصحاب رسولؐ پر اتہام طرازی سے بھی باز نہیں رہتے۔ حالانکہ وہ تو صحیح معنوں میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے پیکر تھے جن کو کتاب اللہ نے فلاح یاب اور انعام یافتہ ہونے کی بشارت سے نوازا۔ ستم بالائے ستم یہ کہ اپنے بے سروپا باطل موقف کی تائید میں حقائق کو جھٹلانے کے لئے پرفریب انداز میں اپنی فنی مہارت کو بروئے کار لا کر لوگوں کی آنکھوں میں دھول جھونکنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کو بھی شخصیت پرستی کے جال میں پھنسا کر گمراہ کر دیں۔ صراط مستقیم سے مرتد ہونے والے ان شیطانی کوششوں میں کچھ زیادہ ہی سرگرم و مستعد نظر آتے ہیں، وہ حق کو باطل اور باطل کو حق ثابت کرنے میں ایڑی چوٹی کا زور لگا دیتے ہیں۔ شیطان نے ان کے اعمال کو مزین کر دیا ہے اور یہ آخرت کی جواب دہی سے قطعاً بے پرواہ ہو چکے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین

بقیہ: خدیجۃ الکبریٰ

اس طرح احادیث میں خدیجہ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ کیسی خوش نصیب تھیں یہ خاتون جن کو دنیا ہی میں جنت کی خوشخبری مل رہی ہے۔ نہ صرف اس وجہ سے کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی زوجہ ہیں، بلکہ اس لئے کہ وہ سب سے پہلے آپؐ پر ایمان لائیں۔ آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی، ہر طرح سے آپؐ کا ساتھ دیا اور کار نبوت کے جانگسل مراحل میں آپؐ کے لئے تقویت اور تسلی کا باعث بنی رہیں۔ چنانچہ اسی وجہ سے نہ صرف یہ کہ وہ اللہ کے رسول ﷺ کی محبوب ٹھہریں بلکہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی ان کا رتبہ نہایت ارفع اور اللہ کے محبوب و صالح بندوں میں ان کا نمایاں مقام ہو گیا۔ ان کی زندگی اور طرز عمل میں ہر دور کی اہل ایمان خواتین کے لئے ایک آئیڈیل نمونہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہمیں راہ حق میں استقامت عطا فرما کر اپنے صالح بندوں میں شامل کرے اور صحابہ کرامؓ اور امہات المومنین کے نمونے پر اپنی سیرت و اخلاق استوار کرنے کی توفیق سے نوازے۔ آمین

بقیہ: سوال و جواب

چیف جسٹس نے اپنی کتاب فلاح دارین میں لکھا کہ "غوث پاک" کی پیدائش کے وقت ان کی والدہ دردِ زہ میں مبتلا ہوئی لیکن ان کی پیدائش نہیں ہوئی۔ والد پریشان ہو گئے۔ ایک بزرگ کے پاس پہنچے کہ بیوی تکلیف میں مبتلا ہے، یہ معاملہ ہے۔ انہوں نے مراقبہ کیا اور بتایا کہ اس طرح ولادت نہیں ہو سکتی، وہ سردار اولیاء ہیں، اس طرح پیدا ہونا نہیں چاہتے۔ انہوں نے کہا حضرت کچھ تو کیجئے۔ انہوں نے کہا اچھا یہ میرا صافہ لے جاؤ۔ اپنے سیاہ رنگ کے صافے سے ایک بالشت کا ٹکڑا کاٹ کر دیا اور کہا کہ اپنی بیوی سے کہو کہ اسے کھا لے۔ پھر وہ کالا لنگوٹ پہن کر باہر آئے!

مَالَكُمْ لَا تَرْجُوْنَ لِلّٰهِ وَقَارًا

تحقیق و نظر: انیس الدین

کیسا ناشکرا ہے یہ انسان کہ اپنے خالق اور حقیقی رب کو چھوڑ کر دوسروں کی عبادت و بندگی، پوجا و پرستش میں لگا، کبھی سورج کو پوجا تو کبھی چاند ستاروں کو، کبھی شجر و حجر کو سجدہ کیا تو کبھی گائے کے بچھڑے کو رب مانا اور کبھی اپنے ہی جیسے انسانوں کو اپنا معبود قرار دے لیا! اُن کی قبریں اور یادگاریں بنا کر ان سے وابستہ ہوا اور ان کی خدائی کا دم بھرنے لگا!

اللہ کا صد ہزار شکر کہ اس نے اپنے انبیاءؑ کو مبعوث فرما کر انسان کی رشد و ہدایت کا سامان بہم پہنچایا۔ اپنے اپنے ادوار میں تمام ہی انبیاء علیہم السلام نے اپنی قوموں کو کفر و شرک کے گھٹا ٹوپ اندھیروں سے نکالنے کی پیہم کوششیں کیں۔ اللہ کے بندوں کا اللہ سے تعلق قائم کیا مگر اس کے ساتھ ساتھ شیطان لعین کی کوششیں بھی جاری رہیں۔ اس نے ملی ہوئی چھوٹ سے پورا پورا فائدہ اٹھایا۔ اس طرح حق و باطل کی کشمکش جاری رہی۔ یہاں تک کہ اللہ کے آخری رسول ﷺ کا مبارک دور آ گیا۔ حق و باطل کی معرکہ آرائی اور طویل و جاں گسل کشمکش میں مٹھی بھر ایمان والوں کی ثابت قدمی آخر کار رنگ لائی۔ شرک کے شجر خبیثہ کی جڑ کاٹ دی گئی اور باطل کے دخول کے تمام ہی چور دروازوں کو بند کر دیا گیا۔ مردہ پرستی جو انسان کو سب سے زیادہ مرغوب رہی ہے، اس کا سدّ باب کرنے پر خصوصی توجہ دی گئی۔ اللہ کے ساتھ اللہ کے بندوں کو شریک اور ساجھی ٹھہرانے والوں پر واضح کر دیا گیا کہ جن کو تم اللہ کے ساتھ شریک ٹھہراتے ہو ان کی حقیقت و حیثیت یہ ہے کہ اللہ نے مٹی کے خلاصے سے تخلیق فرمایا ہے، پھر اسے محفوظ جگہ میں نطفہ بنا کر رکھا اور اس نطفے کو مختلف مراحل و مدارج سے گذار کر جیتا جاگتا انسان بنایا۔ تم ان انسانوں کو اللہ کا شریک اور ساجھی ٹھہراتے ہو اور آں حالیکہ یہ تو کسی بھی چیز کے خالق نہیں بلکہ خود مخلوق ہیں؛ خود سے پیدا نہیں ہوئے، اللہ کے پیدا کئے پیدا ہوئے۔ پیدائش کے بعد فوراً ہی یہ کسی قابل نہیں ہو گئے تھے بلکہ دوسروں کی نگہداشت کے محتاج رہے۔ ایک عرصہ گذرنے کے بعد یہ اس قابل ہوئے کہ اللہ کے دئے ہوئے ہاتھ پاؤں سے اپنا کوئی کام خود کر سکیں۔ پھر اپنا وقت پورا کرنے کے بعد جب موت نے ان کو آ لیا تو اپنی اجل کو ایک لمحے کے لئے بھی نہ ٹال سکے۔ مرتے بھی تو کھلی آنکھیں دوسروں نے بند کیں۔ غسل بھی دوسروں نے دیا، خود نہ کر سکے۔ خود سے کپڑے زیب تن کرنے والے کو دوسروں نے کفنایا۔ زندگی میں تو کسی نے ان کی چارپائی کو کاندھے دے کر نہ اٹھایا تھا بلکہ جہاں کہیں گئے اپنے پیروں پر چل کر گئے۔ مگر اب تو دوسروں کے محتاج ہو کر آخری آرام گاہ تک پہنچے۔ اپنوں اور غیروں نے مل کر قبر میں لٹایا اور اس کو بند کر کے اس پر منوں مٹی ڈال دی گئی۔ لوگوں نے دیکھ لیا کہ مرنے والے میں نہ احساس تھا نہ شعور، جان تھی نہ حیات کا کوئی شائبہ، وہ تو "اموات غیر احیاء" کی مکمل تصویر بنا ہوا تھا۔ قیامت تک اس کی یہی کیفیت رہتی ہے۔ وما یشعرون ایان یبعثون "انہیں یہ بھی خبر نہیں کہ کب اٹھائے جائیں گے" (النحل: ۲۱) دفن کے بعد گل سڑ جانا اور مٹی ہو جانا ہے۔ ان بدیہی حقائق کے باوجود اس امت کا مردہ پرستی یا قبر پرستی میں ملوث ہو جانا یقیناً حیران کن ہے۔ حیرت ہے کہ قرآن کے اصول و کلیات، حدیث کی توضیح و تشریح کے برخلاف اور حقیقت ثابتہ کے برعکس یہ سمجھا جانے لگا کہ مردہ دفن ہونے کے بعد فوراً ہی زندہ ہو جاتا ہے اور زندہ بھی ایسا کہ منوں مٹی کے نیچے بے آب و ہوا ہونے کے باوجود سب کچھ جانتا ہے، دیکھتا ہے اور سنتا ہے؛ خوش ہوتا ہے اور غمزدہ بھی ہوتا ہے اگر بوالعجبی یہ ہے کہ جو زندہ ہے وہ مردے کے حالات سے قطعاً بے خبر ہوتا ہے! قبر پر آ کر سلام کرنے والے کا سلام تو قبر والا سن لے مگر قبر کے باہر کھڑا ہوا زندہ انسان اس کے جواب کو نہ سن سکے! گویا زندہ مردہ ہو گیا اور مردہ زندہ! کیسی باطل اور گمراہ کن عقیدہ ہے جس کی وجہ سے آج گلی گلی، قریہ قریہ مزار اور مجاور موجود ہیں، جہاں مُردوں اور قبروں کی پوجا پاٹ اور پرستش ہو رہی ہے، مسجدیں خالی خالی ہیں اور مزارات پر خلائق کا ہجوم ہے۔

دراصل مردوں کے زندہ ہو جانے، سننے سنانے اور جاننے کے عقیدے ہی نے قبر پرستی کا دروازہ دکھلا ہے۔ اسلام نے تو اس کو قطعی بند کر دیا تھا۔ آخر یہ کس نے اور کب کھولا؟ کس نے اس امت کو پھر سے مردہ پرستی کی ہولناک بیماری میں مبتلا کیا؟ حد تو یہ ہے کہ حیات و سماع فی القبر کے گمراہ کن نظریات کو شرعی حیثیت دے کر عقیدے کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ اب یہی عقیدہ، عقیدۂ اسلام بن گیا۔ اس کو دین سمجھا جانے لگا۔ العیاذ باللہ! قبر پرستی اور بت پرستی ہر دور میں رہی ہے۔ اسلام میں اس کو

شجر ممنوعہ قرار دیا گیا تو اس زہر پر تریاق کا لیبل لگا کر اس کو پھر سے پیش کر دیا گیا۔ اس امت میں حیات فی القبر کے عقیدے کو سب سے پہلے مسئلہ "خلق قرآن" کے ہیرو احمد بن حنبل نے اسلامی عقیدے کے طور پر پیش کیا اور اس پر ایمان لانا ضروری قرار دیا۔ اس کے بعد سے اس کو دین اور اسلام کے نام پر پیچھے سے لگایا گیا۔ امام احمد بن حنبل کے بعد ان کے متبعین نے اس میں چار چاند لگائے خصوصاً ابن تیمیہ اور ابن قیم نے اس عقیدے کو خوب خوب ترقی دی اور اس کی حمایت میں حد سے گذر گئے۔ ان کے علاوہ اور بھی بھاری بھرکم نام ہیں جو علم کے مینار سمجھے جاتے ہیں۔ جنھوں نے ان عقائد کی والہانہ خدمت کی ہے اور یہ سلسلہ صدیوں سے چلا آرہا ہے۔

عصر حاضر میں مسلک اہلحدیث کے نام سے معروف فرقہ جو اپنے آپ کو قرآن وحدیث کا حقیقی اور سچا متبع گردانتا ہے، ان کا زبردست وکیل ہے۔ انہوں نے ان عقائد کے دفاع میں پورا زور صرف کیا ہے۔ موجودہ دور کے تقاضوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کے دلائل بہم پہنچائے یعنی ان گمراہ کن عقائد کی انہوں نے خوب خدمت کی ہے۔ بریلوی، دیوبندی وغیرہ کو مورد الزام ٹھہرایا جاتا ہے کہ یہ قبر پرست اور مردہ پرست ہیں۔ وہ تو ہیں ہی جو کچھ ہیں، لیکن اس قبر پرستی اور مردہ پرستی میں ہاتھ دراصل انہی اہلحدیثوں کا ہے۔ گمراہوں کی گمراہی کو جواز انہوں نے ہی فراہم کیا ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ ان کا کوئی قصور نہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ قبر پرستی ومردہ پرستی کے نظریے کے اصل "محافظ" یہی اہلحدیث ہیں جنھوں نے اس کی اصل بنیاد "حیات وسماع فی القبر" کی وکالت کی انتہا کر دی ہے۔ تقریر وتحریر میں بڑی شد ومد سے اس کی تائید کرتے ہیں، مضامین لکھتے ہیں، کتابیں تالیف کی جاتی ہیں، جن میں زیادہ تر من گھڑت وبے سروپا روایات ہی ہوتی ہیں یا پھر کسی صحیح حدیث کی غلط تاویل کر کے اپنا مطلب نکال لیا جاتا ہے۔ اور اپنے موقف کی تائید کے لئے ان عقائد کی نسبت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف بھی کرتے ہیں۔ صحابیٔ رسول عمرو بن العاص کا نام خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ حاشا وکلا صحابہ کرامؓ کی طرف ان عقائد کی نسبت کرنا ان پر بہتان طرازی سے کم نہیں۔ صحابہ کرامؓ سے اس کے اثبات میں ایک لفظ بھی ثابت نہیں ہے۔ غیر ثابت اور غیر صحیح روایات محل نظر ہیں۔ ان کا عقیدہ ان صاحبان کی یاوہ گوئی کے قطعاً برعکس اور قرآن وسنت کے عین مطابق تھا۔ اور ایسا کیوں نہ ہوتا، قرآن ان کے سامنے نازل ہوا اور اس کی توضیح وتفسیر بھی کر دی گئی۔ اور اللہ کے نبی ﷺ کا اسوہ اس کی عملی تفسیر کی صورت میں موجود تھا۔ پھر بھلا وہ کس طرح اس کے خلاف عقیدہ بناتے! جنگ بدر کے بعد کفار کی لاشوں کو ایک گڑھے میں ڈلوا دیا گیا تھا۔ اللہ کے نبی ﷺ تیسرے روز صحابہ کرامؓ کی معیت میں وہاں گئے اور نام بنام ان مقتولین کو مخاطب کیا اور فرمایا:

أَنَّا وَجَدْنَا مَا وَعَدَنَا رَبُّنَا حَقًّا ۔ فَهَلْ وَجَدْتُمْ مَا وَعَدَ رَبُّكُمْ

"بے شک ہم نے اس چیز کو حق پایا جس کا ہمارے رب نے ہم سے وعدہ کیا تھا۔ کیا تم نے بھی اس چیز کو پا لیا جس کا تمہارے رب نے تم سے وعدہ کیا تھا۔"

خلیفہ ثانی عمر رضی اللہ عنہ نے اس موقع پر فرمایا:

یا رسول اللہ ما تکلم اجسادا لا ارواح لہا

"اے اللہ کے رسول! ان جسموں سے کب کلام کیا جاتا ہے جن میں ارواح نہیں ہیں!"

یہ تھا صحابہ کرامؓ کے سرخیل عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر کا عقیدہ۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب اس واقعے کا ذکر کیا گیا تو انھوں نے بھی مُردوں کے سننے کا صاف انکار کیا اور کہا کہ نبی علیہ السلام کی مراد یہ تھی:

انهم الآن ليعلمون ان ما كنت اقول لهم حق ثم قرأت
اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى — وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ

یعنی نبی علیہ السلام کا کہنا یہ تھا کہ اب ان کو اس بات کا پورا علم ہو گیا کہ میں جو ان سے کہا کرتا تھا (یعنی مشرکوں اور کافروں کے لئے آگ ہے) وہ حق تھا۔ پھر عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن کی دو آیتیں مُردوں کے نہ سننے کے بارے میں تلاوت فرمائیں جن کا مطلب یہ ہے:

"اے نبیؐ تم مردوں کو نہیں سنا سکتے۔" (النمل ۸۰)
"اے نبیؐ تم قبر والوں کو نہیں سنا سکتے۔" (فاطر ۲۲)

صحابہ کرامؓ جو ایمان ہی کی بنیاد پر ایک ہوئے تھے، وہ عقیدے میں کس طرح مختلف ہو سکتے تھے جبکہ عقیدے دو نہیں ہو سکتے۔ اس صورتحال میں صحابہ کرامؓ کی طرف حیات وسماع فی القبر کے عقائد کی نسبت قطعاً غلط اور بے بنیاد بلکہ سراسر اتہام ہے۔ ان میں اس مسئلہ پر کوئی اختلاف نہ تھا۔ چونکہ صحابیٔ رسول عمرو بن العاص کا نام اس سلسلے میں خاص طور پر پیش کیا جاتا ہے، اس لئے اس پر الگ سے تبصرہ کرنا زیادہ مناسب ہے۔ آئندہ سطور میں ان شاء اللہ "الدین الخالص" نامی کتاب میں پیش کئے گئے اس سلسلے کے دلائل کا تجزیہ پیش کیا جائے گا۔ اس کتاب کا انتخاب اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ کتاب کسی ایک فکر کا نتیجہ نہیں بلکہ حیات فی القبر کے متعدد قائلین کی کتابوں کے مواد کو ہی اس میں جمع کر کے پیش کر دیا گیا ہے۔ "الدین الخالص" کے مصنف حیات وسماع فی القبر کے باطل عقائد کے بڑے ہی متشدد وکیل ہیں۔ اور حقیقتاً "الدین الخالص" کے نام سے یہ کتاب ان عقائد کی حمایت اور تائید ہی کا شاخسانہ ہے۔ مصنف موصوف آج کل اہلحدیث ہونے کا دم بھر رہے ہیں ورنہ فی الحقیقت وہ ہیں کسی کے بھی نہیں۔ ان کی ہر کتاب ایک نئی قلابازی کی نشاندہی کرتی ہے۔ موصوف کی کتابیں زیادہ تر ذاتی بغض وعناد سے پُر ہوتی ہیں۔ "الدین الخالص" تو ڈاکٹر عثمانی مرحوم سے ذاتی عناد کا پلندہ ہی ہے۔ اس کتاب میں موصوف عقائد باطلہ کی حمایت میں حد سے گذر گئے اور ڈاکٹر عثمانی کی مخالفت میں آپے سے باہر ہو گئے۔ ان کی "الدین الخالص" کتاب کیا ہے، ایک عجوبہ ہے جسے ترتیب دیتے ہوئے کمال ہوشیاری کا مظاہرہ بڑے ہی بھونڈے مگر عیارانہ انداز میں کیا گیا ہے۔ کتاب پر مکمل تبصرہ تو یہاں مقصود نہیں۔ سردست تو عمرو بن العاصؓ والی روایت پر گفتگو ہی تک بات کو محدود رکھا جائے گا۔

عمرو بن العاصؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ مردے کے دفن کے بعد روح لوٹائے جانے اور اس کے زندہ ہو جانے کے قائل تھے۔ حوالے کے طور پر صحیح مسلم اور مسند احمد؎ کی روایت پیش کرتے ہیں جس میں ہے کہ جب ان کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو وصیت کی جس کے آخری الفاظ یہ ہیں:

...... فاذا دفنتمونی فسُنّوا علی التراب سنا ثم اقیموا حول قبری قدر ما تنحر جزور و یقسم لحمها حتی استانس بکم وانظر ماذا اراجعُ به رسل ربی

(مسلم، کتاب الایمان، باب کون الاسلام یھدم ماقبلہ)

"...... مجھے دفن کرنے کے بعد مجھ پر مٹی ڈالنا اور میری قبر پر اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں ایک اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ تاکہ میں تم سے انس حاصل کر کے جان لوں کہ اللہ کی طرف سے آنے والے فرشتوں کو کیا جواب دوں۔"

ان الفاظ کے متعلق الدین الخالص کے مصنف لکھتے ہیں کہ

"حضرت عمرو بن العاصؓ کی حدیث ارضی قبر میں سوال و جواب کیلئے بہت ہی واضح ہے۔" (الدین الخالص قسط اول ص۔۸۶)

"اس حدیث کا آخری حصہ ارضی قبر میں سوال و جواب پر نص قطعی ہے۔"

(ایضاً ص۔۸۸)

مسلم اور احمد کے حوالے سے پیش کی گئی یہ روایت سرے سے قابل اعتبار ہی نہیں ہے۔ اس کی متعدد وجوہات ہیں جن کا ذکر آئندہ سطور میں کیا جائے گا۔

۱۔ مسلم میں اس روایت کی سند اس طرح ہے:

ابوعاصم الضحاك قال اخبرنا حیوۃ بن شریح قال حدثنی یزید بن ابی حبیب عن ابن شماسۃ المھری ....

اس روایت کے راوی ابو عاصم الضحاک بن مخلد النبیل کے متعلق ڈاکٹر عثمانی کی تحقیق ملاحظہ ہو:

"سند کے لحاظ سے اس روایت میں ابوعاصم (النبیل) ضحاک بن مخلد ہے جس کو عقیلی اپنی کتاب الضعفاء میں لائے ہیں اور ابو العباس نباتی نے یحیٰی بن سعید القطان کا قول پیش کر کے یہی دعویٰ کیا ہے کہ وہ ضعیف ہے (الضعفاء عقیلی: ورق ۱۰۱، میزان الاعتدال، الجزء الثانی، ۳۲۵)۔" (عذاب برزخ ص ۳۰)

الدین الخالص کے مصنف اس کی تردید کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"جس راوی پر انہوں نے خواہ مخواہ جرح کی ہے وہ ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد ہیں اور یہ اعلیٰ درجہ کے ثقہ راویوں میں شمار ہوتے ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانی اپنی مختصر اور بے نظیر کتاب تقریب التہذیب میں ابو عاصم النبیل کے متعلق فرماتے ہیں کہ ابو عاصم النبیل البصری ثقۃ و ثبت (مضبوط اور پکے) ہیں۔ (ص۔۱۵۵)"

(الدین الخالص قسط اول ص۔۱۰۵)

مصنف موصوف نے ڈاکٹر عثمانی مرحوم کو مورد الزام ٹھہرایا ہے کہ انہوں نے اس راوی پر خواہ مخواہ جرح کی ہے حالانکہ انہوں نے اس پر خود جرح نہیں کی ہے بلکہ دوسروں کا حوالہ ہی پیش کیا ہے۔ البتہ موصوف کے ممدوح "محدثین کے استاذ" علوم اسماء الرجال کے ماہر (الدین الخالص، دوسری قسط ص۔۲۰۶)، امام احمد بن حنبل نے ضرور ابو عاصم النبیل پر جرح و قدح کی ہے:

سمعت احمد قیل له: روح احب الیك او ابو عاصم؟ قال: کان روح یخرج الکتاب، و ابوعاصم یشبج الحدیث۔

(سوالات ابی داؤد سلیمان بن الاشعث للامام احمد بن حنبل ۲۳۳ھ، صفحہ ۳۲۲، محقق دکتور زیاد محمد منصور، جامعہ امام محمد بن مسعود)

"ابوداؤد کہتے ہیں کہ میں نے احمد کو کہتے ہوئے سنا، ان سے کہا گیا: آپ روح کو زیادہ پسند کرتے ہیں یا ابو عاصم کو۔ انہوں نے کہا کہ روح کتاب سے روایت بیان کرتا ہے اور ابو عاصم یشبج الحدیث ہے۔"

امام احمد نے ابو عاصم کو یشبج الحدیث قرار دیا ہے، اور یشبج الحدیث کیا ہوتا ہے، اسے سمجھنے کے لئے الشبج اور التشبیج کے معنی جاننا ضروری ہیں۔ اوپر پیش کی گئی عبارت کے حاشیے پر اس کی وضاحت موجود ہے، وہاں سے ملاحظہ ہو:

یقال: شبج الکلام شبجا: اذا عماہ ولم یبینه، او لم یات به علی وجهه الصحیح۔ والشبج: اضطراب الکلام و تفننه۔ التقلب فیه، و عدم الثبات۔ والتشبیج: التخلیط۔

(انظر کتاب العین ۱۰۰/۶ و تہذیب اللغۃ ۲۵/۱۱ و لسان العرب ۲۲۰/۲، مادہ شبج) ایضاً ص۔۲۲

معلوم ہوا کہ الشبج کلام کے اضطراب، گھما پھرا کر بات کرنا، اس کو الٹ پلٹ دینا اور کسی بات پر قائم نہ رہنا ہوتا ہے۔ اور التشبیج کا مطلب خلط ملط کر دینا ہے۔

ابو عاصم کے یشبج الحدیث ہونے کی وجہ غالباً یہ ہے کہ وہ کتاب سے حدیث بیان نہیں کیا کرتے تھے:

قال ابن خراش: لم یُرَ فی یده کتاب قط

(تہذیب التہذیب، جلد ۳ ص ۳۹۹/تہذیب الکمال جلد ۱۳، ص ۲۸۹/سیر اعلام النبلاء جلد ۹، ص ۴۸۲، وغیرہ)

"ابن خراش کہتے ہیں کہ اس (ابو عاصم) کے ہاتھ میں کبھی کتاب نہ دیکھی گئی۔"

امام احمد نے ابو عاصم ضحاک بن مخلد کے "النبیل" ہونے پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

وقال عبدالله: حدثنی ابی۔ قال: حدثنا ابوعاصم، قال: اخبرنا ابوعوانة، عن الحکم، عن ابراهیم، عن الاسود، ان عمر قال: من ملك ذارحم، او ذا محرم، فهو حر۔ قال ابی: قلت لابی عاصم: الشك منکم او منه؟ قال: لاادری۔ (العلل و معرفة الرجال امام احمد: ۹۳۷)

"عبداللہ نے کہا کہ مجھ سے میرے باپ (احمد بن حنبل) نے حدیث بیان کی، انہوں نے کہا، ہم کو حدیث بیان کی ابو عاصم نے، انہوں نے کہا ہم کو خبر دی ابو عوانہ نے، انہوں نے الحکم سے، انہوں نے ابراہیم سے اور انہوں نے الاسود سے کہ عمرؓ نے کہا: جو قرابت دار کا مالک بنا یا جو محرم کا مالک بنا تو وہ آزاد ہے۔ میرے باپ (احمد بن حنبل) نے کہا کہ میں نے ابو عاصم سے پوچھا کہ یہ شک (ذارحم او ذامحرم) تمہاری طرف

؎ مسند احمد کی روایت کی سند میں ایک راوی ابن لھیعہ ہے۔ یہ موصوف مشہور و معروف ضعیف راوی ہیں۔

سے یا ان کی طرف سے ہے۔ ابو عاصم نے جواب دیا مجھے معلوم نہیں۔"

وقال عبداللہ: سمعت ابی یقول: حدثهم ابو عاصم، عن سفیان، عن ابن ابی عتبة، فصحف اراد ان یقول ابن ابی غنیة۔ فقال ابن ابی عتبة۔ (العلل ۱۳۴۲)

"عبداللہ نے کہا کہ میں نے اپنے باپ (احمد بن حنبل) کو کہتے سنا ان (لوگوں) کو ابو عاصم نے حدیث بیان کی سفیان سے انہوں نے ابن عتبہ سے اور تصحیف کی کہ وہ ابن غنیہ کہنا چاہتا تھا مگر اس نے ابن ابی عتبہ کہا۔"

احمد بن حنبل کو ابو عاصم میں کچھ اور بھی خرابیاں نظر آئی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے:

وقال عبداللہ قال ابی: قلت لابی عاصم النبیل الضحاک بن مخلد، ورأيته يجئ، يوم الجمعة في مجلس اصحاب الرأي، عند هلال الرأي۔ فقلت له يوما: مالك لاتكون مثل اصحاب ابن عون و اصحابك، مالك وللرأي، مالك لاتكون مثل اصحابك؟ فسكت فلم يقل شيئا۔ (العلل ۱۹۲۶)

"عبداللہ نے کہا میرے باپ (احمد بن حنبل) نے کہا کہ میں نے ابو عاصم النبیل ضحاک بن مخلد سے کہا اور میں نے اسے دیکھا تھا کہ وہ جمعہ کے دن آتا اور اصحاب الرائے کی مجلس میں بیٹھتا، ہلال الرائے کے نزدیک، پس میں نے ایک دن اس سے کہا تمہارا کیا معاملہ ہے کہ تم ابن عون کے ساتھیوں کی طرح نہیں ہو اور اپنے اور ساتھیوں کی طرح نہیں ہو، تمہارا اور الرائے کا کیا معاملہ ہے، تمہارا کیا حال ہے کہ تم اپنے ساتھیوں کی طرح نہیں۔ تو وہ خاموش ہو گیا اور اس نے کچھ نہ کہا۔"

امام احمد بن حنبل ابو عاصم کی مزید شان بڑھاتے ہیں:

قال عبداللہ بن احمد سئل ابی، عن ابی اسامة، و ابی عاصم، من اثبتهما في الحديث؟ فقال ابو اسامة اثبت من مئة مثل ابی عاصم۔ قال ابی: كان ابو اسامة ثبتا صحيح الكتاب۔ (العلل جلد ۳ صفحہ ۵۹۶۰)

"عبداللہ بن احمد نے کہا میرے والد (احمد بن حنبل) سے ابو اسامہ اور ابو عاصم کے بارے میں پوچھا گیا کہ کون حدیث میں زیادہ ثبت ہے۔ انہوں نے جواب دیا کہ ابو اسامہ ابو عاصم سے سو گنا زیادہ ثبت ہے۔ اور کہا کہ ابو اسامہ ثبت اور صحیح الکتاب ہے۔"

خیال رہے کہ یہ ابو اسامہ وہی راوی ہے جس نے عبدالرحمن بن یزید بن تمیم، منکر الحدیث راوی کو دیدہ و دانستہ عبدالرحمن بن یزید بن جابر (ثقہ راوی) کہا ہے [تہذیب التہذیب، جلد ۶، صفحہ ۲۹۶،۲۹۵] اور یہ راوی امام احمد کے نزدیک سو گنا زیادہ ثبت ہے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے امام احمد کی نظر میں ابو عاصم کا کیا مقام ہے!

امام احمد نے ابو عاصم کی ایک حدیث کو باطل ٹھہراتے ہوئے اس کا شدید انکار کیا ہے:

الضعفاء للعقيلي ۲۴۳/۲: خطا احمد ابا عاصم في حديث، و انكره عليه اشد الانكار۔

(حاشیہ سوالات ابی داؤد للامام احمد بن حنبل صفحہ ۳۲۵)

"عقیلی کی کتاب الضعفاء جلد ۲ صفحہ ۲۴۳ میں ہے کہ امام احمد نے ابو عاصم کو ایک حدیث کے معاملے میں خطا کار ٹھہرایا ہے اور اس کا شدید انکار کیا ہے۔"

الدین الخالص کے مصنف نے اس کا جواب دینے کی کوشش کی ہے جو کہ اپنی جگہ ایک شاہکار ہے۔ موصوف فرماتے ہیں:

"رہا کسی حدیث کا باطل ہونا تو کسی حدیث کے باطل ہونے سے راوی کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا کیونکہ کوئی حدیث مختلف وجوہات کی بنا پر باطل ہو سکتی ہے۔"
(الدین الخالص، دوسری قسط، صفحہ ۱۲۳)

موصوف کے نزدیک حدیث کے باطل ہونے سے راوی کا ضعیف ہونا لازم نہیں آتا مگر دوسروں کے نزدیک تو ایسا نہیں ہے۔ الذہبی نے اس موقف کی مخالفت کی ہے اور تصریح کی ہے کہ:

وما روى الرجل شيئا فيضعف او يوثق من اجله۔

(میزان الاعتدال جلد ۱ صفحہ ۴۲۵)

"اور راوی جو کچھ روایت کرتا ہے اسی کی بنیاد پر اسے ضعیف یا ثقہ ٹھہرایا جاتا ہے۔"

رہی بات حدیث کی مختلف وجوہات کی بنا پر باطل ہونے کی تو یہاں ایسا نہیں۔ امام احمد نے اس حدیث کے باطل ہونے کا کریڈٹ ابو عاصم ہی کو دیا ہے۔ اور یہ حقیقت پر مبنی ہے۔

وقال عبدالله: فقلت لابي تحفظ هذا من حديث ابي عاصم، عن سفيان، عن عبدالله بن ابي بكر، عن سعيد بن المسيب، عن ابي سعيد الخدري، قال: كان رسول الله ﷺ يقول: الا ادلكم على شيء يكفر الخطايا، ويزيد في الحسنات؟ قالوا بلى يا رسول الله۔ قال اسباغ الوضوء عند المكاره۔ فقال ابي: هذا باطل۔ يعني من حديث عبدالله بن ابي بكر، انما هو حديث ابن عقيل، و انكره اشد الانكار۔ و قال ليس بشيء، يعني حديث عبدالله بن ابي بكر۔ قال: هذا حديث ابن عقيل۔ (العلل ۳۴۲۳)

یہ عبارت تو صاف کہہ رہی ہے کہ امام احمد نے اس حدیث کو ابو عاصم کی وجہ سے باطل قرار دیا ہے اور اس بات کو عقیلی کا اپنی کتاب الضعفاء میں ابو عاصم کے ترجمے میں لانے کا مقصد بھی یہی ہے۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ سند میں عبداللہ بن ابی بکر جیسا کہ ابو عاصم نے بیان کیا ہے غلط ہے۔ صحیح ابن عقیل ہے جیسا کہ دیگر لوگوں نے بیان کیا ہے۔ اور دوسری سندوں میں موجود ہے۔

موصوف مزید خامہ فرسائی کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"اس حدیث کو عبداللہ بن احمد بن حنبل نے ابو حفص عن ابی عاصم سے بیان کیا ہے اور ابو حفص کا کچھ اتا پتہ نہیں کہ وہ کون ہیں؟ اس لئے امام احمد بن حنبل نے اس روایت کو اس سند سے باطل قرار دیا ہے۔ ورنہ یہی روایت جس کے راوی ابو ہریرہ ہیں صحیح سند کے ساتھ السنن الکبریٰ للبیہقی جلد ۔۔ صفحہ ۔۔ میں بھی مذکور ہے۔"
(الدین الخالص، دوسری قسط، صفحہ ۱۲۴)

یہ بات "فاضل" مصنف کی جہالت کا بین ثبوت ہے۔ کیسی ستم ظریفی ہے کہ غلط بات لکھتے ہیں وہ بھی پرزور انداز میں! موصوف نے ابوحفص کے متعلق لکھا ہے کہ اس کا کچھ اتا پتہ نہیں ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ ابوحفص کا اتا پتہ سب موجود ہے۔ موصوف کو علم نہیں تو اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہونا چاہئے کہ دوسرے بھی نہیں جانتے۔ یہ ابوحفص عمرو بن علی الفلاس ہیں۔ امام بخاری کے استاد ہیں۔ بخاری و مسلم ہی نہیں، مشہور کتب حدیث کے راوی ہیں۔ مسند احمد میں بھی ان کی روایات موجود ہیں۔ الدین الخالص کے مصنف کا یہ کارنامہ ہے کہ مخالفت اور مخاصمت میں مشہور و معروف ثقہ راوی کو مجہول اور غیر معروف بنا دیا۔ امام بخاری نے اپنی صحیح میں ابوحفص عمرو بن علی الفلاس کی گیارہ مقامات پر وہ روایات لی ہیں جو کہ انہوں نے ابوعاصم ضحاک بن مخلد سے سنی ہیں۔ عبداللہ بن احمد بن حنبل نے بھی ان سے سماعت حدیث کی ہے۔ مسند احمد میں ایک روایت تو علیؓ کی مرویات میں سے ہے۔ اس کے حاشیے میں احمد محمد شاکر لکھتے ہیں:

عمرو بن علی ابوحفص هوالفلاس الحافظ من نبلا المحدثین (مسند احمد، احمد شاکر جز ۲، ص ۲۵۹)

ان گذارشات سے یہ بات تو روز روشن کی طرح واضح ہوگئی کہ وضوء سے متعلق ابوعاصم کی روایت کو امام احمد نے ابوحفص کی وجہ سے نہیں بلکہ ابوعاصم کی وجہ سے باطل ٹھہرایا ہے۔ موصوف نے اس روایت کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ یہ روایت جس کے راوی ابوہریرہؓ ہیں، صحیح سند کے ساتھ سنن الکبریٰ للبیهقی میں مذکور ہے۔ مصنف موصوف کی یہ بات بھی ان کے ظرف کے خالی ہونے کا پتہ دیتی ہے۔ ورنہ ابوہریرہؓ کی یہ صحیح حدیث تو صحیح مسلم کتاب الطہارۃ باب اسباغ الوضوعلی المکارہ میں بھی موجود ہے اور اس کے علاوہ ترمذی، نسائی، ابن ماجہ میں بھی ہے۔ اور ابن ماجہ میں تو ابوہریرہؓ کے علاوہ ابوسعید خدریؓ کی سند سے بھی مذکور ہے۔ ابوعاصم کی روایت بھی ابوسعید خدریؓ سے ہے۔

اوپر ابوعاصم سے متعلق خاص طور پر امام احمد کا حوالہ ہی دیا گیا ہے۔ اس انتخاب کی وجہ ظاہر ہے کہ الدین الخالص کے مصنف اور ان کے دیگر ہمنواؤں کے یہ معتمد اور معتبر امام ہیں۔ امام احمد کے یہ ہم عقیدہ ہیں اور ان کے باطل عقیدے کی حمایت اور طرف داری ان کا نصب العین ہے۔

کتاب الضعفاء العقیلی میں ابوعاصم کے متعلق یہ بھی ہے کہ یحییٰ بن سعید القطان اس پر کلام کرتے تھے۔ الدین الخالص کے مصنف اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کے کلام میں بھی جرح کے الفاظ موجود نہیں ہیں، بلکہ امام ابوعاصمؒ سے کہا گیا ہے کہ امام یحییٰؒ آپ کے بارے میں گفتگو (کلام) کرتے ہیں، کیا کلام کرتے ہیں؟ کچھ معلوم نہیں، البتہ یہ جرح غیر مفسر اور مجمل ہے۔ اور اصول حدیث کے لحاظ سے اس کا کوئی اعتبار نہیں اور امام یحییٰ بن سعید القطانؒ کے اس قول کی سند بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ اس کی سند میں بشر بن آدم ضعیف ہے۔ (تہذیب التہذیب: جلد ۱ ص۔ ۴۴۳)" (الدین الخالص دوسری قسط صفحہ ۱۳۳)

موصوف نے جرح مفسر اور غیر مفسر کی بحث چھیڑ کر گویا جان چھڑانے کی کوشش کی ہے۔ مگر یہی بہت ہے کہ موصوف نے اس کو جرح تسلیم کر لیا ہے۔ اور یہ بھی معلوم و معروف ہے۔ یحییٰ بن سعید القطان تو ان ناقد رجال میں سے ہیں جن کی جرح کا مدلل ہونا کوئی آسان بات نہیں۔ رہی موصوف کی دوسری بات کہ ان کے قول کی سند ضعیف ہے، اس کے لئے موصوف نے تہذیب التہذیب کا حوالہ دیا ہے۔ ذرا دیئے گئے حوالے پر ایک نظر ڈالی جائے کہ کیا واقعی اس میں بشر بن آدم کو ضعیف کہا گیا ہے:

"ابوحاتم کہتے ہیں کہ قوی نہیں ہیں۔ نسائی کہتے ہیں کہ اس میں کوئی حرج نہیں۔ ابن حبان نے اس کا ذکر کتاب الثقات میں کیا ہے۔ مسلمہ کہتے ہیں کہ صالح ہے۔ اور دارقطنی کہتے ہیں قوی نہیں ہے۔"

مصنف موصوف کے دیئے گئے حوالے میں بشر بن آدم کے متعلق بس یہی کچھ وارد ہے تو کیا موصوف کے معیار کے مطابق اس سے وہ ضعیف ثابت ہوجاتا ہے۔ جبکہ موصوف ابن حجرؒ کی جس کتاب کو بے نظیر کتاب قرار دیتے ہیں (الدین الخالص پہلی قسط صفحہ ۱۰۵) اس میں لکھا ہے کہ صدوق فیہ لین (تقریب ص۔ ۴۴) یعنی سچا ہے لیکن اس میں کچھ نرمی ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ موصوف بشر بن آدم کو ضعیف قرار دے رہے ہیں جبکہ ان کے ممدوح ناصر الدین البانی صاحب کا موقف اس کے برعکس ہے، اور موصوف انہیں موجودہ دور کا عظیم محدث، علامۃ العصر قرار دیتے ہیں اور ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ علامہ البانی کو اللہ تعالیٰ نے اس فن میں خاص مہارت عطا فرمائی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ وہ ہر راوی کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اور تمام نفسانی آلائشوں سے پاک وصاف اور تعصب سے بالاتر ہو کر فیصلہ دیتے ہیں۔ (الدین الخالص دوسری قسط ص۔ ۸۳ وغیرہ)

یہ البانی صاحب بشر بن آدم کی احادیث کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ بشر بن آدم کی روایات ترمذی، ابن ماجہ وغیرہ میں ہیں۔ اور البانی صاحب اس کی احادیث کو صحیح ترمذی اور صحیح ابن ماجہ میں لائے ہیں۔

موصوف کے بقول البانی صاحب تو کسی راوی کے متعلق نفسانی آلائشوں سے پاک وصاف اور تعصب سے بالاتر ہو کر اور اللہ سے ڈرتے ہوئے فیصلہ دیتے ہیں، اور انہوں نے بشر بن آدم کی روایات کو صحیح تسلیم کیا ہے۔ لیکن موصوف اس راوی کو ناقابل اعتبار قرار دے رہے ہیں۔ اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ موصوف نے نفسانی خواہش کے تابع اور اللہ کے خوف سے عاری ہو کر محض تعصب کی بنیاد پر بشر بن آدم کو ناقابل قبول ٹھہرایا ہے فاعتبروا یا اولی الابصار!

بشر بن آدم کے متعلق تہذیب الکمال کے حاشیے میں بشار عواد معروف لکھتے ہیں

"مسلمہ بن قاسم الاندلسی کہتے ہیں، صالح ہیں۔ دارقطنی کہتے ہیں، قوی نہیں ہے۔ اور ابن حبان نے اس کی حدیث کی اپنی صحیح میں تخریج کی ہے۔ اسی طرح ابوعلی الطوسی

نے کہا ہے۔ اور ذہبی نے اس کا ذکر "میزان" میں کیا ہے۔ اور "الکاشف" میں اس کو صدوق قرار دیا ہے۔ اور ابن حجر نے "تقریب" میں اسے صدوق فیہ لین کہا ہے۔" (حاشیہ تہذیب الکمال، جلد ۲، صفحہ ۴۳)

اس بحث سے یہ بات قطعاً واضح ہوگئی کہ یحییٰ بن سعید کے قول کو جھٹلانے کی موصوف نے ناحق اور ناروا کوشش کی ہے۔ ان کی یہ ساری مشق محض اس لئے ہے کہ کسی طرح سے بھی ہو عمرو بن العاصؓ سے منسوب ابوعاصم سے مروی روایت صحیح ثابت ہو جائے اور ان کے عقیدے کو جواز فراہم ہو جائے۔

ابوعاصم سے متعلق بحث نہ چاہتے ہوئے بھی کافی طویل ہوگئی ہے۔ آخر میں ان سے متعلق یحییٰ بن معین کا قول پیش کیا جا رہا ہے۔ تہذیب الکمال کے حاشیے میں یحییٰ ابن معین کے شاگرد ابن محرز کے سوالات کے حوالے سے لکھا ہے:

وقال ابن محرز: قيل ليحيى: ابوعاصم النبيل، و عبدالرزاق، و قبيصة، و ابوحذيفة (يعني في سفيان)؟ قال: هؤلاء ضعاف۔ (سوالاته الترجمة ۵۱۶) (حاشیہ تہذیب الکمال، جلد ۱۳، ص ۲۸۵، ۲۸۶)

ابن محرز کہتے ہیں کہ ابوعاصم النبیل، عبدالرزاق، قبیصہ اور ابوحذیفہ کے متعلق (سفیان کے معاملے میں) یحییٰ ابن معین سے پوچھا گیا تو انہوں نے جواب دیا یہ سب ضعیف ہیں۔

خیال رہے کہ ابوعاصم النبیل سے متعلق اوپر پیش کردہ اقوال و آراء کے برعکس بھی محدثین کی نگارشات ہیں۔ مگر اس سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ ثقہ راوی کی تمام ہی روایات کا صحیح اور درست ہونا ضروری نہیں۔ ابوصمام راوی کے ترجمہ میں ذہبی لکھتے ہیں:

قد احتج به مسلم و هو على سعة علمه قلّ ان تجد له حديثاً منكراً و هذه صفة من هو ثقة

(سیر اعلام النبلاء، جلد ۱۲، ص ۲۳)

"امام مسلم نے ان سے احتجاج کیا ہے اور ان کی وسعت علمی کے باوجود ان کی منکر روایات کم تعداد میں پائی جاتی ہیں اور یہ ثقہ راوی کی صفت ہے۔"

اور ذہبی نعیم بن حماد کے ترجمہ میں اس کی بیان کردہ ایک روایت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

وقال محمد بن علي بن حمزة: سالت يحيى بن معين عن هذا فقال ليس له اصل و نعيم ثقة قلت كيف يحدث ثقة بباطل؟ قال شبه له

(سیر اعلام النبلاء، جلد ۱۰، ص ...)

"محمد بن علی بن حمزہ کہتے ہیں: میں نے یحییٰ بن معین سے اس روایت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے کہا اس کی کوئی اصل نہیں اور نعیم ثقہ ہے۔ میں نے کہا کہ ثقہ راوی باطل روایت کیسے بیان کر سکتا ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ اس کو شبہ ہوا ہے۔"

۲۔ اب ذرا متن پر بھی غور کر لیا جائے۔ عمرو بن العاصؓ کے متعلق یہ جو کہا جاتا ہے کہ انہوں نے وصیت کی تھی کہ مجھے دفن کرنے کے بعد میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کر کے آنے والے فرشتوں کو صحیح جواب دے سکوں، یہ بات قطعاً خلاف واقعہ ہے۔ انہوں نے اس طرح کی بات بالکل نہ کی تھی۔ اس کے رد کے بہت سے شواہد اور ثبوت موجود ہیں۔ عام طور سے وصیت قریب ترین اعزاء کو کی جاتی ہے۔ انہوں نے بھی وصیت اپنے بیٹے کو ہی کی تھی۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ بڑے جلیل القدر اور صاحب علم صحابی ہیں۔ وہ اپنے باپ کی جو وصیت بیان کرتے ہیں، ان میں یہ الفاظ سرے سے موجود ہی نہیں ہیں۔ وہ بیان کرتے ہیں

قال: اخبرنا عبيدالله بن موسى قال اخبرنا اسرائيل عن عبدالله بن المختار عن معاوية بن قرة المزني قال: حدثني ابوحرب بن ابي الاسود عن عبدالله بن عمرو انه حدثه ان اباه اوصاه قال: يا بني اذا مت فاغسلني غسلة بالماء ثم جففني في ثوب، ثم اغسلني الثانية بماء قراح ثم جففني في ثوب، ثم اغسلني الثالثة بماء فيه شيء من كافور ثم جففني في ثوب، ثم اذا البستني الثياب فازر علي فاني مخاصم، ثم اذا انت حملتني على السرير فامش بي مشيا بين المشيتين و كن خلف الجنازة فان مقدمها للملائكة و خلفها لبني آدم، فاذا انت وضعتني في القبر فسن علي التراب سناً، ثم قال: اللهم انك امرتنا فركبنا و نهيتنا فاضعنا فلا بريء فاعتذر ولا عزيز فانتصر ولكن لا اله الا الله۔ ما زال يقولها حتى مات۔ (طبقات ابن سعد جلد ۴، ص ۲۶۰/تاریخ مدینہ دمشق جلد ۴۶، ص ۱۹۹/سیر اعلام النبلاء جلد ۳، ص ۷۶، ۷۷)

"عبداللہ بن عمروؓ فرماتے ہیں کہ ان کے والد نے ان کو وصیت کی، کہا: اے بیٹے جب میں وفات پاؤں تو مجھے پانی سے غسل دینا، پھر مجھے کپڑے سے خشک کرنا۔ پھر دوبارہ مجھے صاف پانی سے غسل دینا، پھر مجھے کپڑے سے خشک کرنا۔ پھر تیسری مرتبہ مجھے اس پانی سے غسل دینا جس میں کچھ کافور ہو۔ پھر مجھے کپڑے سے خشک کرنا۔ پھر مجھے جب کپڑے پہناؤ تو مجھے ازار بھی دینا۔ مجھے سوالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ پھر جب تم مجھے چارپائی پر اٹھاؤ تو درمیانی چال سے مجھے لے کر چلنا۔ اور تم جنازے کے پیچھے رہنا کہ اس کے آگے فرشتے ہوتے ہیں اور پیچھے بنی آدم۔ اور پھر جب مجھے قبر میں رکھو تو مجھ پر مٹی ڈال دینا۔ پھر انہوں نے کہا: اے اللہ! تو نے ہمیں حکم دیا تو ہم (جہاد کے لئے) سواری پر سوار ہوئے۔ تو نے ہمیں روکا، ہم نے پروا نہ کی۔ ہم خطاؤں سے بری نہیں۔ ہماری خطائیں معاف فرما، کوئی اور اس کی طاقت نہیں رکھتا۔ تو مدد فرما۔ اور اللہ کے علاوہ کوئی اور الٰہ نہیں۔ وہ یہ کہتے رہے یہاں تک کہ وفات پائی۔"

ابن مبارک کی کتاب الزہد میں عبداللہ بن عمروؓ کا بیان اس طرح آیا ہے:

۱۵۹۔ انا يونس عن الزهري عن حميد بن عبدالرحمن عن عبدالله بن عمرو بن العاص ان عمرو بن العاص لما حضرته الوفاة، قال: اي بني اذا مت فكفني

في ثلاث اثواب، ازرني احداهن، ثم شقوا لي الارض شقاء و سنوا على التراب سناء فاني مخاصم، اللهم امرت بامور و نهيت عن امور، اللهم فتركنا كثيرا مما امرت به ووقعنا في كثير مما نهيت عنه، اللهم لااله الا انت ثم اخذ بابهامه، فلم يزل يهلل حتى فاظ۔ (کتاب الزہد لابن المبارک،ص ۱۲۶ نیز تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر،جلد ۴۶، ص ۱۹۶ / سیر اعلام النبلاء ،جلد ۳،ص ۷۵)

''عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ جب عمرو بن العاصؓ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے کہا: اے بیٹے جب میری وفات ہو تو مجھے تین کپڑوں میں کفن دینا۔ ان میں سے ایک سے مجھے ازار دینا۔ پھر میری قبر بنانا اور پھر مجھ پر مٹی ڈال دینا۔ مجھے سوالات کا سامنا کرنا ہوگا۔ اے اللہ تو نے بعض کاموں کا حکم دیا اور کچھ کاموں سے روکا۔ اے اللہ ہم نے بہت سے وہ کام چھوڑ دئے جن کا تو نے حکم دیا اور بہت سے ایسے کاموں میں مبتلا ہو گئے جن سے تو نے روکا تھا۔ اے اللہ کوئی الہٰ نہیں سوائے تیرے۔ پھر اپنا انگوٹھا پکڑا اور لاالہٰ الا اللہ کہتے رہے، یہاں تک کہ وفات پائی۔''

سطور بالا میں عمرو بن العاصؓ کی وصیت سے متعلق عبداللہ بن عمروؓ کا بیان پیش کیا گیا ہے۔ ابونوفل بن ابی عقرب جو کہ ثقہ اور تابعین میں سے ہیں، وہ عمرو بن العاصؓ کی وفات کا واقعہ اور ان کے الفاظ اس طرح بیان کرتے ہیں:

۱۷۷۰۹۔ حدثنا عفان ثنا الاسود بن شيبان قال ثنا ابو نوفل بن ابي عقرب قال جزع عمرو بن العاص عند الموت جزعا شديدا فلما راى ذلك ابنه عبدالله بن عمرو قال: ياابا عبدالله ماهذا الجزع و قد كان رسول الله ﷺ يدنيك و يستعملك، قال اى بني قد كان ذلك و ساخبرك عن ذلك اني والله ما ادري احبا ذلك كان ام تالفا يتالفني ولكن اشهد على رجلين انه قد فارق الدنيا وهو يحبهما / ابن سمية و ابن ام عبد، فلما حدثه وضع يده موضع الغلال من ذقنه و قال اللهم امرتنا فتركنا و نهيتنا فركبنا و لا يسعنا الا مغفرتك، و كانت تلك هجيراه حتى مات۔ (مسند احمد،حدیث نمبر ۱۷۷۰۹،جز ۱۳، صفحہ ۲۵۵/ کتاب الزہد لابن مبارک،ص ۱۵۳ رقم ۴۳۹/تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر،جلد ۴۶،ص ۱۹۶، ۱۹۷/سیر اعلام النبلاء، جلد ۳،ص ۷۵)

''ابونوفل بن ابی عقرب بیان کرتے ہیں کہ عمرو بن العاصؓ موت کے قریب شدید غم وخوف کا اظہار کر رہے تھے۔ ان کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ نے جب ان کی یہ کیفیت دیکھی تو کہا اے ابوعبداللہ یہ غم وخوف کس لئے ہے؟ جبکہ اللہ کے رسول ﷺ نے آپ کو قریب بھی رکھا اور عامل بھی بنایا۔ انہوں نے کہا کہ اے بیٹا یقیناً ایسا تو تھا، اور میں تمہیں اس کے متعلق بتلاتا ہوں کہ واللہ میں نہیں جانتا کہ یہ محبت میں تھا یا میری تالیف کی وجہ سے تھا۔ ہاں دو شخصوں کے متعلق گواہی ضرور دیتا ہوں کہ آپؐ کے دنیا سے رخصت ہونے تک ان سے محبت کرتے رہے۔ ایک ابن سمیہ (عمار ابن یاسرؓ) اور دوسرے ابن ام عبد (عبداللہ بن مسعودؓ)۔ جب وہ یہ بیان کر رہے تھے تو انہوں نے اپنا ہاتھ اپنی ٹھوڑی کے نیچے رکھا۔ اور کہا اے اللہ! تو نے ہمیں حکم دیا ہم نے اسے چھوڑ دیا۔ تو نے ہمیں روکا ہم سوار ہوئے۔ ہمارے پاس تیری مغفرت کے سوا کوئی راستہ نہیں۔ اور وہ اسے دہراتے رہے یہاں تک کہ وفات پائی۔''

عمرو بن العاصؓ کی وصیت کے سلسلے میں سب سے اہم بیان عبداللہ بن عمروؓ کا ہے، کیونکہ وصیت انہیں ہی کی گئی تھی۔ ابونوفل بن ابی عقرب کا بیان اس کے شواہد میں سے ہے۔ اس کے علاوہ اس کے اور بھی شواہد موجود ہیں۔ اور اس سلسلے میں مزید روایات پیش کی جاسکتی ہیں، جن سے صاف طور سے پتہ چلتا ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے وہ بات کہی ہی نہیں جسے ثابت کرنے کے لئے حیات وسماع فی القبر کے قائلین ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں۔

۳۔ مسلم کی ابوعاصم سے مروی زیر بحث روایت کے ناقابل قبول ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس روایت میں بیان ہوا ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ دفن کے بعد میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھہرنا جتنی دیر میں اونٹ نحر کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تاکہ میں تم سے انس حاصل کر کے آنے والے فرشتوں کے صحیح جواب دے سکوں۔ عمرو بن العاصؓ نے یہ وصیت اپنے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ کو کی جو ہونہار فرزند اور بڑے مرتبے کے صحابی تھے اور میت کی وصیت پوری کرنے سے متعلق احکامات اچھی طرح سے جانتے تھے۔ مگر ان کی طرف سے اس طرح کا کوئی طرز عمل قطعاً ثابت نہیں۔ ثابت ہو بھی تو کیسے جبکہ انہوں نے ایسا کیا ہی نہیں، اور وہ ایسا کرتے بھی کیوں جبکہ حقیقتاً ان کے والد گرامی نے ایسی کسی بات کی وصیت ہی نہ کی تھی۔ عیدالفطر کی رات ان کے والد گرامی کی وفات ان کی آنکھوں کے سامنے ہوئی۔ تجہیز وتکفین کا بندوبست کیا۔ اور انہوں نے ہی ان کی نماز جنازہ پڑھائی اور تدفین کی۔ تدفین سے فارغ ہونے کے بعد صلوٰۃ العید ادا کی۔

(ملاحظہ تاریخ ابوزرعہ دمشقی، تاریخ مدینہ دمشق، طبقات ابن سعد، التاریخ الصغیر، تاریخ اصحابہ لابن حبان، الاصابہ اور دیگر کتب تاریخ)

ان گذارشات سے یہ بات تو قطعی طور پر ثابت ہوجاتی ہے کہ عمرو بن العاصؓ نے ایسی کوئی وصیت نہ کی تھی جس طرح یہ لوگ دعویٰ کرتے ہیں ورنہ ان کے بیٹے عبداللہ ضرور اس پر عمل کرتے۔ ان کے متعلق اس طرح کی بات کرنا محض اپنے باطل اور گمراہ کن عقائد کو جواز فراہم کرنے کی ناروا اور ناحق کوشش ہے۔

الدین الخالص کے مصنف حیات وسماع فی القبر کے متعلق لکھتے ہیں:

''میرے دوست عذاب قبر ہی میں ہوتا ہے۔ مگر ہمارے اور مردے کے درمیان برزخ حائل ہوتی ہے اور عذاب کو محسوس نہیں کر سکتے کیونکہ یہ سب پردہ غیب کا معاملہ ہے۔'' (الدین الخالص: پہلی قسط،صفحہ ۴۳)

''مردہ نہ صرف شعور رکھتا ہے بلکہ راحت و آرام کو بھی محسوس کرتا ہے اور عذاب کو بھی .... لیکن مردہ کا معاملہ چونکہ پردہ غیب یعنی برزخ سے ہے، اس لئے اس کا اظہار نہیں ہوتا اور ہم اسے محسوس نہیں کر سکتے۔'' (ایضاً،صفحہ ۳۸، ۳۹)

''اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ مرنے والوں اور دنیا کے درمیان ایک آڑ (برزخ) قیامت تک قائم ہے۔'' (ایضاً،صفحہ ۳۲)

باقی صفحہ 52 پر

خدیجہ رضی اللہ عنہا

تحریر: اُمّ سارہ

آج ہر شخص حیران و پریشان ہے، انسانی زندگی سے سکون بالکل ہی رخصت ہو گیا ہے، انسانیت آئے دن نت نئے آلام و مصائب سے دوچار ہے۔ اقتدار کی باگ ڈور جن لوگوں کے ہاتھوں میں ہے وہ غرور و تکبر میں ڈوبے ہوئے یوم حساب سے بے پرواہ، غفلت کا شکار اور عیش و عشرت میں غرق ہیں۔ دوست، دوست کا وفادار نہ رہا اور خونی رشتے بے اثر ہو گئے۔ ہمارے گھروں میں، معاشرے میں کہیں بھی سکون نہیں۔ غور و فکر کرنے والا انسان اسی نتیجے پر پہنچتا ہے کہ اس خرابی اور ابتری کی اصل وجہ یہ ہے کہ انسان نے اپنے رب کا بتایا ہوا راستہ چھوڑ دیا ہے، وہ دین حق سے منحرف ہو گیا ہے۔ اصل دین اسلام جو خیر القرون میں تھا، وہ آج باقی نہیں رہا۔

اللہ کے آخری رسول ﷺ نے تو اللہ کا دین اس طرح پھیلایا تھا کہ لات و منات کے پجاریوں اور مریم و عیسیٰ علیہما السلام کو اللہ کے ساتھ شریک کرنے والوں کو توحید کا سبق سکھایا، اُن کے ایمان کو شرک سے پاک کیا اور اُن کو صرف اللہ واحد کا پرستار بنا کر اللہ و رسول کا مطیع و فرماں بردار بنا دیا۔ لیکن آج تو انداز فکر ایسا بدل گیا ہے کہ ہدایت کو گمراہی سمجھا جانے لگا ہے اور گمراہی کو ہدایت، توحید گویا شرک ہو گئی ہے اور شرک توحید، غرض اسلامی اقدار بالکل بدل دی گئی ہیں۔

اللہ رب العزت کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں کفر و شرک کے اس تاریک دور میں اسلام سے روشناس کرایا، ہمیں ایمان کی محبت دی اور ہمارے دلوں میں کفر سے بیزاری کا احساس پیدا کیا۔ اب ہم پر لازم ہے کہ ایمان کی قدر کریں، اس کے تقاضوں کو سمجھیں اور ان کی روشنی میں اُس مقصدِ حیات کو اپنائیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے متعین کیا ہے۔ اسی میں ہماری فلاح ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

☆ ”ہم نے ان لوگوں کو نجات دے دی جو برائی سے روکتے تھے اور جو ظلم کرتے تھے ان کو ہم نے دردناک عذاب میں جکڑ لیا کیونکہ وہ نافرمانی کے مرتکب تھے۔“

(الاعراف: ۱۶۵)

اللہ تعالیٰ نے اُن لوگوں کو جو دعوت حق کی ذمہ داری سنبھالیں یعنی خیر کی طرف بلائیں اور برائی سے روکیں، ”خیر امت“ کے لقب سے نوازا ہے (ملاحظہ ہو سورۃ آل عمران: ۱۱۰) اور سورۃ توبہ میں مومن مردوں اور عورتوں کی اجتماعیت کا مقصد اسی مشن کو قرار دیا، فرمایا:

☆ ”اور مومن مرد اور مومن عورتیں باہم ایک دوسرے کے معاون و رفیق ہیں، وہ نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے ہیں“ (التوبہ: ۷۱)

اور سورۃ آل عمران میں تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ:

☆ ”تم میں ایک گروہ ایسا ہونا چاہئے جو لوگوں کو خیر کی دعوت دے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر (کی ذمہ داری پوری) کرے اور یہی لوگ فلاح پانے والے ہیں۔“

(آل عمران: ۱۰۴)

ان آیات کے پیش نظر ضرورت اس بات کی تھی کہ ہم اپنے منصب کو پہچان کر خود کو اس کا اہل بنانے کی کوشش کرتے اور اسی کو اخروی کامیابی کا ذریعہ قرار دیتے، لیکن افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ہم دنیا کی طرف جھک گئے اور دنیا پرستوں کی روش پر چل پڑے۔ فیشن سے مرعوب ہو کر اسی کے رنگ میں رنگ جانے کو تہذیب و ترقی کی علامت سمجھ بیٹھے۔ ہماری خواتین دنیا کی آرائش و آسائش، نمود و نمائش، لباس و زیورات، مصنوعی تزئین و سنگھار میں ایک دوسرے سے ممتاز نظر آنے کی دوڑ دھوپ میں ایسی گم ہوئیں کہ آخرت کو ہی فراموش کر بیٹھیں۔ ویسے بھی معاشرے کے بگاڑ میں خواتین کا بڑا حصہ ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بات قابل ذکر ہے کہ عورتوں، بچوں اور مال و زر کے لئے میلان و رغبت فطرت انسانی اور تقاضائے بشریت ہے (آل عمران: ۱۴)۔ یہ اگر شریعت کی حدود میں آخرت سنوارنے کے لئے ہو تو مستحسن ہے لیکن اگر یہی شرعی حدود سے تجاوز کر جائے اور فکر آخرت اور اللہ کی یاد سے غافل کرنے کا سبب بننے لگے تو فتنہ اور نحوست کا سامان ہے (التکاثر، والمنافقون)۔ بعض ازواج و اولاد (جو آخرت سے غفلت کا سبب ہوں، وہ) تو دشمن ہیں (التغابن: ۱۴)۔

نبی علیہ السلام کا فرمان اس ضمن میں چشم کشا ہے، فرمایا:

☆ ”اگر نحوست کسی شے میں ہے تو گھر، عورت اور گھوڑے میں۔“

(بخاری، کتاب النکاح)

☆ ”میرے بعد مردوں پر کوئی فتنہ عورتوں سے زیادہ ضرر رساں باقی نہ رہے گا۔“

(بخاری، کتاب النکاح)

☆ ”دنیا بڑی شیریں اور سرسبز ہے اور اللہ تعالیٰ تمہیں اس میں تصرف کا موقع دینے والا ہے تا کہ وہ دیکھے کہ تم کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہو، لہٰذا دنیا اور عورتوں (کے فتنے) سے بچو، اس لئے کہ بنی اسرائیل کا سب سے پہلا فتنہ عورتوں کے معاملے میں ہوا۔“

(مسلم، کتاب الذکر والدعا)

حقیقت یہ ہے کہ معاشرے میں جب زیب و زینت اور اسراف کی دلدادہ خواتین مردوں پر غلبہ حاصل کرلیں تو پھر بگاڑ کو روکنا ممکن نہیں رہتا بلکہ مال و زر اور دنیاوی وسائل کے لئے دیوانہ وار مسابقت کی دوڑ شروع ہو جاتی ہے۔ دراصل ایمان والوں کو تو سادگی اور تقویٰ اختیار کرنے پر زور دیا گیا۔ لباس تو ستر پوشی اور زینت و وقار کے لئے ہے، چنانچہ فرمایا:

☆ "اے اولاد آدم! ہم نے تمہارے لئے لباس عطا کیا جو تمہارے ستر کو چھپاتا ہے اور تمہارے لئے موجب زینت بھی ہے۔ اور تقویٰ کا لباس ہی بہترین لباس ہے۔" (الاعراف ۲۶)

بلاشبہ تقویٰ کا لباس مومن کا لباس ہے۔ جس میں سادگی اور وقار ہو اور اسراف و فضول خرچی اور نمود و نمائش کا تو شائبہ تک نہ ہو کیونکہ یہ شیطانی عمل ہے۔ اسلام کے انقلابی مشن کو سنبھالنے اور آگے بڑھانے کے لئے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو پوری طرح اسلام کے سانچے میں ڈھل جائیں، اپنی زندگیوں سے عملی نمونہ پیش کریں اور پھر سب مل کر اپنی صلاحیتوں اور وسائل کو بروئے کار لا کر جدوجہد کریں، تن من دھن لگائیں تو اللہ تعالیٰ صراط مستقیم پر ہمارے قدم جما دے گا اور اجر کریم سے نوازے گا۔

اس مقصد کے حصول اور اس مقدس مشن کی ذمہ داری پوری کرنے کے لئے لازم ہے کہ ہم اپنے انداز فکر کو بدلیں، نبی علیہ السلام کی تعلیمات اور صحابہ کرامؓ کی زندگیوں کو نمونہ بنا کر اپنی تربیت کریں، ان کے نقش قدم کی پیروی کریں۔ ہم خواتین کو چاہیے کہ بے دین مغرب زدہ خواتین کے بجائے امہات المومنین کو اپنا آئیڈیل بنائیں اور انہی کی زندگیوں کو اپنے لئے مشعل راہ بنائیں۔ اُمہات جمع کا صیغہ ہے اور یہ "اُم" کی جمع ہے۔ امہات المومنین کے معنی ہیں مومنوں کی مائیں۔ نبی علیہ السلام کی ازواج مطہراتؓ کو قرآن میں مومنوں کی مائیں کہا گیا ہے۔ (الاحزاب:۶) ہم اپنے گھروں میں سنتے آئے ہیں کہ بیٹیاں ماں پر جاتی ہیں، تو اب یہ بات غور طلب ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلم (اللہ کا اطاعت گذار) کہتے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کی ازواج کو اپنی مائیں سمجھتے ہیں تو پھر آخر ہماری خواتین کی زندگیاں ان کی زندگیوں سے مشابہ کیوں نہیں؟ ہمارا رہن سہن، وضع قطع، حیاء و پاکبازی، ہماری عبادات اور ہمارے معاملات، غرضیکہ ہماری زندگی کا کوئی بھی پہلو اُن کے اسوہ حسنہ کے مطابق نہیں، افسوس صد افسوس! کیا اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو جنت کی نعمتوں کے سچے آرزومند کہنے میں حق بجانب ہیں؟ ہمیں اس بات پر سنجیدگی سے غور کرنا ہوگا۔

قرآن کی تعلیمات اور نبی علیہ السلام کی تربیت نے قرون اولیٰ کی خواتین کی سیرت و اخلاق میں انقلاب برپا کر دیا تھا اور امہات المومنین تو بلاشبہ امتیازی مقام رکھنے والی تھیں۔ یہ بات بھی ذہن نشین کر لی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات ہی کو اہل بیت کہہ کر مخاطب کیا اور ان کی تربیت اور تزکیۂ نفس کا خاص اہتمام فرمایا جیسا کہ آیت تطہیر سے ثابت ہے۔ فرمایا:

☆ "اے اہل بیت! اللہ تعالیٰ تم سے ہر قسم کی کثافت دور کرنا چاہتا ہے تا کہ تمہیں خوب پاک و صاف کر دے۔" (الاحزاب:۳۳)

اب ہمیں چاہیے کہ انہی کے اسوۂ حسنہ کو سامنے رکھتے ہوئے اپنی اصلاح کے لئے آگے بڑھیں۔ اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اُم المومنین خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا کی حیات طیبہ مختصراً آپ کے سامنے پیش کی جاتی ہے تا کہ اس کے مطالعے سے ہمارے اندر بھی اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالنے کا جذبۂ شوق اُبھرے اور آئندہ نسل کے لئے صحیح اسلامی ماحول فراہم ہو، تا کہ اُن کو یہ شکوہ نہ ہو کہ انہیں شمع ہدایت کی روشنی سے محروم رکھا گیا۔ پھر کل کو ہماری اولاد، بہنیں، بیٹیاں اور سہیلیاں یہ نہ کہہ سکیں کہ آپ نے ہمیں اندھیرے میں رکھا۔ اللہ نے آپ کو روشنی عطا کی تو آپ نے اسے اپنے ہی تک کیوں محدود رکھا اور اس "روشن چراغ" کو آگے کیوں نہ بڑھایا! بہرحال، اس طرح اگر ہم اپنی اور بچیوں کی اصلاح کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو سکے تو بلاشبہ یہ کوشش انشاء اللہ ہماری اخروی فلاح کا سبب بن سکے گی۔ اللہ تعالیٰ اصلاح کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔ (الاعراف:۱۷۰)

رسول اکرم ﷺ جوانی کے دور ہی سے صادق اور امین کے لقب سے پہچانے جاتے تھے۔ خدیجہؓ بنت خویلد وسیع کاروبار کی مالک تھیں اور اپنے والد کی وفات کے بعد ان کو ایک ذہین و دیانت دار اور باصلاحیت شخص کی ضرورت تھی جو اس کا انتظام سنبھال سکے اور اس کی سرکردگی میں تجارتی قافلے خدیجہؓ کا سامان تجارت لے کر باہر جا سکیں۔ الغرض، جب خدیجہؓ کے کانوں میں محمد ﷺ کی امانت و دیانت کی خبریں پہنچیں تو انہوں نے رسول ﷺ کو پیغام بھیجا کہ اگر آپؐ میرا سامان تجارت شام لے جایا کریں تو میں آپؐ کو دوسروں سے دوگنا معاوضہ دوں گی۔ رسول اللہ ﷺ کاروبار میں ابوطالب کے ساتھ تھے اور انہیں خدیجہؓ کی تجارت کا حال بخوبی معلوم تھا۔ چنانچہ انہوں نے اس پیش کش کو قبول کر لیا۔ خدیجہؓ نے آپ کی سہولت کے لئے اپنے غلام خاص میسرہ کو بھی آپؐ کے ساتھ کر دیا۔ آپؐ کی دیانت اور حسن عمل کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے تجارت میں برکت عطا فرمائی اور خوب منافع ہوا۔ قافلہ جب سفر سے واپس آیا اور خدیجہؓ کو میسرہ کی زبانی آپؐ کے اخلاق و اوصاف کے بارے میں معلوم ہوا تو وہ بے حد متاثر ہوئیں اور آپؐ کو پیغام نکاح بھجوایا۔ الغرض، پانچ سو درہم طلائی کے مہر پر نکاح ہوا۔ آپؐ کے چچا ابوطالب نے نکاح پڑھایا۔ اس وقت نبی ﷺ کی عمر پچیس اور خدیجہؓ کی عمر چالیس سال تھی۔

نبوت سے کچھ عرصہ پہلے نبی علیہ السلام تنہائی پسند کرنے لگے اور اکثر گھر سے باہر مکہ کے پہاڑوں میں کئی کئی دن عبادت الٰہی میں مشغول رہنے لگے۔ جو کھانا ساتھ لے جاتے اس کے ختم ہونے پر گھر آتے اور خدیجہؓ سے مزید کھانا لے کر غار حرا میں تشریف لے جاتے۔ ایک دن اسی طرح آپ غار حرا میں مشغول عبادت تھے کہ پہلی وحی آئی۔ اس کی تفصیل بخاری میں ام المومنین عائشہؓ کی روایت میں بیان کی گئی ہے:

☆ ....آپ غار حرا میں (مشغول عبادت) تھے کہ حق آ گیا۔ ان کے پاس فرشتہ آیا اور کہا پڑھو۔ آپ نے فرمایا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ فرشتے (جبریل) نے آپ کو پکڑا اور بھینچا، آپ نے تکلیف محسوس کی۔ اس نے آپ کو چھوڑ دیا اور کہا پڑھو۔ آپ نے کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ پھر اس نے دوسری بار پکڑا اور دبایا یہاں تک کہ قوت جواب دینے لگی، پھر اس نے چھوڑا اور کہا کہ پڑھو۔ آپ نے پھر کہا کہ میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے پھر تیسری مرتبہ پکڑ کر بھینچا اور پھر چھوڑ دیا اور کہا:

اقرا باسم ربك الذي خلق .... (العلق: ۱ تا ۵)

"پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کی پھٹکی سے پیدا کیا۔ پڑھو اور تمہارا رب بہت ہی عزت والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ اس نے انسان کو وہ کچھ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔"

یہ پہلی وحی تھی جس میں سورۂ علق کی یہ شروع کی پانچ آیتیں نازل ہوئی۔ نبی علیہ السلام پھر وہاں سے گھر واپس آئے، اس حال میں کہ آپ کانپ رہے تھے۔ خدیجہؓ کے پاس پہنچے اور کہا، "زملونی، زملونی" "(مجھے کمبل اڑھا دو)۔ گھر والوں نے آپ کو کمبل اڑھا دیا، یہاں تک کہ آپ کا خوف جاتا رہا، تو آپ نے تمام واقعہ خدیجہؓ سے بیان کیا اور کہا کہ "مجھے اپنی جان کا خوف ہے۔" خدیجہؓ نے (آپ کی ڈھارس بندھاتی) عرض کیا: "ہرگز نہیں اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی رسوا نہ کرے گا۔ آپ تو صلہ رحمی کرتے ہیں، ناتوانوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں، ناداروں کے لئے کماتے ہیں، مہمانوں کی مہمان نوازی کرتے ہیں، راہ حق میں مصائب برداشت کرتے ہیں۔" پھر خدیجہ رضی اللہ عنہا آپ کو لے کر اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفلؓ کے پاس پہنچیں۔ وہ ایام جاہلیت میں نصرانی ہو گئے تھے۔ انجیل کو عبرانی سے عربی زبان میں لکھا کرتے تھے۔ وہ کافی بوڑھے تھے اور نابینا بھی ہو گئے تھے۔ خدیجہؓ نے ان کو صورتحال سے آگاہ کیا۔ انہوں نے نبی علیہ السلام سے دریافت کیا کہ "بھتیجے آپ کیا دیکھتے ہیں؟" نبی علیہ السلام نے جو دیکھا تھا بیان کر دیا۔ ورقہ بن نوفلؓ نے کہا:

"یہ وہی ناموس ہے جسے اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمایا تھا۔ کاش میں جوان ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ رہتا جب تمہاری قوم تمہیں نکالے گی۔" نبی علیہ السلام نے (حیرت سے) کہا: "وہ مجھے نکالیں گے؟" ورقہؓ نے جواب دیا: "ہاں اس (پیغام) کو جو کوئی بھی لے کر آیا، جس کو آپ لے کر آئے ہیں، اس سے (اسی طرح) دشمنی کی گئی۔ اگر میں نے آپ کا زمانہ پایا تو میں پوری طرح آپ کی مدد کروں گا۔" پھر زیادہ عرصہ نہ گذرا تھا کہ ورقہ بن نوفلؓ کی وفات ہو گئی۔" بہر حال، خدیجہ رضی اللہ عنہا کو تو آپ کے نبی ہونے کا پوری طرح یقین ہو گیا، وہ بلا تامل، ایمان لے آئیں اور سابقون الاولون میں نمایاں مقام پایا۔ سب سے پہلے مشرف با اسلام ہونے والی اس سعید الفطرت خاتون پر اللہ تعالیٰ کا یہ زبردست اور عظیم انعام تھا۔ ان کو وہ عزم و حوصلہ عطا فرمایا گیا کہ لوگوں کی مخالفتوں سے بے نیاز ہو کر انہوں نے ایمان کا نہ صرف زبانی اقرار کیا بلکہ جان و مال سے دعوت حق کا پوری طرح ساتھ دے کر اپنے ایمان کا عملی ثبوت بہم پہنچایا اور ہر قسم کے نامساعد حالات اور شدید ترین آزمائشوں میں اطاعت اللہ اور اطاعت رسول کا حق ادا کر دکھایا اور نبی علیہ السلام کے لئے تقویت قلب کا سبب بنی رہیں۔

خدیجہ رضی اللہ عنہا نبی ﷺ سے نکاح کے بعد پچیس برس تک زندہ رہیں۔ اس عرصے کے دوران انہوں نے اللہ کی راہ میں ہر قسم کے مصائب کو نہ صرف خندہ پیشانی سے برداشت کیا بلکہ ہر طرح سے رسول اکرم ﷺ کی معاون اور غمگسار بنی رہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی وفات تک کوئی دوسرا نکاح نہیں کیا۔ (مسلم کتاب الفضائل) خدیجہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت کے سلسلے میں بخاری و مسلم کے اندر متعدد روایات آئی ہیں۔

☆ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں جبریل علیہ السلام نبی ﷺ کے پاس آئے اور کہا: یا رسول اللہ! یہ خدیجہ ایک برتن لے آ رہی ہیں، جس میں سالن، کھانا یا پینے کی کوئی چیز ہے۔ جب وہ آپ کے پاس آ جائیں تو آپ انہیں ان کے پروردگار اور میری طرف سے سلام کہیے اور جنت میں خولدار موتی سے بنے ہوئے محل کی خوشخبری سنا دیجئے، جس کے اندر کسی قسم کی گونج یا شور و شغب ہوگا اور نہ کوئی تکلیف۔ (بخاری و مسلم کتاب الانبیاء و فضائل الصحابہ)

☆ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ مجھے جتنا رشک خدیجہؓ پر آتا تھا اتنا رسول اللہ ﷺ کی کسی اور زوجہ پر نہیں آیا، حالانکہ میں نے انہیں دیکھا بھی نہیں تھا (وہ ان کے نکاح سے تین برس قبل وفات پا چکی تھیں)۔ لیکن رسول اللہ ﷺ اکثر ان کا ذکر فرماتے تھے اور جب بھی کوئی بکری ذبح کرتے تو اس کا گوشت خدیجہؓ کی سہیلیوں کو بھیجتے تھے۔ اور کبھی میں آپ سے کہہ دیتی کہ گویا دنیا میں خدیجہؓ کے علاوہ اور کوئی عورت نہیں ہے۔ آپ فرماتے کہ ہاں، وہ ایسی ہی تھیں اور انہی سے مجھے اولاد ہوئی ہے، یا ارشاد فرماتے کہ انکی محبت مجھے عطا کی گئی ہے۔ (ایضا)

☆ اللہ کے رسول ﷺ نے مریم علیہا السلام کی دنیا میں تمام خواتین پر فضیلت کی طرح، خدیجہ کو خیر النساء قرار دے کر اس امت میں تمام خواتین پر ان کی فضیلت کو بیان فرمایا ہے۔ (بخاری و مسلم ایضا)

☆ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں کہ خدیجہؓ کی بہن ہالہ بنت خویلد نے رسول اللہ ﷺ کے پاس آنے کی اجازت مانگی تو آپ نے اس کو خدیجہؓ کا اجازت مانگنا سمجھا۔ چنانچہ اس احساس سے آپ رنجیدہ یا خوش ہوئے اور فرمایا: الٰہی! یہ تو ہالہ بنت خویلد ہیں، چنانچہ یہ دیکھ کر مجھے رشک آیا اور عرض کیا کہ آپ بھی کیا یاد کرتے ہیں، یعنی قریش کی بوڑھیوں میں سے ایک سرخ رو بڑھیا کو جس کی پنڈلیاں پتلی تھیں اور جس کو مرے ہوئے زمانہ ہو گیا، حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اس کا بہتر بدل آپ کو عطا فرمایا ہے۔ (ایضا)

باقی صفحہ 52 پر

رپورٹ سیشن

قافلہ ہے رواں دواں

بحمد اللہ

شکیل الرحمٰن و ارشد ظفر

کل پاکستان اجتماع برائے ناظمین

ناظمین کی تربیت کا یہ اجتماع اس مرتبہ (۲۳ اور ۲۴ مئی ۲۰۰۰ء کو) مسجد توحید کتیاڑی (ضلع دیر، صوبہ سرحد) میں منعقد ہوا جس میں شرکت کے لئے ملک کے تمام مراکز سے ناظمین اور نائب ناظمین ۲۲ مئی کی رات تک اجتماع گاہ میں پہنچ گئے تھے۔ ۲۳ مئی صلوٰۃ الفجر کے بعد پنجاب کے امیر حکیم محمد رمضان صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۳۳ [سارعوا الی مغفرة من ربکم ....] کے حوالے سے درس قرآن دیا۔

اشراق و ناشتے کے بعد صوبہ سرحد کے امیر نیاز اللہ صاحب کے افتتاحی کلمات سے اجتماع کا آغاز ہوا۔ انہوں نے پشتو زبان میں خطاب کیا اور سورۃ العصر کی روشنی میں انجام کار خسارے سے بچنے کے لئے چار شرائط [ایمان، عمل صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر] کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اہل ایمان کو اللہ کی راہ میں صبر اور تقوے کے ساتھ ایمان کا تقاضا پورا کرنے کے لئے کمربستہ و تیار رہنا چاہئے۔ اسی مقصد کے تحت ساتھیوں کی تعلیم و تربیت کے لئے یہ اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں جن سے پوری طرح استفادہ کرنا ہماری ضرورت ہے۔ اس لئے ذمہ دار ساتھیوں کو احساس ذمہ داری کے ساتھ اس کا لحاظ رکھنا چاہئے۔

اس کے بعد کراچی کے ساتھی شبیر عبداللہ نے تجوید کے بنیادی اصول کے طور پر عربی حروف تہجی کے مخارج کو وضاحت سے بیان کیا اور سورۃ الفاتحہ کی قرأت کے ذریعے مختلف مخارج کی ادائیگی کی مشق کرائی۔

مختصر وقفے کے بعد سورۃ الانعام کی آیت ۱۹ [......ائنکم لتشھدون ان مع اللّٰہ الھة اخری ....] کے حوالے سے فہم القرآن کا پروگرام ہوا جس کے تحت ۲۰ منٹ دورانیے کی چار تقاریر ہوئیں۔ ان تقاریر میں پنجاب (فیصل آباد اور لاہور) سے بالترتیب نوجوان ساتھی رفعت نواب اور کیپٹن (ر) ارشد صاحب، صوبہ سرحد سے محمد مظہر صاحب اور بلوچستان سے امام احمد صاحب نے شرکت کی۔ بعد ازاں فہم القرآن کے سلسلے میں ہونے والی ان تقاریر پر کراچی کے سعید احمد صاحب نے تبصرہ کیا اور مقررین کی رہنمائی کے لئے کچھ اصولی باتیں بیان کیں۔

فہم القرآن کی تقاریر کے بعد باہمی تعارف کی نشست ہوئی، جس میں شرکاء اجتماع نے اپنا اپنا تعارف کرایا۔ صلوٰۃ الظہر اور کھانے کے وقفے کے بعد سرگودھا کے ناظم ماسٹر عبدالعزیز صاحب نے عربی تعلیم کے سلسلے میں حروف علت کے تعلق سے گرائمر کے اصول بیان کئے۔ اس کے بعد منور سلطان نے "الحق من ربك فلا تكونن من الممترين" کے عنوان سے ایک خصوصی مقالے کے ذریعے دعوت اور اس کے طریق کار کے تعلق سے وقتاً فوقتاً اٹھائے جانے والے بعض شکوک اور اعتراضات کے سلسلے میں قرآن و حدیث کے حوالوں سے مزین مدلل وضاحت کی۔

صلوٰۃ العصر کے بعد باہمی مشاورت کے عنوان سے ایک پروگرام کے تحت پہلے آزاد کشمیر کے امیر محمد آزاد خان صاحب نے سورۃ الصف کی ابتدائی آیات کے حوالے سے ایمان کے تقاضے کے موضوع پر مختصر تقریر کی۔ اس کے بعد امیر تنظیم محمد حنیف صاحب نے سورۃ الرعد کے تیسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے اظہار خیال کیا، جس میں ان آیات کے نفس مضمون کی وضاحت کے ساتھ ساتھ سامعین کو دنیا کی زندگی میں اخلاص کے ساتھ مومنانہ طرز عمل اپنانے، (اوامر و نواہی کا تقاضا پورا کرتے ہوئے) اللہ سے کئے گئے عہد بندگی کو نبھانے، صلہ رحمی، حسن اخلاق اور دعوت و تبلیغ میں حکمت و موعظت کا انداز اختیار کرنے اور اس طرح اس مجموعی کردار اور طرز عمل کو اللہ کی رضا و خوشنودی کے حصول اور آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنانے کی تلقین کی گئی۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد محمدی گل صاحب نے سورۃ المومن کی آیت ۴۶ [النار یعرضون علیها غدوا و عشیا ....] کی روشنی میں عذاب قبر کے موضوع پر پشتو میں تقریر کی۔

۲۴ مئی صلوٰۃ الفجر کے بعد محمد اعظم خان صاحب نے سورۃ الحجرات کی آیت ۱۵ [انما المومنون الذین امنوا باللہ و رسولہ.....] کے حوالے سے درس

قرآن دیا اور بیان کیا کہ دنیا میں ایمان کے دعویداروں کی کمی نہیں ہوتی لیکن اللہ کی کتاب کی اس آیت کا مصداق اور اپنے دعویٰ ایمان میں سچے اور کھرے صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو پورے شعور اور یقین کے ساتھ اللہ اور اس کے رسولؐ پر ایمان لاتے ہیں اور ایمان لانے کے بعد پھر اس تعلق سے وہ کبھی شک میں پڑتے ہیں اور نہ کبھی ڈانوا ڈول ہوتے ہیں، بلکہ اپنے ایمان کا تقاضا عملی طور پر اللہ کی راہ میں جان و مال کی قربانی دے کر پورا کرتے ہیں۔ انہوں نے قرآن کی مختلف آیات اور احادیث کی روشنی میں ان سچے ایمانداروں کی بعض نمایاں صفات بیان کیں، مثلاً اللہ کے ذکر سے ان کے دل لرز جاتے ہیں اور اللہ کی کتاب کی آیات ان کے ایمان میں اضافے کا باعث بنتی ہیں۔ وہ اللہ کے ساتھ (بدنی اور مالی عبادات کے ذریعے) بندگی کے رشتے کو استوار رکھتے ہیں اور اسی پر توکل و بھروسہ کرتے ہیں۔ اللہ کی راہ میں صبر و ثبات اور استقامت سے جمنے والے، شدید آزمائشوں اور کڑی مشکلات کے مراحل میں کمزوری، گھبراہٹ یا بدگمانی کا شکار ہونے کے بجائے ان مشکلات کو اس راہ کا لازمی تقاضا سمجھ کر اپنے مالک کی رضا پر راضی رہنے اور اللہ اور اس کے رسولؐ کے وعدے کی صداقت پر اعتماد کرنے والے، اپنے مالک کی طرف سے عائد شدہ فرائض اور دینی ذمہ داریوں کو قلب و ذہن کی آمادگی، ذوق و شوق اور پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ ادا کرنے والے اور اس سلسلے میں ہر طرح کے عذر و معذرت سے گریز کرنے والے، اللہ کے رسولؐ یا اجتماعی نظم کی آواز پر لبیک کہنے والے اور اللہ کے دین کے تعلق سے اجتماعی ذمہ داریوں کی ادائیگی کے سلسلے میں کسی طرح بھی میدان عمل سے کھسکنے یا حرف شکایت زبان پر لانے سے گریز کرنے والے، پورے اخلاص اور مستعدی کے ساتھ اجتماعی نظم کی پابندی کرنے والے اور اپنے مالک سے اجر کے طالب بن کر، پوری طرح یکسوئی، دلجمعی اور بے نفسی کے ساتھ اس کی راہ میں برسرپیکار اور سرگرم عمل رہنے والے۔ ایسے ہی وفاشعاروں کا ایمان اللہ کے نزدیک معتبر اور قابل قبول ہوا کرتا ہے۔

اشراق اور ناشتے کے وقفے کے بعد شمیر عبداللہ صاحب نے تجوید و قرآت القرآن کے سلسلے میں دوسرا سبق دیا اور حروف مدہ، حروف لین، حروف قلقلہ اور غنہ کے اصول سمجھائے۔ اس کے بعد سندھ کے نوجوان ساتھی غلام اللہ نے اصول حدیث کے سلسلے میں مدرس کے فرائض انجام دیے اور حدیث کی تعریف، سند کے اعتبار سے اس کی تقسیم، صحیح حدیث و حدیث متواترہ اور ان کی شرائط، خبر واحد کی اقسام اور بعض دوسری اصطلاحات کے بارے میں وضاحت سے سمجھایا۔

اصول حدیث کی تعلیم کے بعد ڈاکٹر عمر خطاب صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیت ۱۷۲ [الذین استجابوا للّٰہ والرسول ۔۔۔] کے حوالے سے تقریر کی۔ اور مذکورہ آیت کے علاوہ اس کے بعد والی آیات کی روشنی میں غزوہ احد کے حالات و واقعات کا تفصیلی جائزہ لیتے ہوئے صحابہ کرامؓ کی قربانیوں کا ذکر کیا۔ عمر خطاب صاحب کی تقریر کے بعد منور سلطان صاحب نے عربی تعلیم کے سلسلے میں سورۃ الفاتحہ کے حوالے سے عربی قواعد بیان کیے۔

بعد ازاں امیر تنظیم کے اختتامی کلمات پر ناظمین کا یہ اجتماع اختتام پذیر ہوا۔ انہوں نے سورۃ الاحزاب کے تیسرے رکوع کی آیات کے حوالے سے خطاب کیا اور غزوہ احزاب کے موقع پر پائی جانے والی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کیا کہ اسلام دشمن قوتیں مسلمانوں کے خلاف آخری بازی لگانے کے ارادے سے سارے عرب کے قبائل کو اکسا کر لائی تھیں۔ اس شدید آزمائش اور انتہائی مشکل مرحلے پر دو کردار سامنے آتے ہیں۔ ایک کمزور ایمان کے حاملین اور منافقین پر مشتمل تھا اور دوسرا سچے اور مخلص ایمانداروں پر۔ منافقین اور کمزور ایمان والوں نے حالات کی سنگینی اور خطرے کو دیکھ کر کہا کہ اللہ اور رسولؐ کا وعدہ محض فریب تھا۔ گویا دل کی کمزوری زبان پر آگئی۔ ان میں سے ایک گروہ نے لوگوں کو پلٹ جانے کا مشورہ دیا اور کچھ نے مختلف حیلے بہانے بنا کر میدان عمل سے فرار کا راستہ اختیار کرنے میں ہی عافیت سمجھی۔ جبکہ ان کے مقابلے میں اللہ کے خالص مومن بندوں نے جب اپنے خلاف جمع ہونے والے کفار کے لشکروں کو دیکھا تو بیساختہ پکار اٹھے کہ یہی وہ وعدہ ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ نے ہم سے کیا تھا کہ اس راہ میں تمہیں شدید آزمائشوں سے سابقہ پیش آئے گا اور یہ سچا وعدہ ہے۔ چنانچہ حالات کی شدت اور آزمائش کی سختی کے اس مرحلے پر کسی قسم کی کمزوری دکھانے کے بجائے ان کے ایمان اور اسلام یعنی جذبہ اطاعت میں مزید پختگی آگئی۔ مالک نے ان آیات کے ذریعے آزمائش کی اس گھڑی میں ان کے عزم و ہمت اور جذبہ ایثار کا ایک نقشہ کھینچا ہے جو قیامت تک اہل ایمان کے لئے ایک قابل تقلید نمونہ اور تقویت و دلجمعی کا سامان ہے۔ اللہ تعالیٰ اس عظیم مقصد اور اس راہ میں آنے والے ایسے ہی مراحل کے لئے اپنے مخلص ایماندار بندوں کو چھانٹتا ہے، جو نفس کی خواہشات کو اپنے مالک کے حکم کے تابع کرتے ہیں، اللہ کی نافرمانی کے کاموں سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اپنے اندر اس طرح مومنانہ اور مجاہدانہ اوصاف پیدا کرتے ہیں۔ نظم و ضبط، سمع و طاعت اور تسلیم و رضا کے پیکر بنتے ہیں۔ یاد رکھئے! اسلامی اجتماعیت انہی اوصاف اور صلاحیتوں کے حامل افراد کے ذریعے پروان چڑھا کرتی ہے۔ آج بھی اسی بات کی ضرورت ہے کہ صحابہ کرامؓ کی طرح قرآنی آیات کا مصداق اور چلتے پھرتے نمونے بننے کی کوشش کی جائے۔ یہ اجتماعات کثیر المقاصد ہوتے ہیں۔ کتاب و سنت کی تعلیم کے سلسلے میں درس و تدریس کی تربیت و رہنمائی، نظم و ضبط اور سمع و طاعت کی پابندی، نفس کے تقاضوں کو دبانا، اللہ کی راہ میں نکلنے کے لئے مال خرچ کرنا اور سفر کی تکالیف و مشقت برداشت کرنا، دوسروں کیلئے ایثار و قربانی، سیرت و کردار کی تعمیر، یہ سارے مقاصد اور اہداف پیش نظر ہوتے ہیں جن کے حصول کے لئے اس طرح کے اجتماعات منعقد کئے جاتے ہیں۔ اس لئے ان سے بھرپور استفادہ کرنے کی نیت و ارادے سے ان

میں شرکت ہونی چاہئے اور ان مقاصد کے حصول کے لئے قوی عزم و حوصلہ لے کر یہاں سے نکلیں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق سے نوازے۔ آمین

امریکہ میں پانچویں سالانہ توحید کانفرنس

امریکہ میں توحید کانفرنس کے عنوان سے پانچواں سالانہ اجتماع ۴ اور ۵ اگست ۲۰۰۰ء بروز جمعہ و ہفتہ، یہاں کی ریاست کیلیفورنیا (California) کے شہر سانتا آنا (Santa Ana) میں منعقد ہوا، جس میں شرکت کیلئے امریکی ریاستوں: فلوریڈا (Florida)، ٹیکساس (Taxas)، مسوری (Missouri) ، الی نوآئے (Illinois) اور میساچوسس (Massachusettes) کے علاوہ کینیڈا سے بھی ساتھی تشریف لائے۔ حسب معمول شرکاء کی رہائش اور اجتماع کے لئے مقامی شہر سانتا آنا کے ایک ہوٹل میں کچھ کمرے اور ایک کانفرنس ہال کرائے پر لے لئے گئے تھے۔ چونکہ کانفرنس کا آغاز اجتماع گاہ میں صلوٰۃ الجمعہ کی ادائیگی سے ہوتا تھا، اس لئے بیشتر ساتھی جمعرات کی شام کو ہی سانتا آنا پہنچ گئے تھے۔ صلوٰۃ الجمعہ کے سلسلے میں خطابت و امامت کے فرائض مسوری سے آنیوالے ساتھی ڈاکٹر تحسین خالد نے انجام دئے۔ اس دو روزہ کانفرنس کے دوران مختلف موضوعات کے تحت تقاریر کے علاوہ سوال و جواب اور باہمی تبادلہ خیال و مشاورت وغیرہ پر مشتمل پروگرام ہوئے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

پہلے روز صلوٰۃ الجمعہ و طعام کے بعد سے عصر تک ہونے والی نشست میں دو تقاریر ہوئیں۔ پہلی تقریر فلوریڈا کے شہر میامی (Miami) کے ساتھی محمد ارشد ظفر صاحب نے سورۃ الممتحنہ کی آیات ۴ تا ۶ کے حوالے سے کی، جس میں انہوں نے ابراہیم علیہ السلام اور ان کے ساتھیوں کے اسوۂ حسنہ پر روشنی ڈالی، جنہوں نے شرک کے ہر شائبے سے پاک ایمان کو اختیار کیا اور اپنی قوم کے مشرکانہ عقائد اور گمراہ کن طرز عمل سے کلیتاً برأت و بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے ان کے سامنے اللہ کی بندگی کی دعوت پیش کی اور اللہ کے دین پر استقامت کے ساتھ جمے رہنے کا حق ادا کیا۔ مالک نے ان کے اس مثالی کردار کو اس طرح پسند فرمایا کہ اسے اپنی مقدس کتاب کے ذریعے اہل ایمان کے لئے قابل تقلید نمونہ قرار دیدیا۔

دوسری تقریر میں ٹیکساس کے ساتھی عمران قیصر صاحب نے سورۃ الکہف کی آیات ۱۳ تا ۱۷ کی روشنی میں اصحاب کہف کے بارے میں بیان کیا کہ یہ چند نوجوان تھے جو اخلاص کے ساتھ اپنے رب پر ایمان لائے۔ اللہ نے ان کی رہنمائی فرمائی اور انہیں اپنی قوم کے اندر الٰہ واحد کی بندگی کی دعوت اٹھانے کی توفیق ملی۔ چنانچہ انہوں نے قوم کے مشرکانہ نظریات اور طور طریقوں کے خلاف آواز بلند کی۔ یہاں تک کہ قوم اور اس کے با اختیار طبقے کی طرف سے شدید مخالفت اور دشمنی کی وجہ سے اپنے دین و ایمان کی حفاظت کے لئے، ان سے کنارہ کش ہو کر ایک غار میں پناہ لینے پر مجبور ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی حفاظت اور پذیرائی فرمائی اور انہیں ایک لمبے عرصے تک سلانے کے بعد بیدار کیا تا کہ لوگ ان کے حال سے باخبر ہوں اور جان لیں کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ عمران قیصر نے اصحاب کہف کے اس واقعے کے حوالے سے کہا کہ نوجوان کسی بھی تحریک کا ایک اہم حصہ ہوتے ہیں، چنانچہ دعوت ایمان کی کھیتی کو اپنے گرم سیال خون سے سینچنے کی تگ و دو میں ہمیشہ نوجوانوں نے ہی ہراول دستے کا کردار ادا کیا اور طاغوتی قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر اس راہ کی آزمائشوں اور تکالیف کو انگیز کیا ہے۔ اس لئے آج بھی ضرورت ہے کہ نوجوان دعوت حق کے سلسلے میں سرگرم عمل ہوں۔

صلوٰۃ العصر کے بعد سوال و جواب پر مشتمل مختصر پروگرام ہوا۔ پھر دو تقاریر ہوئیں۔ پہلے میامی کے ساتھی فہیم خان صاحب نے سورۃ الاعراف کی آیات ۹۶ تا ۹۹ کے حوالے سے ایمان و تقویٰ کو اپنی تقریر کا موضوع بناتے ہوئے بیان کیا کہ انبیاء علیہم السلام کو دعوت پر لبیک کہتے ہوئے ایمان و تقویٰ اختیار کرنے والوں پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمتوں اور برکتوں کے دروازے کھول دیتا ہے، جبکہ ان سے بے پرواہ ہو کر کفر کی راہ پر چلنے والے عذاب الٰہی کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ اللہ کی سنت اور تاریخ کا سبق ہے، مگر لوگوں کی اکثریت اس سے رہنمائی حاصل کرنے سے محروم رہتی ہے۔ اس کے بعد ڈاکٹر تحسین خالد نے سورۃ البقرۃ کی آیت ۲۶۱، ۲۶۲ کی روشنی میں انفاق فی سبیل اللہ کے موضوع پر تقریر کی، اور قرآن و حدیث کے حوالوں سے انفاق فی سبیل اللہ کی اہمیت اور اللہ کے نزدیک اس کے اجر و ثواب کو واضح کیا۔

صلوٰۃ المغرب کے بعد سوال و جواب کی مختصر نشست کے علاوہ شرکاء اجتماع میں باہمی تبادلہ خیال ہوا اور صلوٰۃ العشاء کی ادائیگی پر پہلے دن کا پروگرام اختتام پذیر ہوا۔ پہلے دن کے پروگرام میں مجموعی طور پر ۱۳۵ افراد شریک ہوئے۔

دوسرے روز [۵ اگست بروز ہفتہ] صلوٰۃ الفجر کے بعد کینیڈا سے آنیوالے ساتھی محمد زاہد صاحب نے سورۃ النحل کے پانچویں رکوع کی آیات کی روشنی میں درس قرآن و حدیث دیا اور الٰہ واحد کے مفہوم کی وضاحت کرتے ہوئے ترغیبی انداز میں بیان کیا کہ ہمیں چاہئے کہ اپنے گھروں میں قرآن مجید کے باقاعدہ مطالعہ کا اہتمام کریں اور اس میں اہل خانہ کو بھی شریک کریں تا کہ ہمارے گھروں میں اسلامی ماحول پروان چڑھے۔ کتاب و سنت کی تعلیمات سے باقاعدہ تعلق ہی ہمیں اپنے دین پر قائم رہنے اور اس دور کے فتنوں سے خود کو محفوظ رکھنے کیلئے صحیح رہنمائی فراہم کر سکتا ہے۔

درس قرآن اور ناشتے کے بعد مسلسل چار تقاریر ہوئی جن میں سب سے پہلے فلوریڈا کے عاطف زریں صاحب نے سورۃ الاسراء کی آیات ۲۳ تا ۲۸ کے حوالے سے تقریر کی۔ انہوں نے متعلقہ آیات کے علاوہ سورۃ النساء کی آیت ۳۶ اور مختلف احادیث کی روشنی میں اللہ کے حق (بندگی) اور بالخصوص حقوق العباد کے سلسلے میں والدین، قرابت داروں اور پڑوسیوں کے حقوق اور ان سے صلہ رحمی اور حسن سلوک

سے پیش آنے کی ضرورت اور اہمیت کو واضح کیا۔ دوسرے نمبر پر میامی کے ساتھی محمد ہارون صاحب نے سورۃ آل عمران کی آیات ۱۴۳ تا ۱۴۴ کے حوالے سے وفات النبی ﷺ کے موضوع پر تقریر کی، اور کتاب وسنت کی تعلیمات کی روشنی میں موضوع کے حق میں دلائل دیتے ہوئے بیان کیا کہ اس قدر محکم اور واضح تعلیمات کے باوجود آج امت کی اکثریت نے وفات کے مقابلے میں حیات النبی کا عقیدہ اپنا رکھا ہے۔ پھر اس کو بنیاد بنا کر اللہ کے نیک بندوں اور خود ساختہ اولیاء کے علاوہ ہر مرنے والے کو اسی دنیوی (قبر میں) زندہ مانا جاتا ہے، جبکہ حیات فی القبر کا یہ عقیدہ قرآن و صحیح احادیث کے انکار پر مبنی اور شرک کی جڑ ہے۔ تیسرے نمبر پر الی نوائے کے شہر شکاگو (Chicago) سے آئے ہوئے ساتھی محمد یونس صاحب نے اپنی تقریر میں سورۃ العصر کی روشنی میں خسارے سے بچنے کے لئے چار شرائط: ایمان، اعمال صالح، تواصی بالحق اور تواصی بالصبر کی وضاحت کی اور اس سلسلے میں "امت مسلمہ" کی بے فکری اور غفلت شعاری کو اس کی موجودہ دگرگوں حالت کی وجہ قرار دیا۔ اس سلسلے کی آخری تقریر نوعمر (تھے) ساتھی عثمان عبداللہ کی تھی جنہوں نے سورۃ یونس کی آیات ۶۲،۶۱ کے حوالے سے اپنے مختصر خطاب میں یہ بتایا کہ ولی اللہ کون ہیں؟ وہ کہ جو کتاب وسنت کے مطابق ایمان وتقوے کے مطلوبہ معیار پر پورا اترتے ہیں یا وہ خود ساختہ اولیاء کہ جن کے مزارات اور آستانے مرجع خلائق اور غیر اللہ کے نام کی نذر و نیاز، چڑھاووں، پکاروں اور دہائیوں کی آماجگاہ بن کر کفر و شرک کے اڈے بن گئے ہیں؟

تقاریر کے اس سلسلے کے اختتام پر مختصر وقفہ ہوا، جس کے بعد اجتماع میں موجود تمام ساتھیوں کی ایک نشست میں مستقبل کے لائحہ عمل پر غور کیا گیا۔ پھر ایک مختصر سیشن میں پاکستان کے تعلق سے دعوتی سرگرمیوں پر ایک رپورٹ پڑھی گئی، جس کے بعد سوال و جواب کی نشست ہوئی۔ آخر میں ڈاکٹر تحسین خالد صاحب نے سورۃ الرعد کی آیت ۲۸ کے حوالے سے اللہ کے ذکر کی اہمیت بیان کی اور اسی اثناء میں شرکاء اجتماع نے بعض مسنون دعائیں اور اذکار یاد کرنے کی کوشش کی۔

صلوٰۃ الظہر وطعام کے وقفے کے بعد سے عصر تک پھر لگاتار چار تقاریر ہوئی۔ ڈاکٹر عمران قیصر صاحب نے سورۃ النحل کی آیت ۳۶ کے حوالے سے رد طاغوت کے موضوع پر تقریر کی۔ انہوں نے طاغوت کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ اللہ کی بندگی اختیار کرنا اور طاغوت سے اجتناب تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ سنت ہے۔ انہوں نے اپنی اپنی قوموں کو اسی کی دعوت دی۔ گویا طاغوت سے اجتناب کے بغیر اللہ کی بندگی کا حق ادا نہیں ہو سکتا، جس طرح اس کے کفر یا رد کے بغیر ایمان معتبر نہیں ہوتا۔ اس کے بعد ڈاکٹر تحسین خالد صاحب نے آیت الکرسی [سورۃ البقرۃ: ۲۵۵] کو اپنی تقریر کا موضوع بنایا اور بیان کیا کہ قرآن کی یہ عظیم آیت اللہ کی وحدانیت کا کھلا اور واضح اعلان ہے۔ اس میں اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ اور اس کی قدرت وعظمت کا اظہار کیا گیا ہے۔ انہوں نے اس آیت کی روشنی میں شرک کی بعض معروف اقسام کی نشاندہی کر کے ان کا رد کیا۔ اس سے اگلی تقریر کا عنوان بھی توحید باری تعالیٰ ہی تھا جس میں محمد زاہد صاحب نے سورۃ الاخلاص کے حوالے سے انگریزی زبان میں مختصر خطاب کیا۔

آخر میں میامی کے ساتھی محمد سلیم صاحب نے سورۃ الدھر کے پہلے رکوع کی آیات کے حوالے سے تقریر کی جس میں انسان کی حقیقت، اس کے مقصد حیات اور انجام کو واضح کیا گیا ہے، یعنی ہدایت سے منہ موڑ کر کفر کی روش پر چلنے والوں کے لئے زنجیریں، طوق اور شعلہ زن آگ تیار کی گئی ہے جبکہ ہدایت کو قبول کر کے نیکی کی راہ پر چلنے والوں کے لئے جنت کی نعمتیں اور آسائشیں ہیں۔ انہوں نے موجودہ حالات کا جائزہ لیتے ہوئے بیان کیا کہ اس دور میں مختلف انسانی مسائل کی وجہ اسی ہدایت سے بے پرواہی اور دین وایمان سے دوری ہے، چنانچہ ان تمام مسائل کا حل صحیح ایمان اختیار کرنے اور اس کا تقاضا پورا کرنے میں ہے۔ اس لئے اہل ایمان کو چاہئے کہ وہ دعوت حق کو پھیلانے میں حکمت وبصیرت سے کام لیں اور اس کو اپنا فریضہ سمجھ کر اس کے لئے کوشش کریں۔

صلوٰۃ العصر کے بعد سوال وجواب کا قدرے تفصیلی پروگرام ہوا، جس کے بعد اس اجتماع کا اختتام ارشد ظفر صاحب کے اختتامی کلمات پر ہوا۔ انہوں نے اجتماع کے دوران ہونے والی مختلف تقاریر کے حوالے سے بیان کیا کہ نیک اعمال کا دارومدار صحیح ایمان پر ہے۔ ایمان کے بغیر اعمال راکھ کا ڈھیر ہیں جن کی اللہ کے نزدیک کوئی قدر وقیمت نہیں۔ اس لئے شرک سے پاک ایمان اختیار کرنے کے بعد عملی طور پر اس کا تقاضا پورا ہونا چاہئے، اور اس ایمان کی دعوت کے لئے تیاری اور سرگرمی ہونی چاہئے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق دے۔ آمین

دوسرے دن شرکاء کی تعداد ۳۴ تھی۔ اس اجتماع کی خاص بات اس میں خواتین کی شرکت تھی، جن کے لئے خصوصی پردے کا انتظام کیا گیا تھا۔ انہوں نے اس اجتماع میں بھرپور دلچسپی کے ساتھ حصہ لیا اور سوال وجواب کے پروگراموں میں زیادہ تر سوالات خواتین شرکاء کی طرف سے ہی کئے گئے تھے۔

توجہ طلب!

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَلْتَنظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۖ وَاتَّقُوا اللَّهَ ۚ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ ۝ وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ نَسُوا اللَّهَ فَأَنسَاهُمْ أَنفُسَهُمْ ۚ أُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ ۝ لَا يَسْتَوِي أَصْحَابُ النَّارِ وَأَصْحَابُ الْجَنَّةِ ۚ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ هُمُ الْفَائِزُونَ ۝

(الحشر: ۱۸-۲۰)

"اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور ہر شخص کو دیکھنا چاہئے کہ اس نے کل (آخرت) کے لئے کیا آگے بھیجا ہے۔ اور اللہ سے ڈرتے رہو، بے شک اللہ اس سے باخبر ہے جو تم کرتے ہو۔ اور ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اس نے ان کو ان کی اپنی جانوں سے غافل کر دیا۔ ایسے ہی لوگ فاسق ہیں۔ جہنم والے اور جنت والے برابر نہیں ہو سکتے۔ جنت والے ہی کامیاب ہیں۔"

سلسلۂ سوال و جواب

ڈاکٹر مسعود الدین عثمانی رحمۃ اللہ علیہ | ترتیب | سعید احمد

سوال 1: کیا موسیٰ علیہ السلام دنیاوی قبر میں نماز میں پڑھتے تھے؟

جواب: معراج کے موقع پر نبی ﷺ بیت المقدس میں پہنچ کر مسلم کی روایت کے مطابق سارے انبیاء کی صلوٰۃ میں امامت فرمائی۔ اس بات کو بتانے کے لئے کہ آپؑ آخری نبی ہیں اور پیغمبروں کے امام بھی، اللہ تعالیٰ نے معجزے کے طور پر خرق عادت دنیاوی زندگی کی شکل میں تمام انبیاء کو یکجا کر دیا اور آپؐ سے سارے نبیوں کی صلوٰۃ میں امامت کروائی۔ اس صلوٰۃ کی ادائیگی کے بعد جب آپؐ اوپر آسمانوں میں پہنچتے ہیں تو ان نبیوں کو دوبارہ دیکھا جنھیں بوقت امامت بیت المقدس میں دیکھ چکے تھے اور حدیث میں ارشاد بھی فرمادیا کہ فلاں فلاں نبیوں کو امامت کے وقت دیکھا۔ لیکن انہی کو جب اوپر آسمانوں میں دیکھا تو بار بار اپنے ہمراہی جبرئیلؑ سے پوچھنا پڑا کہ مَنْ هٰذا یا جبرئیلُ (اے جبرئیل یہ کون ہیں؟)۔ آسمان پر آدم، ابراہیم، موسیٰ، عیسیٰ مختلف انبیاء علیہم السلام کو دیکھا لیکن ان سب کے لئے پوچھا کہ یہ کون ہیں، یہ کون ہیں۔ تو معلوم ہوا کہ دنیاوی قبر میں صلوٰۃ ادا کرنے والے موسیٰ علیہ السلام اپنے برزخی جسم کے ساتھ نہ تھے ورنہ یہ پوچھنے کی ضرورت نہ پڑتی کہ یہ کون ہیں کیونکہ تھوڑی دیر پہلے ہی تو دنیا میں صلوٰۃ کی امامت کرتے ہوئے انہیں دیکھا تھا۔ دراصل یہ واقعہ معراج ایک معجزہ تھا اور معجزے کا ہر واقعہ خرق عادت یعنی معمول کے خلاف ہوتا ہے جس کو بنیاد بنا کر یہ عقیدہ ثابت کرنا کہ انبیاء علیہم السلام اپنی دنیاوی قبروں میں صلوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اسی طرح دوسرے مردے بھی اپنی دنیاوی قبروں میں زندہ ہیں، ایک باطل استدلال ہے۔

سوال 2: ڈاکٹر صاحب یہ جو قرآن میں کہا گیا ہے کہا آپس میں تفرقہ نہ ڈالو، اور نبی ﷺ نے بھی تفرقہ بازی سے منع کیا ہے بلکہ یہاں تک کہا کہ صرف ایک گروہ بخشا جائے گا باقی سب جہنم میں جائیں گے۔ اس کے باوجود آج کل یہاں جتنے فرقے بن رہے ہیں یا بن چکے ہیں تو اس کا کیا جواز ہے؟

جواب: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا (آل عمران ۱۰۳) مالک ایک خاص بات کہتا ہے کہ تم سارے لوگ جو ایمان کے اقراری ہو سب اللہ کی رسی یعنی قرآن وحدیث سے چمٹ جاؤ۔ اور اگر یہ رہا کہ قرآن و حدیث کے علاوہ تمہارے سامنے کسی فلسفی کی بات، تمہارے باپ دادا کی ریت، کسی بڑے کا قول، وغیرہ تم نے دین میں داخل کیا تو یہ تفرقہ ہے۔ اس سے تمہارے اندر وحدت باقی نہیں رہے گی، اکائی ٹوٹ جائے گی۔ یہ بہت اہم مسئلہ ہے۔ وحدت کی بنیاد یہی حبل اللہ ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَةٍ سَوَاءٍۢ بَیْنَنَا وَ بَیْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ (آل عمران ۶۴) کہ ہم اللہ کو اکیلا مان لیں اور اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ یہ ایک کلمہ ہے جس میں بتایا ہے کہ اس کی طرف بلاؤ۔ پھر جو یہ بات نہ مانے تو قرآن وحدیث سے ہٹ کر کوئی اپنی بات چلانا چاہے تو یہ تفرقہ اندازی ہے۔ فرقہ بندی یہ نہیں ہے کہ آپ قرآن وحدیث کی طرف بلائیں کہ اللہ کے نبی مدینے والی قبر میں زندہ نہیں ہیں، درود وسلام نہیں سنتے۔ اب دوسرا یہ کہتا ہے کہ نہیں صاحب اللہ کے نبی تو اسی مدینے والی قبر میں ہی زندہ ہیں، درود وسلام سنتے ہیں، تو گویا وہ اس حبل اللہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں جس کو لے کر ہم چل رہے ہیں۔ اب ہم ان کو اپنے ساتھ لے کر کیسے چل سکتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ قبر میں نبی ﷺ پر ازواج مطہرات پیش کی جاتی ہیں۔ اہل حدیث کہتے ہیں کہ نبی ہی نہیں بلکہ سارے مردے زندہ ہیں، دیکھتے اور سنتے ہیں ...... یہ ساری باتیں قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ یہ تفرقہ بازی ہے۔ جو بات قرآن وحدیث کے خلاف کی جائے وہی تفرقہ ہے اور جو مین قرآن وحدیث کے مطابق ہو تو وہ حبل اللہ ہے جس سے تمسک کا اللہ نے حکم دیا ہے۔ لوگوں نے اس حبل اللہ کو چھوڑ کر اپنی بنائی ہوئی چیزوں کو تھام کر گروہ و فرقے بنا لئے ہیں اور كُلُّ حِزْبٍۭ بِمَا لَدَیْهِمْ فَرِحُوْنَ۔ اللہ کے دین کو انہوں نے ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور ہر ایک کے ہاتھ جو آیا ہے وہ اسی میں مگن اور خوش ہے اور پھر اس طرح کی باتیں بنائی جاتی ہیں کہ ہم اہلسنت والجماعت ہیں، ہم نبیؐ کو نور کا مانتے ہیں ...... دوسرے کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، ہمارے بزرگ قاسم نانوتوی نے آب حیات میں لکھ دیا ہے کہ وفات کے وقت نبی ﷺ کی روح جسم سے نہیں نکلی ...... تیسرا گروہ سب مُردوں کو زندہ مانتا ہے۔ یہ تینوں گروہ خلاف قرآن بات کہتے ہیں۔ قرآن کہتا ہے: قَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰی لَیْسَتِ الْیَهُوْدُ عَلٰی شَیْءٍ (البقرۃ ۱۱۳) یعنی یہودی کہتے ہیں کہ عیسائیوں کا عقیدہ غلط ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں اور اسی طرح عیسائی کہتے ہیں کہ یہودیوں کا عقیدہ غلط ہے ان کے پاس کچھ بھی نہیں۔ یہی حال ہمارے یہاں سارے فرقوں کا ہے۔ دیوبندی ہوں، بریلوی ہوں یا اہلحدیث، یہ سب تفرقہ باز ہیں، یہ سب حبل اللہ کو چھوڑ کر اپنے اپنے مسلک سے تمسک کئے

ہوئے ہیں۔ اب اگر کوئی انہیں حبل اللہ کی طرف بلاتا ہے تو یہ تفرقہ بازی نہیں بلکہ عین دین ہے، دعوت حق ہے، اسلام کی خدمت ہے۔

سوال 3: کیا ائمہ مسجد کے علما صحیح مسلک پر ہیں؟

جواب: صحیح مسلک پر نہیں ہیں۔ جیسا کہ میں نے بار بار بتایا ہے۔ ان میں دو باتیں کفر و شرک کی موجود ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ کو مدینے والی قبر میں زندہ مانتے ہیں اور درود و سلام سننے کا بھی عقیدہ رکھتے ہیں اور یہ بھی کہ جو درود و سلام دور سے پڑھا جائے، فرشتے اسے پہنچا دیتے ہیں .... گویا فرشتے یہ بھول جاتے ہیں کہ اَللّٰھُمَّ صَلِّ عَلٰی مُحَمَّدٍ (اے اللہ محمد پر رحمت فرما) پڑھ کر ہم اللہ سے نبی ﷺ کے لئے دعائے رحمت کرتے ہیں لیکن یہ اسے اللہ کے بجائے نبی کے پاس لے جاتے ہیں!

سوال 4: کیا اہل کتاب مشرک شخص کسی مومن کی نماز جنازہ اور نکاح پڑھا سکتا ہے؟

جواب: نکاح میں اصل چیز گواہ اور ایجاب و قبول ہے۔ کسی مومن و مشرک سے پڑھوانے کی کوئی قید نہیں۔ مشرکین سے برأت و بیزاری کے اظہار کے لئے ان سے نکاح بھی نہ پڑھوایا جائے۔ لیکن اگر مجبوری ہو، مومن نکاح پڑھانے والا نہ ہو اور کوئی مشرک پڑھا دے تو نکاح ہو جائے گا۔ البتہ کسی مومن کی نماز جنازہ کوئی مشرک نہیں پڑھا سکتا۔ یہ کسی طرح بھی جائز نہیں۔ مومن کو چاہیے کہ وصیت کر جائے کہ اس کی نماز جنازہ کوئی مومن ہی پڑھائے۔

سوال 5: ہمارے یہاں چھوٹے بچوں کا بچپن میں نکاح کر دیا جاتا ہے اور بڑا ہونے پر صرف رسم ادا کی جاتی ہے اور لڑکی کو رخصت کر دیا جاتا ہے اور زوجین کی مرضی معلوم نہیں کی جاتی۔ کیا اس طرح کیا ہوا نکاح درست ہوتا ہے؟

جواب: ایسے معاملے میں ولی کو اختیار ہوتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ نے زوجین کے ولیوں کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ وہ بچے اور بچی کا عقد نکاح باندھ دیں تو یہ نکاح ہو جاتا ہے۔ اب بالغ ہونے پر لڑکے اور لڑکی دونوں کو اختیار ہے کہ چاہیں تو اس نکاح کو برقرار رکھیں چاہیں ختم کر دیں۔ ایسے نکاح کا شوہر طلاق دے سکتا ہے اور بیوی رخصت ہونے سے انکار کر کے اس نکاح کو ختم کر سکتی ہے۔

سوال 6: واقعہ معراج پر روشنی ڈالیں کہ جس طرح یہ منایا جاتا ہے درست ہے؟ کیا یہ معراج جسمانی تھی؟

جواب: واقعہ معراج بالکل حقیقی ہے۔ قرآن اس پر شاہد ہے کہ اللہ کے نبی ﷺ کو ان کے رب نے اپنی بارگاہ میں بلایا اور آپ اپنے عنصری جسم کے ساتھ گئے۔ یہ کوئی خواب کا معاملہ نہیں تھا۔ شیعوں کے نزدیک یہ روحانی معراج تھی۔ محمد بن اسحاق نے اپنی شیعت کا ثبوت دیتے ہوئے روایت کیا ہے کہ عائشہؓ سے روحانی معاملہ منقول ہیں کہ معراج کے موقع پر آپ کا جسم اپنے بستر سے غائب نہیں ہوا تھا۔ یہ شخص یہ بات امیر معاویہؓ سے بھی منسوب کرتا ہے۔ یہ بالکل جھوٹا شخص ہے۔ معراج کے متعلق صحابہ میں کوئی اختلاف نہیں تھا۔ سب کا یہ عقیدہ تھا کہ نبی ﷺ اپنے جسم کے ساتھ جبرئیل کے ساتھ براق پر بیت المقدس گئے اور وہاں سے آسمانوں تک اور جبرئیل کی معیت میں ساتوں آسمانوں کی سیر کی۔ یہ بالکل حقیقی بات ہے۔ لیکن یہ بات تحقیق و معلوم نہیں کہ معراج کس زمانے کا واقعہ ہے۔ بعض نے کہا کہ مکے کا شروع دور کا واقعہ ہے، بعض نے درمیانی کہا اور زیادہ تر یہ کہتے ہیں کہ ہجرت سے ایک سال پہلے کا واقعہ ہے۔ جب سال ہی صحیح طور پر معلوم نہیں تو مہینہ اور تاریخ کا تعین کیسے درست ہو سکتا ہے۔ اور جس طرح سے اس واقعہ کو منایا جاتا ہے، یہ کسی ایک حدیث سے بھی ثابت نہیں۔ یہ صوفیوں اور شیعوں کی خالص اختراع ہے۔ عبدالقادر جیلانی صاحب نے غنیۃ الطالبین میں اس کی بڑی تعریف کی ہے، اور جتنے بھی صوفی ہیں سب ہی اس کو مانتے ہیں۔ لیکن اس سلسلے میں کوئی بھی روایت درست نہیں۔ کسی صحیح روایت میں اس کی کوئی فضیلت نہیں بیان ہوئی، نہ اس کے روزے اور رت جگے کے بارے میں کچھ بتایا گیا ہے۔ بات دراصل یہ ہے کہ جب ان لوگوں میں اصل دین باقی نہ رہا تو کچھ نہ کچھ تو ان کو کرنا ہی ہے۔ کچھ رسمیں اور رواج ایجاد کر لئے تاکہ لوگ مشغول رہیں۔ اور اس طرح سے دین کے بیوپاریوں کا کاروبار بھی چلتا رہے اور وہ اپنی کمائی کھری کرتے رہیں۔

سوال 7: معراج میں کیا نبی ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تھا؟

جواب: عائشہؓ سے مسروق نے پوچھا کہ کیا نبی ﷺ نے اللہ کو دیکھا تھا۔ عائشہؓ نے جواب دیا کہ میرے تو رونگٹے کھڑے ہو گئے تم نے یہ کیسی بات کہی، جس نے یہ کہا کہ نبی ﷺ نے اللہ کو دیکھا، وہ جھوٹا ہے۔ (بخاری کتاب التفسیر، سورۃ النجم) لوگ تو یہ بھی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ نے اللہ سے ہاتھ ملایا، اللہ تو پردے میں تھا، انگوٹھی سے پہچانا، لیکن یہ انگوٹھی علیؓ کی تھی، جب آپؐ کا پاؤں پھسلا تو ہمارے غوث صاحب نے بڑھ کر تھام لیا، اس وجہ سے دستگیر کہلاتے ہیں۔ اسی قسم کی باتیں یہودیوں کی کتاب عہد نامہ عتیق (Old Testament of Bible) میں یعقوب علیہ السلام کے بارے میں بھی لکھی ہیں۔ یعقوب وہ اس معنی میں لیتے ہیں کہ سب سے بڑا پہلوان۔ ان کا اللہ سے کسی بات پر جنت میں تنازعہ ہو گیا تو اللہ سے انہوں نے کشتی لڑی اور (نعوذ باللہ) اللہ کو پچھاڑ دیا۔ ابھی تک ان کی کتاب توریت میں لکھا ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی آخری کتاب قرآن مجید کی حفاظت نہ فرماتا تو یہ باتیں اس کتاب میں بھی آ جاتیں۔ کیا ان کے مولوی یعقوب صاحب نے گیارہویں کی ایک محفل میں کہا کہ یہ لوگ کہتے ہیں اولیا اللہ میں طاقت نہیں، حالانکہ عالم یہ ہے کہ جب "حضور غوث پاک" جب ماں کے پیٹ میں تھے، والدہ خوبصورت اور جوان تھیں، ایک غیر مرد نے بری نگاہ سے ان کو دیکھا، "حضور غوث پاک" ماں کے پیٹ سے تلوار لے کر باہر آ گئے اور اسے قتل کر دیا۔ عالم یہ ہے کہ رامپور کے

باقی صفحہ 52 پر

دراصل یہ ظلم یوں ہوا کہ ایک مدت گزر جانے کے بعد فنِ دینداری کے ماہروں نے اپنا پیشہ چمکانے کے لئے ہندوؤں کی طرح دیوتاؤں اور دیویوں کی فوج تیار کر کے اُن کے گرد ایک عظیم الشان دیومالا کا تانا بانا بُن دیا۔ پھر اسلامی کاشی اور متھرا وجود میں آئے اور مسلمان گنیشوں اور مرلیوں نے جنم لیا۔ کھڑے پتھروں کی جگہ پڑے پتھروں نے قبروں کی شکل میں اپنے استھان بنائے اور درشن کا نام بدل کر "زیارت" رکھا گیا۔ پرنام کی جگہ سلام نے لے لی۔ ڈنڈوت نے سجدۂ تعظیمی کا جامہ پہنا۔ پھیروں کے بجائے طواف ہونے لگے۔ پرشاد تبرک بن گیا۔ بھجن نے قوالی کا رُوپ دھار لیا۔ اور یہ موجودہ "دین" وجُود میں آیا۔ پھر ہزاروں قیدی بنے۔ لاکھوں کی عصمتیں برباد ہوئیں۔ لاتعداد لاشے تڑپے۔ نونہالوں کا خون چوس چوس کر یہ دھرتی سیراب ہوئی مگر اس نئے دین کی بہاروں کا ایک پھول نہ کھلایا۔

کوئی کہے یا نہ کہے، ہم اعلان کرتے ہیں کہ یہ دین ہمارا دین نہیں۔ یہ ایمان ہمارا ایمان نہیں۔ ہم تو ایسے دین، ایسے ایمان کے جانی دشمن ہیں۔ ہم تو اُس سچے دین اور سچے ایمان کے قائل ہیں جو عبادات و معاملات، کردار و عمل، تہذیب و تمدن، تعلیم و ثقافت، سیاست و سیادت، صلح و جنگ، غرض زندگی کے ہر شعبہ کو اللہ کے رنگ میں رنگ دے۔ اور غیر اللہ کی بندگی کا ایک دھبہ بھی باقی نہ چھوڑے اور اگر یہ انقلاب زندگی میں رُونما نہ ہو تو سمجھ لو کہ دو باتوں میں سے ایک بات ضرور ہے:۔

(۱) یا تو ایمان کا اقرار کرنے والا کم عقل اور سفیہ ہے اور ایمان کے تقاضوں کی سمجھ ہی نہیں رکھتا۔

(۲) یا وہ منافق ہے کہ زبان سے تو اقرار کر رہا ہے مگر دل سے مان کر زندگی اور ماحول میں تبدیلی لانے پر تیار نہیں ہے۔ وہ ایمان ہرگز ایمان نہیں ہے جس کے اثر سے انسان کے کردار و عمل میں اُسکی صبح و شام میں انقلاب نہ آجائے۔ سچے ایمان ہی کو یہ توفیق ملتی ہے کہ وہ اللہ کی راہ میں اس کی توحید کو قائم کرنے کے لئے سر بکف میدان میں اُتر کر باطل کو للکارے۔ پھر زمین کانپے، سر اُچھلیں، سینے چاک ہوں، آسمان دھوئیں سے بھر جائے اور جب زمین کو سکون ملے اور گرد چھنٹے تو یہ معلوم ہو کہ حق اپنے وسائل کی کمی کے باوجود کامران ہے اور باطل پسپا اور بے حال۔

ہمارے سامنے یہی ایک ہدف ہے۔ ہم اللہ کے بندوں کو برابر اسی ایمان کی طرف بُلاتے رہیں گے چاہے ایک ہاتھ بھی ہماری حمایت میں نہ اُٹھے۔ اور ایک زبان بھی ہماری تائید کرنے پر تیار نہ ہو۔ انشاءاللہ۔ کیونکہ اسی طرح سے ذلت عزت میں، بے آبروئی آبرومندی میں اور بزدلی جرأت میں بدل سکتی ہے۔ اور پھر یہ خراب و خستہ، ذلیل و رسوا اُمت دُنیا اور آخرت میں سرفرازی، کامرانی اور تاجداری کی مستحق بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ وہ دن جلد لائے۔ آمین۔ (اقتباس: یہ مزار یہ میلے ۳۲،۳۳)

ثِنْتَانِ مُوجِبَتَانِ

عَنْ جَابِرٍ رَضِیَ اللّٰهُ عَنْهُ قَالَ :

اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ فَقَالَ :

یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْمُوْجِبَتَانِ

قَالَ : مَنْ مَّاتَ لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ

وَمَنْ مَّاتَ یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَیْئًا دَخَلَ النَّارَ ٥

(مُسلم : کتابُ الایمان)

جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے :

بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہُوا اور عرض کیا :

یارسُول اللہ ! (جنّت و دوزخ کو) واجب کر دینے والی دو چیزیں کونسی ہیں ؟

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :

"جو شخص اِس حال میں موت سے ہمکنار ہو کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرتا ہو تو وہ جنّت میں داخل ہوگا اور جس کو اِس حالت میں موت آئے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک کرتا ہو، وہ جہنم کی آگ میں داخل ہوگا"